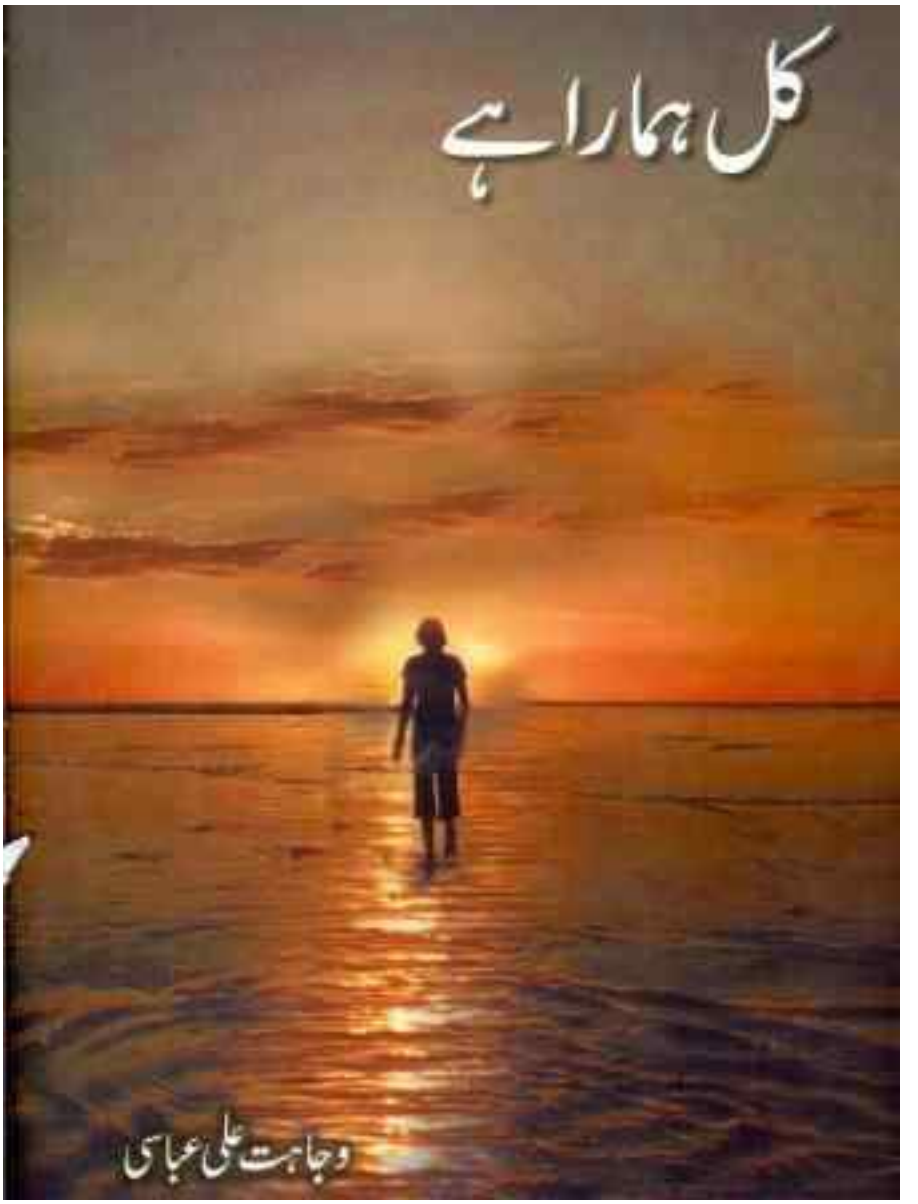

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جملہ حقوق بحق نیلوفر عباسی

مصنف: وجاہت علی عباسی

اشاعت: 2011ء

کمپوزنگ: احمد گرافکس

اہتمام: سید قمر زیدی (چیئرمین)

قیمت: =/350روپے

ناشر

ویلکم بک پورٹ

مین اردو بازار کراچی پاکستان

فون: (92-21) 32633151 - 32639581

فیکس: (92-21) 32638086

ای میل: welbooks@hotmail.com

ویب: www.welbooks.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ
کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنی بہنوں

ثوبیہ اور ماریہ کے نام

www.iqbalkalmati.blogspot.com

راز کی بات

اللہ نے ہمیں جو اعزاز دیئے اُن میں ہندوستان کے شہر امروہہ میں پیدائش بھی ہے۔ ہمارے والد جناب یعقوب علی عباسی نے اپنی مرضی سے پاکستان قبول کیا اور نئے ملک کی طرف سفر کیا۔ ہم اُس وقت چھوٹے تھے لیکن اول تو امروہہ کی دائی نے گھٹی پلائی تھی اور اُس کی فضاء میں سانس لی تھی۔ کئی موسم آئے گئے تھے لفظ مترنم ہو کر کانوں تک پہنچے تھے۔ آم کے درختوں میں جب بور آتا تو کوئل کی کُوک، پپیہے کی پیہی باغوں سے نکل کر گھروں کی سہ دری تک آ جاتی ہے۔ امروہہ میں ہر موسم باتیں کرتا ہے رنگ اپنی طرف بلاتے ہیں بارشیں رم جھم رم جھم کے گیت سناتی ہیں اور وہاں کے رہنے والے لفظوں کے جادو سے نکل نہیں سکتے۔

جب ہم بڑے ہوئے تو ایک بار امروہہ گئے وہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا سوچا تھا۔ نیلے آسمان پر اُڑتے سفید بادل۔ ہوا سے جھومتے سبز گھنے آموں کے درخت، محبت سے بھرے لوگ دعائیں دیتے بزرگ اور گلی کوچوں میں محبت اور اپنائیت کی روایت۔

امروہہ میں ہر شخص ایک لفظ ہے بولتا ہے لکھتا ہے سنتا ہے۔ ہمارے دادا کے گھرانے میں کتنے ہی لوگ شعر کہتے تھے محفلیں سجاتے تھے اپنے ذوق وشوق کا مقابلہ کرتے تھے ہمارے والِد بھی اِن میں شامل تھے۔

ہمارے نانا کے خاندان میں بھی شعر وسخن کا موسم تھا کتنے شاعر تھے اُن کا کیا شمار ہماری نانی کے بھائی وقار صدیقی تاج امروہوی تاج الشعراء کہلاتے ہیں ہماری والدہ کے بھائی اِفتخار الحق دلیر عثمانی اپنے زمانے کے ممتاز شاعر تھے۔ اُس زمانے میں دیوان شائع کرنے کا رواج نہیں تھا۔ زندگی جب سانس لینا بند کرتی تھی تو شعر بھی اکثر سانس روک لیتے تھے۔ ایسا ہی امروہے والوں کے ساتھ بھی ہے۔ ایک ضخیم کتاب شعرائے امروہہ شائع ہوئی ہے جس میں سات سو سے زیادہ امروہے والوں کا کلام ہے جو نہ جانے کیسے دستیاب ہوا لیکن ایسی کوئی مکمل کتاب شائع نہیں ہو سکتی جس میں تمام امروہہ والوں کے شعر ہوں۔

اگر امروہہ کی آبادی ایک لاکھ ہے تو اُس میں ننانوے ہزار شاعر ہیں اور ایک ہزار کو ہم نے اس لئے شاعر نہیں کہا کہ پھر شعر کون سنے گا۔ ہمارے ماموں صاحب دلیر عثمانی کا دِیوان ''نیرنگ خیال'' شائع ہوا ہے لیکن اُس سے پہلے اُن کے شعر کتنے ہی شاعروں نے اپنا لئے ہیں فلموں میں کسی اور کے نام سے آ گئے ہیں، اُن کے سب بیٹے بیٹیاں صاحبِ علم اور صاحب ذوق ہیں اِظہار عثمانی امروہوی ہمارے ماموں زاد بھائی ممتاز افسانہ نگار ہیں اُن کی درجن بھر کتابیں آ چکی ہیں اور آج بھی وہ مسلسل متواتر اور انتہائی اچھا لکھ رہے ہیں۔

ہم امروہہ میں پیدا ہوئے۔ اِس لئے جائیداد میں لفظ ملے کتنے موسم گزرے ہم لفظوں کے پھول جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جن کو ایک بار چُن لیا تو پھر اُن کے مقدر میں خزاں نہیں ہوتی پت جھڑ نہیں آتا زرد نہیں پڑتے۔

ہماری بیوی نیلوفر کے والدِ علیم الدین خاں کا تعلق اعظم گڑھ سے تھا۔ وہ الہ آباد یونیورسٹی کے ایک ذہین اور قابل طالب علم تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُن کا ادبی ذوق اِنتہائی نفیس تھا وہ تنقیدی مضامین تحریر کرتے تھے۔

نیلوفر کے ننھیال کا تعلق لکھنو فرح آباد سے تھا اُن کی والدہ ن۔ خاتون اعلیٰ ادبی ذوق کی حامل تھیں اور پاکستان کی پہلی نقاد خاتون تھیں۔ یہ سب اُنہیں ورثے میں مِلا تھا۔ علیم الدین خان کی طرح اُن کا خاندان بھی علم و ادب شعور و آگہی میں منفرد تھا۔ اُن کے بڑے بھائی ڈاکٹر اسلم فرخی چھوٹے بھائی انور احسن صدیقی اپنی تحریروں اور کام کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی کے صاحبزادے ڈاکٹر آصف فرخی نہ صِرف اُردو کے ممتاز افسانہ نگار ہیں بلکہ تنقید و تحقیق میں اہم سمجھے جاتے ہیں۔

نیلوفر عباسی کی ننھیال اور ددھیال کے پاس نہ ختم ہونے والا اور نہ چوری ہونے والا خزانہ ہے۔ یہ ان گنت کتابیں ہیں جن کے لفظ روشن روشن ہیں۔

ہمارا ایک خاندان ہے اُس میں دو بیٹیاں ثوبیہ اور ماریہ اور ایک بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری رحمت، نعمت ہم پر نازل کی ہے۔ یہ بچے سعادت مند ہیں اور ہماری خاندانی روایات کے امین بھی ہیں۔ ہمارے تینوں بچوں کو لکھنے کا شوق ہے۔

ہمارا بیٹا وجاہت علی عباسی ایک ہونہار اور فرماں بردار بیٹا ہے۔ چند سال پہلے ایک دِن ہم نے اُس سے کہا۔ ''تم لکھا کرو'' اُس نے پوچھا ''کیا لکھوں؟''

ہم اس وقت کالم لکھ رہے تھے۔ ہم نے کہا ''کالم''۔۔۔ وہ چلا گیا۔ آدھے گھنٹے کے بعد ہمارے پاس کاغذ لے کر آیا اُس نے ایک کالم لکھا تھا جب ہم نے پڑھا تو یقین ہو گیا کہ خاندانی روایات اور صلاحیتیں اگر اللہ چاہے تو اولاد کو بخش دیتا ہے۔ ہمارے پاس زمینوں کے گوشوارے نہیں لیکن لفظوں کے خزانے ہیں جن میں کبھی کمی نہیں آتی نہ نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے وہ خزانہ اپنے بیٹے کو دے دیا۔

وجاہت علی عباسی بہت اچھا لکھتا ہے اِس لئے نہیں کہ وہ ہمارا بیٹا ہے بلکہ وہ۔۔۔ واقعی بہت اچھا لکھتا ہے اُسے گفتگو کرنے کا ڈھنگ آتا ہے وہ تکلم کا سلسلہ جانتا ہے۔ اُس کا اندازِ بیاں منفرد ہے۔ وہ ہمارے خاندان کا اعزاز ہے اور ایک دِن انشاء اللہ اُردو ادب کا ناز بھی بنے گا، وجاہت علی عباسی ہمیشہ مثبت بات کرتا ہے وہ چیزوں کا روشن پہلو دیکھتا ہے۔ وہ آج میں بہت خوش ہے اور ہمیشہ ایک خواب دیکھتا ہے اور بڑے وثوق اور یقین سے کہتا ہے ''کل ہمارا ہے۔''

اے رَبّ اُس کا کل روشن رنگوں سے بھرا، روشنیوں سے سجا اور کامیابیوں سے ہمکنار طلوع کرنا۔

قمر علی عباسی

نیویارک

۱۳ جون ۲۰۱۱ء

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وجاہت علی عباسی خوش نصیب ہیں۔جن کے والد قمر علی عباسی والدہ نیلوفر عباسی نے ان کی گھٹی میں ادب کی شیرینی ڈالی ہے۔ان کی تربیت اور دعاؤں کے سبب اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا۔ بلکہ اس سے زیادہ دیا جو ایک بیٹا والدین سے وراثت میں حاصل کرتا ہے۔

قمر علی عباسی میرے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ہم دونوں میں خاندان کے علاوہ امروہہ بھی رشتے دار ہے۔وجاہت کی والدہ نیلوفر کے والدین کا تعلق بھی صاحب علم وشعور شہر اعظم گڑھ اور لکھنو سے تھا۔

یہ وہ علاقے ہیں جہاں روایات، ثقافت، رسم ورواج لفظ بن کر بولتے ہیں۔اولاد کو وراثت میں یہی دیئے جاتے ہیں اس خاندان کا بیٹا ہونے کے بعد وجاہت علی عباسی کا رشتہ ادب سے ہونا ضروری تھا۔ مجھے خوشی ہے وجاہت نے خاندان کی روایت کو برقرار رکھا۔والد اور والدہ کی طرح لفظوں کو چن کر اپنا بنانا شروع کیا۔

امروہہ کا محاورہ سچ معلوم ہوتا ہے:

کٹورے پہ کٹورا۔۔۔۔بیٹا باپ سے بھی گورا۔

وجاہت علی عباسی کی تحریر کا کمال یہ ہے کہ جذبات کو تحریر میں اِس طرح گوندھتے ہیں کہ منظر نگاہوں میں گھوم جاتا ہے۔میں صرف اتنا کہوں گا۔

میلوں بڑھا ہوا ہے پیادہ سوار سے
اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

محلّہ نیازیان
امروہہ (ہندوستان)
اظہار عثمانی

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انفرمیشن ٹکنالوجی کی ترقی کے اس طوفانی دور میں اخبار اور اُس کی خبریں ایک قصہ پارینہ بنتی جارہی ہیں۔لیکن اس کلچر کو زندہ رکھنے کے لئے کالم نگاروں کی ایک فوجِ ظفر موج نے اس محاذ کو سنبھال لیا ہے اور آئے دن کوئی نہ کوئی ایسا کام سامنے آتا ہے جس کی موجودگی سے اخبار کے صفحات روشنی سے بھر جاتے ہیں۔

عزیزی وجاہت علی عباسی ایک ایسا باصلاحیت نوجوان ہے جسے اگر نجیب الطرفین کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اُس کی ذات میں اُس کے والد قمر علی عباسی اور والدہ نیلوفر عباسی کی اپنے اپنے فن میں نامور شخصیات ایک جگہ جمع ہوگئی ہیں اُس کی نثر کی شگفتگی، خیالات کی شستگی اور تہذیبی رچاؤ نے اُس کی تحریر میں ایک ایسی جاذبیت اور کشش پیدا کردی ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے قطعاً یہ احساس نہیں ہوتا۔وہ امریکہ میں پلنے بڑھنے کے باوجود اتنی کم عمری سے ایسی اچھی اُردو لکھ رہا ہے اور ماشاءاللہ کالموں پر مشتمل تین کتابوں کا مصنف بھی بن چکا ہے۔
مجھے یقین ہے کہ اگر وہ اسی طرح آگے بڑھتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب اُس کا نام صرف اپنی نسل میں ہی نہیں بلکہ نامور اُردو کالم نگاروں کی بھی پہلی صف میں شمار ہوگا میں اُس کی کامیابی کے لیئے دعا گو ہوں۔

امجد اسلام امجد

☆☆☆

وجاہت علی عباسی ایک کالم نویس کی حیثیت سے صحافتی اور ادبی دنیا میں اپنی شناخت بنا رہے ہیں۔حرف و معنی کی دنیا بہت عجیب ہے۔کبھی کوئی راتوں رات شہرت کی بلندی پر پہنچ جاتا ہے اور کبھی زندگی کے ان گنت ماہ و سال کی مسافت کے بعد بھی منزل کی نوید نہیں ملتی۔تاہم میرا خیال یہ ہے کہ وہ شہرت اور مقبولیت جو پودے سے درخت بننے کے نامیاتی عمل سے گزر کر حاصل ہوتی ہے، لایق تحسین اور دیرپا ہوتی ہے۔مجھے خوشی ہے کہ وجاہت علی عباسی شہرت طلبی سے زیادہ اپنی ایک شناخت اور پہچان بنانے کی طرف مائل ہیں۔ان کے کالموں کا انتخاب پہلے بھی منظر عام پر آچکا ہے۔زیر نظر کتاب میں بھی ان کی تحریروں کی نمایندگی موجود ہے۔وجاہت علی عباسی ہمارے نئے کالم نگاروں کی صف میں ایک خوش گوار اضافہ ہیں۔ان کے کالم یکسانیت یا کسی ایک نقطۂ نظر کی حمایت اور وکالت پر مشتمل نہیں ہوتے۔وہ روزمرہ کی زندگی سے موضوعات اخذ کرتے ہیں۔جو مقامی بھی ہوتے ہیں اور بین الاقوامی بھی۔

وجاہت علی عباسی کا اسلوب تحریر روز بہ روز نکھر رہا ہے۔اس میں روانی کے ساتھ ساتھ تجزیے اور شگفتگی کا رُخ بھی نمایاں ہو رہا ہے۔وجاہت کی اپنی صلاحیتوں اور کاوشوں کی داد یقیناً ان کا اپنا طرّہ امتیاز ہے لیکن اس ماحول کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جس میں وجاہت عباسی نے پرورش پائی۔ان کے والد مشہور سفر نامہ نگار قمر علی عباسی ہیں جن کا نام اب گنیز بک میں آجانا چاہیے۔وجاہت کی والدہ انتہائی محترم آرٹسٹ اور ایک علمی و ادبی گھرانے کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چشم و چراغ نیلوفر عباسی ہیں۔اس پیرائیہ بیان سے میرا مقصود ہرگز یہ نہیں کہ اس بنا پر وجاہت علی عباسی کو ''رعایتی نمبر'' دیے جائیں۔وہ اپنی صلاحیتوں سے آگے بڑھ رہے ہیں۔انہیں کسی ''پرچی'' اور ''بیساکھی'' کی ضرورت نہیں ہے۔میں اُن کے کالم دل چسپی سے پڑھتا ہوں۔میری دعا ہے کہ وجاہت علی عباسی اپنی تحریروں کی روشنی سے ہمارے معاشرے کے قلب و ذہن کو منوّر کرتے رہیں۔

پروفیسر سحر انصاری

جون ۲۰۱۱ء

پروفیسر شعبۂ اردو

جامعہ کراچی

☆☆☆

نوجوان کالم نویس وجاہت علی عباسی کے کالموں کے تینوں مجموعے اندازِ بیاں اور (۲۰۰۷ء)، سلسلہ تکلم کا (۲۰۰۹ء) اور میرا ایک خواب ہے (۲۰۱۰ء) پڑھے اور اسلوب نگارش اور بات سے بات پیدا کرنے کے ہنر سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اگر اپنی ادبی زندگی کے اوائلی برسوں میں کامیابی کی اتنی منزلیں طے کر لی جائیں تو پھر آئندہ کیلئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ کامیابی کا اب تک کا سفر آنے والی کامیابیوں کی ضمانت ہے۔میرا خیال ہے کہ اردو صحافت میں کالم نگاری کی تاریخ میں بڑے بڑے نام سامنے آئے ہیں لیکن شاید وجاہت علی عباسی کو سب سے کم عمر کالم نویس ہونے کی اوّلیت کا شرف حاصل ہوا ہے اور اس لئے قمر علی عباسی اور نیلوفر عباسی بجا طور پر قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اپنے ہونہار بیٹے کے پر اعتماد سفر کیلئے اس کے اعتماد اور ثابت قدمی میں اضافہ کیلئے وہ بنیاد فراہم کی جس کے بغیر یہ قابلِ فخر ریکارڈ قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی فوری طور پر صرف اور صرف عزیزی وجاہت علی عباسی ہی کو مبارکباد دوں گا کہ والدین کا کام بنیادیں فراہم کرنا ہوتا ہے لیکن ان بنیادوں پر قابلِ داد عمارتوں کی تعمیر صرف انہی کے حصے میں آتی ہے جو عمارت کار کی خوبیوں سے مزین ہو سکیں۔

وجاہت علی عباسی! تمہیں یہ خوش بختی اور کامیابی مبارک ہو۔تم نے اپنے والدین کو فخر و انبساط کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ابھی آغاز سفر ہے اور اللہ تمہیں مزید کامیابیاں عطا کرے۔آمین۔

ڈاکٹر محمد علی صدیقی

☆☆☆

عہد نو کے نام ور قلم کار وجاہت علی عباسی کی تین اہم کتابیں ایک ساتھ موصول ہوئیں۔

۱۔ میرا ایک خواب ہے۔ ۲۔ سلسلہ تکلم کا۔ ۳۔ اندازِ بیاں اور۔

تینوں کتابوں کے نام تین کلاسیکی بڑے نثر نگاروں کی تحریروں سے ماخذ ہیں۔اور سب کے سب نثری شاعری یا انشائے لطیف کے انداز کے ہیں۔یعنی حُسن بیان اتنا خوبصورت اور موضوعات کا انتخاب اتنا دل نشین ہے کہ پڑھنے والے کو اپنی طرف ہر حال میں کھینچتا ہے۔

ان کی کتاب ''سلسلہ تکلم کا'' اردو کے مشہور شاعر فرید جاوید کی اس غزل کا مصرعہ ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گفتگو کسی سے ہو دھیان تیرا رہتا ہے
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ تکلم کا

لکھنے کا مطلب یہ ہے وجاہت علی عباسی کی تینوں کتابیں نثر ونظم دونوں کا دل پذیر ذائقہ رکھتی ہیں۔اور اپنے ہم عصر لکھنے اور پڑھنے والوں کو بتاتی ہیں کہ خوب صورت نثر کیسے لکھی جاتی ہے اور زندگی کے عام موضوعات لذیز انداز میں کس طرح ڈھالے جاتے ہیں۔یقین ہے کہ ان کی تینوں کتابیں قبول عام حاصل کریں گی اور شعری ذوق وشوق کو تیز کرنے میں مدد دیں گی۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

☆☆☆

وجاہت علی عباسی کی کتاب سلسلہ تکلم کا پڑھی اِس میں جو ایک خاص بات نظر آئی وہ ان کی تحریروں میں اِن کے والد بھائی قمر علی عباسی کی جھلک ہے۔یقیناً وجاہت علی عباسی کو اپنے بزرگوں کی روایات کو قائم رکھنے کے لیے اِسی طرح کے ایک مجموعہ کی ضرورت تھی۔
یہ کتاب اپنے قاری کو اپنے میں گم کر دیتی ہے آج جب کہ نوجوان انفرمیشن ٹیکنالوجی کی وجہ سے کتابوں سے دور ہٹتے جارہے ہیں اِس وقت وجاہت علی عباسی کی یہ کتاب یقیناً نوجوانوں کو واپس کتابوں میں لانے کے لیے ایک مثال ثابت ہوگی۔
میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اِس کی کوششوں کو حقیقت کا روپ دے اور وجاہت علی عباسی کو آئندہ زندگی میں کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین

زیبا علی
چیئر پرسن علی زیب فاؤنڈیشن

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میری تین خواہشیں

لوگوں کی سوچ میں اکثر وہ تین خواہشیں رہتی ہیں جس کے پورے ہونے پر وہ کچھ بھی مانگ سکتے ہیں عمر کے ساتھ خواہشیں بھی بدلتی ہیں۔

بچپن میں سائیکل، ریموٹ کنٹرول کار۔

کالج میں اپنی گاڑی جیب خرچ کے لئے جتنے چاہو اُتنے پیسے بڑے ہوکر عالیشان گھر اور۔۔۔اور۔۔۔اور۔۔۔مگر مجھے کبھی بھی یہ سوچنے کا موقع نہیں ملا۔

میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو یقین رکھتے ہیں کہ اِنسان اپنا مقدر خود سنوارتا ہے۔یعنی میں ''اگر'' والی سوچ سے بہت دور ہوں۔یعنی کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا ناممکن چیزوں کو آپ کی سوچ بناتی ہے۔

مثبت سوچ اِنسان کو کہاں سے کہاں لے جاسکتی ہے اِس کی طاقت کا اندازہ ہے مجھے لیکن میری تین خواہشوں کے بارے میں نہ سوچنے کی وجہ میری مثبت سوچ نہیں بلکہ میرے والدین ہیں۔

میں کوئی پانچ سال کا تھا اور میرے والد کچھ مہینوں کے لئے لندن گئے ہوئے تھے۔

ابو نے فون پر پوچھا۔''میرے ایک دوست کراچی آرہے ہیں بتاؤ تمہارے لئے کیا بھیجوں؟''

میں نے کہا۔''ابو، تین سب سے اچھی ریموٹ کنٹرول کاریں۔''

ہر کار ہزاروں روپے کی ہوتی تھی۔مجھے لگا میں نے زیادہ بول دیا ہے اور دِل کو تسلی دی کہ ابو کم سے کم ایک کار تو بھیج ہی دیں گے لیکن ابو نے مجھے تین نہیں بلکہ چار گاڑیاں بھیجیں۔

میری یہ چار گاڑیاں کبھی سب سے اچھی سائیکل میں بدلیں کبھی اٹھارہ سال کا ہوتے ہی اپنی خود کی گاڑی میں کبھی بہترین تعلیم میں۔زندگی میں کبھی ایک دِن ایسا نہیں آیا جب میں نے اُن تین خواہشوں کا سوچا ہو جنہیں میں پورا کرنا چاہتا ہوں میرے والدین نے کبھی وہ دِن آنے ہی نہیں دیا کیونکہ اُنہوں نے مجھے ہمیشہ اُن تین خواہشوں سے زیادہ دیا۔وہ سب کچھ جو ہمیشہ میری سوچ سے بہتر ہوتا۔

ہاسپٹل میں بچے کے پیدا ہوتے ہی۔۔۔نرسری میں لے جانے سے پہلے اُس کے ہاتھ پر ایک نیم ٹیگ لگا دیا جاتا ہے جس پر بچے کے والد کا نام لکھا ہوتا ہے۔یہ ٹیگ کئی دِن تک بچے کے ہاتھ پر یعنی اُس وقت تک لگا رہتا ہے جب تک وہ ہاسپٹل سے گھر واپس نہیں چلا جاتا۔انجانے میں زندگی کی جس پہلی تحریر کو میں نے اپنے ہاتھ پر بندھے ٹیگ پہ دیکھا ہوگا۔اُس پر قمر علی عباسی لکھا تھا۔میں آج جب بھی قلم اُٹھاتا ہوں مجھے وہ ٹیگ اپنے ہاتھ میں بندھا محسوس ہوتا ہے جس پر لکھا ہے تم قمر علی عباسی کے بیٹے ہو۔اگر اُن کے بیٹے ہوکر قلم اُٹھایا ہے تو یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اِسے اپنی پوری سچائی اور ذمہ داری سے نبھانا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں لکھتا ہوں لیکن مجھے اچھا لکھنے اور لکھتے رہنے کا حوصلہ اور ہمت میرے والد نے ہر دِن دیا ہے۔ ہر رائٹر کی طرح زندگی کے اِس موڑ پر مجھ سے کوئی پوچھے کہ اگر تمہاری تین خواہشیں ہیں تو وہ کیا ہیں؟ تو میں اِس بار شاید تین ریموٹ کنٹرول کار زکی جگہ ''میری تین کتابیں چھپ جائیں'' مانگ لیتا۔۔۔ یہ چوتھی کتاب میری اُس چوتھی خواہش کا پورا ہونا ہے جو میرے والد نے زندگی کے ہر موڑ پر میرے چاہنے سے پہلے پوری کی ہے۔

۲۰، جون ۲۰۱۱ء

وجاہت علی عباسی

نیویارک

wabbasi@yahoo.com

☆☆☆

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	اب یہ بھی ہماری غلطی	18
2	اپنا خیال رکھنا	20
3	انسان بنو	22
4	اور میں	25
5	آزادی کی طرف قدم	27
6	آخری لیکچر	29
7	بڑے لوگ	31
8	بڑی باتیں بڑے لوگ	35
9	بس کل نہیں آتا	35
10	پاکستان ورسز انڈیا	38
11	پاکستانی ورلڈ چمپئنز	40
12	پڑھ	42
13	پیار کیا تو ڈرنا کیا	45
14	پیسہ یہ پیسہ	47
15	ٹپ ٹپ برسا پانی	49
16	جولی میں ہے دل میرا	51
17	چڑیا بولے چوں چوں	53
18	خیال رکھنا	55
19	دل کی بات	57
20	دل تو بچہ ہے جی	60
21	دہشت گردی سے لڑنا مشکل	62

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
22	دو دونی چار	64
23	ڈھونڈتا پھر رہا ہوں تجھے	66
24	سچے خواب	68
25	سوچ کیا رہے ہو	70
26	شروع سے شروع کرتے ہیں	73
27	شیلا کی جوانی	75
28	صرف پاکستان میں	77
29	فیس بک کے بعد	79
30	کراچی پریس کلب	81
31	کل ہمارا ہے	84
32	کہاں ہیں ہمارے چمپئن	86
33	کہاں جائیں گے آپ	88
34	کیوں ضروری تھا جیتنا	91
35	گولی مارو بھیجے میں	93
36	ہمارے دو چہرے	95
37	ہم کریں تو چوری	97
38	ہم ہیں پاکستانی	99
39	مائی نیم از خان	102
40	مشکل کام	104
41	میں	106
42	میٹھی میٹھی باتیں	108

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
43	ناانصاف زندگی	110
44	نموڑ انموڑ انموڑا	113
45	نہیں قبول ہمیں آسکر	115
46	نیا جیون	117
47	نو بال پر کلین بولڈ	120
48	نیا سال نئی زندگی	122
49	وہ جس کی زبان اُردو کی طرح	124
50	میری آواز سنو	126
51	یہ خوشی عجب خوشی ہے	128
52	یہ رشتہ کیا کہلاتا ہے	131

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وقت کب گزر جاتا ہے۔ اِس کا احساس کبھی نہیں ہوتا۔ لمحے پل پل صدیاں بن جاتے ہیں جب پھول کِھل جاتے ہیں اور اُس کے بعد پت جھڑ کا موسم آ جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کتنا وقت گذر گیا۔ لیکن گزرتا وقت اِنعام دیتا ہے۔ کرم کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحمان ہے رحیم ہے وہ ہر وقت اپنی نعمتیں اِنسان پر اُتارتا رہتا ہے۔ اُس نے اپنے آپ پر رحم لازم کرلیا ہے اُس کی عنایات اور نوازشات ہم پر زیادہ ہیں۔

کل ہمارا بیٹا وجاہت علی عباسی پہلی مرتبہ چھوٹا سا بستہ لے کر اِسکول گیا تھا۔ اُسے ایک ایک لفظ کی پہچان کرانی پڑتی تھی آج۔۔۔ وہ لفظوں کو نہ صرِف پہچانتا ہے بلکہ پرکھتا بھی ہے چنتا ہے اور اُنہیں جمع کر کے جُملے بناتا ہے۔ آج اُس کے کالموں کا چوتھا مجموعہ شائع ہو رہا ہے۔۔۔ یہ میرے لئے ایسی خوشی ہے جس کو بیان کرنا میرے اختیار میں نہیں اور اِس کے اظہار کے لئے کسی ڈکشنری میں لفظ نہیں۔

وہ ماں باپ بڑے بختاور ہوتے ہیں جو اپنے بچوں کی خوشیاں اور کامیابیاں دیکھیں۔

وجاہت بہت اچھا لکھتا ہے۔ یہ میں پوری سچائی اور ایمانداری سے کہہ رہی ہوں۔ میری اِس بات کی پڑھنے والے تصدیق کریں گے، اُس کے کالموں کے موضوع ہمیشہ تروتازہ رہنے والے ہیں۔

وجاہت کے لئے میرے دِل سے جو دعائیں نکلتی ہیں اُنہیں فرشتے میرے رب کے پاس لے جاتے ہیں جو بڑی دعائیں سننے اور قبول کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ وجاہت کو طویل توانا صحت مند زندگی دے اور لفظوں کو جمع کرنے کی ہمت، طاقت اور ذوق عطا فرمائے۔

نیلوفر عباسی

نیویارک

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب یہ بھی ہماری غلطی

پاکستان ایک امن پسند ملک ہے، یہ پاکستان میں رہنے والے بیشتر لوگوں کا خیال ہے۔
آپ پاکستان کے کسی بھی حصّے میں چلے جائیں اور وہاں کے دو چار لوگوں کے درمیان ہوتی آج کل کے حالات کے متعلق گفتگو سنیں تو یہ اندازہ ہوگا کہ ایک عام پاکستانی اپنے ملک میں صرف اور صرف امن چاہتا ہے۔ پاکستان میں آپ کوئی بھی زبان بولتے ہوں اور کسی بھی کمیونٹی سے آپ کا تعلق ہو مختلف ہونے کے باوجود ایک چیز ہم سب میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ ہم پاکستان کو دنیا کے ساتھ قدم بڑھا کر آگے چلتا دیکھنا چاہتے ہیں۔

پاکستان بنانے کا مطلب بھی امن پسند کمیونٹی قائم کرنا تھا۔ سب ہی پاکستانیوں کے دل و دماغ میں آج بھی قائداعظم کا پاکستان بنانے کی آرزو ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ پچھلے کئی سالوں میں پاکستان میں کئی ایسی چیزیں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے پاکستان غلط وجہوں سے خبروں میں رہا ہے جیسے ایک مچھلی پورے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے ویسے ہی پاکستان میں حالات اور انٹرنیشنل میڈیا میں ہمارا نام پاکستان میں موجود کچھ لوگوں کی وجہ سے خراب ہوا ہے۔ جن لوگوں کا تعلق عام پاکستانی عوام سے بالکل نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں پاکستان میں دو بڑی ہجرتیں ہوئی ہیں، ایک جب مسلمان ہندوستان چھوڑ کر پاکستان آ گئے تھے اور دوسری اسّی (80) کی دہائی میں جب تقریباً پانچ ملین لوگ افغانستان سے پاکستان آ گئے تھے جس کے بعد سے یہ سلسلہ جاری رہا یعنی پاکستان میں کئی ملکوں کے لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا۔ کئی ملکوں سے بارڈر ملنے کی وجہ سے پاکستان بغیر ویزے اور کاغذات کے آنا کوئی مشکل نہیں۔ یہ پوری طرح سے کہنا غلط نہیں ہوگا کہ پاکستان میں ہر دہشت گردی کے پلاٹ میں بیشتر ماسٹر مائنڈ اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو پاکستانی ہیں ہی نہیں، اِس کے باوجود انٹرنیشنل میڈیا میں جب بھی خبر آتی ہے وہ یہ نہیں کہتی کہ بم کسی انڈین نے بلاسٹ کیا تھا یا جو طالبان پکڑے گئے وہ پاکستانی نہیں تھے۔

بدا چھا بدنام بُرا کئی ایسی جگہیں ہیں جہاں پاکستان سے زیادہ حالات خراب ہیں۔ اسٹریٹ کرائمز، چوری، کرپشن، ہیومن رائٹس کا نہ ہونا لیکن وہ جگہیں اتنی خبریں نہیں بناتیں جتنی پاکستان کی بنتی ہیں جیسے فیشن ہو گیا ہو۔ روز دنیا بھر کے اخباروں میں کوئی نہ کوئی ایسی خبر جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان میں بہت تباہی آ رہی ہے یہ تو پاکستان کے اندر کی بات رہی اب اگر پاکستان میں کئی دن سے کوئی بڑی خبر بنتی نظر نہیں آ رہی ہوتی تو پاکستان سے باہر ہونے والی چیزوں کو پاکستان کا قصور بنا دیا جاتا ہے۔

ممبئی میں حملہ ہوتا ہے اور ابھی ملزم ہندوستانی اتھارٹیز کے ہاتھ بھی نہیں آئے ہوتے لیکن دو گھنٹے کے اندر یہ ثابت بھی ہو جاتا ہے کہ یہ پاکستان کا قصور ہے، ایک لڑکا جو انگلینڈ میں پیدا ہوا اور اتنا ہی پاکستان آیا ہے جتنا اُسامہ آئے ہیں اور اپنی کسی بھی بات یا انداز سے پاکستانی نہیں لگتا اِس کے باوجود جب وہ یو۔ کے ٹرین میں بم بلاسٹ کرتے پکڑا جاتا ہے تو وہ پاکستان کا قصور ہے۔ فیصل شہزاد دس سال سے امریکہ میں رہتے تھے۔ وہیں تعلیم حاصل کی شادی کی، سیٹزن شپ، نوکری، گھر، گاڑی سب کچھ ان کا امریکہ میں ہی تھا اس کے باوجود

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب وہ ٹائمز اسکوائر پر حملے کی کوشش میں پکڑے جاتے ہیں تو وہ بھی پاکستان کا قصور ہوتا ہے۔

روز صبح پاکستان اُٹھتا ہے یہ جاننے کے لئے کہ چلو انٹرنیشنل خبریں چیک کرتے ہیں کہ آج کیا غلطی کی ہم نے۔ دنیا کے کسی بھی شہر میں کسی بھی وجہ سے اگر فائرنگ ہو جائے یا پھر بم بلاسٹ تو گھوم پھر کر کسی نہ کسی طرح یہ پاکستان کا قصور ضرور ہو جاتا ہے۔ کہیں بھی کوئی بھی غلطی کرے تھوڑی سی تفتیش کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے اس میں پاکستان کا ہاتھ تھا، آسٹریلیا میں کسی میاں بیوی کا جھگڑا ہو یا یو۔کے میں رہنے والی ایک ضعیف خاتون کی اپنے مکان مالک سے بحث یا یورپ کے کسی علاقے میں نل کھلا رہ جانے کی وجہ سے کسی گھر میں پانی بھر جائے۔ ہم کو لگتا تھا کہ کچھ دنوں میں ایسی باتوں کا قصوروار بھی پاکستان کو ٹھہرایا جائے گا اور پھر۔۔۔ وہ دن آ گیا۔

امریکہ کی ہر اسٹیٹ میں روزانہ درجنوں ٹین ایجز لڑکیاں اپنے گھروں سے بھاگ جاتی ہیں کسی کو گھر میں ہونے والی سختی سے مسئلہ تو کسی کا پڑھائی میں دل نہیں لگتا۔ کوئی ماڈل، سنگر یا ایکٹر بننے کیلئے بھاگتا ہے تو کوئی اپنے بوائے فرینڈ کے لئے انڈین فلموں کی ہیرو ینز کی طرح رات کے اندھیرے میں گھر سے غائب ہو جاتی ہیں۔ یہ مسئلہ آج کا نہیں ہے یہ سلسلہ پچھلے نہ جانے کتنے سالوں سے چلا آ رہا ہے۔ اُس وقت سے جب پاکستان کا نام ونشان بھی نہیں تھا لیکن اب یہ بھی ہماری غلطی ہے۔

کچھ دِن پہلے ہم امریکہ کے ایک لوکل اخبار میں کسی لڑکی کے گھر سے بھاگ جانے کی خبر پڑھ رہے تھے لڑکی انڈر ایج یعنی تیرہ سال کی تھی اور فروری 22 کو اپنے گھر سے غائب ہوئی۔ جسّی میری نامی گوری اپنی ماں کے ساتھ ساؤتھ کیلی فورینا میں رہتی تھی۔ آٹھ دِن تک جسّی میری کی تلاش جاری رہی اور بالآخر آٹھویں دِن وہ اپنے گھر کے قریب ایک ہوٹل میں پائی گئیں۔

جسّی میری کے مطابق اُن کے ایک انکل نے اُنہیں گھر سے بھاگنے میں مدد کی۔ جسّی کو کسی بھی قسم کا جسمانی نقصان نہیں پہنچا تھا اور لوکل پولیس اب جسّی کو گھر واپس لے آئی ہے۔

جسّی کی ماں کے دیئے بیان کے مطابق جسّی کا فیس بک پر کسی لڑکے سے رابطہ تھا جس نے بہلا پھسلا کر اسے گھر سے بھگا لیا۔ جسّی مڈل اسکول کی طالبہ ہے اور اُس کے اسکول کے اور محلے کے بچوں سے معلومات کرنے سے بھی یہی پتہ چلا ہے کہ یہ مسئلہ کسی لڑکے کا تھا جس کے خلاف گوری جسّی کی گوری ماں تھی اور اس لئے کہانی کے گورے انکل نے جسّی کو بھاگنے میں مدد دی۔

حیرت انگیز طور پر ایک آدھ جگہ کو چھوڑ کر باقی ہر جگہ یہ خبر کچھ یوں چھپی اور ٹی وی پر دکھائی گئی جس کے مطابق جسّی میری گھر سے اس لئے بھاگی تھی کہ وہ زبردستی پاکستان جا کر شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اُس کے بعد اِن خبروں میں بہت آسانی سے پاکستان کو ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لیا گیا۔ پاکستان میں تو لڑکیوں سے پوچھے بغیر شادی کر دی جاتی ہے کوئی ویمنز رائٹ نہیں ہیں وہاں۔ وغیرہ وغیرہ، ایک منٹ۔۔۔ لیکن جسّی میری تو ایک عام امریکن عورت کی بگڑی ہوئی گوری بیٹی ہے پھر پاکستان کہاں سے بیچ میں آ گیا؟

پتہ چلا کہ جسّی میری کی ماں کی شادی کچھ سالوں تک کسی پاکستانی سے بھی رہ چکی ہے۔ نہ ہی جسّی اُس پاکستانی کی بیٹی ہے نہ ہی اس کا اُس سے کوئی تعلق ہے پھر بھی اسٹوری کو سنسنی خیز بنانے کے لیے شامت بیچارے پاکستان کی آ گئی اور گورا گوری کی لو اسٹوری میں امریکن پریس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے ہم کو اور ہمارے ''ارینج میرج سسٹم'' کو کھری کھری سنا دیں۔
ہم اُمید کرتے ہیں امریکہ میں مزید گوریاں اپنے گھروں سے نہ بھاگیں ورنہ اس کے خلاف بھی لڑنے فوجیں پاکستان پہنچ جائیں گی۔

□□K□□

اپنا خیال رکھنا

میں اپنے شہر کراچی سے بہت دور رہتا ہوں نیویارک وہ جگہ ہے جہاں کراچی کا ذکر کرنے پر اکثر لوگ پوچھتے ہیں ''کراچی کیا؟'' اور ہمیں پھر یہ بتانا پڑتا ہے کہ کراچی دنیا کے پانچ سب سے بڑے شہروں میں سے ایک ہے یا پھر یہ کہ پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے کراچی، سو سال پہلے جب نیویارک کو کوئی نہیں جانتا تھا اُس وقت کراچی کی شپنگ، میلنگ اور کمیونیکشن دنیا کے بہترین نظاموں میں سے ایک تھا لیکن آج امریکہ اور انگلینڈ کا ایک عام گورا صدیوں سے بسے اِس شہر کو نہیں جانتا اور جانے بھی کیوں 1947ء سے پہلے دنیا کے سب سے اہم شہروں میں سے ایک ہمارا کراچی پارٹیشن کے بعد صرف ایک شہر رہ گیا۔

کراچی شہر کو آج چاہے دنیا نہ یاد رکھے لیکن یہ شہر اپنے لوگوں کو کبھی نہیں بھولتا وہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہوں، کچھ دِن پہلے میں کراچی گیا، نیویارک کا سرد موسم اور امریکہ میں زندگی کے جھمیلے سب ایک لمحے میں آپ کے ذہن سے پگھل جاتے ہیں جیسے ہی کراچی کی ہوا آپ کو جناح ٹرمنل سے نکلتے ہی چھوتی ہے بھیڑ میں ہر طرف وہی اپنے لوگوں کے چہرے اُن میں سے کئی لوگوں کے ہاتھوں میں گلدستے اور چہروں پر انتظار ختم ہونے کی چاہ۔ یہ استقبال ہوتا ہے کراچی شہر کا جہاں ائیر پورٹ سے نکلتے ہی سڑک پر کھڑے رہ کر بھی یہی محسوس ہوتا ہے جیسے ہم گھر آ گئے۔

جناح ٹرمنل سے نکلتے دور کھڑا پرانا ائیر پورٹ ہمیں گاڑی سے گزرتے یہ محسوس کراتا ہے جیسے کوئی بزرگ آج بھی وہیں کھڑا ہے جسے ہم پاکستان سے جاتے وقت پیچھے چھوڑ گئے تھے یہ وہی ائیر پورٹ ہے جو اس وقت ہمارے آنسوؤں کا ساتھی تھا جب ہم اِس کی دیوار کے دوسری طرف اپنی پوری زندگی پیچھے چھوڑ آئے تھے وہ رستے جو ہمیں بار بار بتاتے تھے کہ سردی میں بنا سوٹ باہر نہ جاؤ وقت پر کھاؤ سنبھال کر گاڑی چلاؤ۔

اِس کراچی ائیر پورٹ کے پانچ انچ کے شیشے کے دروازے سے اُن سب قریبی رشتوں میں فاصلے آ گئے تھے، ہر بار کراچی آنے پر یہ ویران ائیر پورٹ دور کھڑا ہم سے ہمارا حال پوچھتا ہے۔

نیویارک کی سڑکوں پر گاڑیوں کے شیشے چڑھے ہوتے ہیں اور وہ گاڑیاں ہوا سے باتیں کر رہی ہوتی ہیں غلطی سے آپ کی نظر برابر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

والی گاڑی پر پڑ جائے تو لوگ ایک مسکان دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

بابا جی، بھائی جان، بیٹا، چاچا یہی سب آوازیں آتی ہیں آپ جب بھی گاڑی میں کراچی کی سڑکوں پر نکلیں۔

''بھائی جان سائیڈ پکڑو۔'' یہ انجان لوگ جو راستے میں ایک دوسرے سے رشتے بناتے جا رہے ہوتے ہیں احساس دِلاتے ہیں اِس شہر کے لوگ دِل سے ایک دوسرے سے کتنے قریب ہیں۔ وہ امریکہ جہاں آپ اپنے قریب ترین دوست کے والد کو انکل نہیں پکار پاتے اُس امریکہ کو رشتے بنانے اِس شہر کراچی سے سیکھنا چاہیے۔

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ تم بل دو۔'' اور پھر بل کے پرچے کی کھینچ تان اور پھر یہاں تک کہ وہ پرچہ پھٹ نہیں جاتا یہی کہانی ہوتی ہے۔ کراچی کے ہر ریسٹورنٹ کی ہر دوسری ٹیبل پر تم چھوٹے ہو، تم مہمان ہو وغیرہ جیسے کئی بہانے صرف اِس لئے کہ آپ بل نہ دیں، ہاں ہم جانتے ہیں کہ دنیا بھر کو ہمارے ملک کی اکنامی کے بارے میں کافی پریشانی ہے لیکن لاکھوں ڈالرز اور پاؤنڈز کمانے والے امیر ملکوں میں دوست جب کہیں کھانا کھانے جاتے ہیں تو بل آتے ہی کیکولیٹر نکال کر کس نے کیا کتنا کھایا ہے کا حساب ہونے لگتا ہے، اگر اِنہیں دیکھنا ہو کہ دِل سے امیر لوگ اپنے دوستوں کے ساتھ کیسے کھاتے ہیں تو کراچی ضرور آئیں۔

''تمہارے والد میرے بھانجے لگتے ہیں، تمہاری دادی کا ہمارے یہاں بہت آنا جانا ہے، تمہاری نانی کے ہاتھ کا حلوہ آج تک نہیں بھولے۔'' وہ چہرے جنہیں ہم بیتے ہوئے کل کی کہانی کا حصّہ سمجھ کر اپنی زندگی کے پلٹے ہوئے صفحوں میں کہیں بھول آئے تھے پھر سامنے آنے پر ہمیں یاد دِلاتے ہیں کہ وہ ہماری زندگی کا کل نہیں ہماری ذات کا حصّہ ہیں۔

ہر شخص ہمارا تایا چچا یا ماموں ہے۔

''ہم تمہارے نانا لگتے ہیں رشتے میں۔'' شفقت سے ہمارے سر پر ہاتھ پھیرتے وہ لوگ ہمارا بیتا ہوا کل نہیں بلکہ وہ ہیں جن کی دعاؤں سے ہمارا آنے والا کل روشن ہوگا۔

دس سال سے میں نیویارک میں جس گھر میں رہتا ہوں وہاں آس پاس رہنے والے لوگوں میں سے کسی کا نام نہیں جانتا لیکن کیسے ہیں کراچی میں رہنے والے یہ پڑوسی جنہیں تیس سال پہلے میری نانی کے ہاتھوں سے بنے حلوے کا ذائقہ یاد ہے۔

چاہے جتنی بھی پیزا، برگر کی دکانیں کیوں نہ کھل جائیں، کھانے کی بات نکلتی ہے تو برنس روڈ کے تکے اور بندو خان کے کباب کے آگے سب پھیکا ہے اور پھر وہی بحث کے شہر کی سب سے اچھی نہاری کہاں ملتی ہے۔ ''صابری چلیں یا جاوید؟''

ہم چاہے دس سال سے کراچی سے باہر کیوں نہ ہوں مگر جب بات آتی ہے کراچی میں بہترین کھانوں کی جگہوں کی تو ہمارے ذہن سے دس سال کی دوری دس لمحوں میں دور ہو جاتی ہے۔

پی آئی ڈی سی کا پان، بہادر آباد کا فالودہ، بوٹ بیسن کی چکن کڑھائی، پاکستان چوک کا حلوہ پوری یہی ہیں وہ جگہیں جو ہم کو بدلنے نہیں دیتیں، انہی جگہوں پر جاتے ہی ہم وہ نوجوان ہو جاتے ہیں جو کئی سال پہلے کبھی دِل میں تمنا لے کر یہاں آیا تھا کہ میں پاس ہو جاؤں تو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

،کبھی یہ کہ کاش پاکستان کرکٹ میچ جیت جائے تو کبھی یہ کہ میرا ویزا لگ جائے ،مضبوط چیزوں کے سامنے وقت کمزور ہوتا ہے اور اُن پر اپنا اثر نہیں ڈال پاتا، میرا کراچی مضبوط ہے اس لیے یہ جگہیں آج بھی ویسے ہی موجود ہیں۔

اِس بار میں نے جناح ٹرمنل پر واپس جاتے مڑ کر نہیں دیکھا میں جانتا تھا کہ میں جب واپس آؤں گا میرا کراچی ویسے ہی میرا انتظار کر رہا ہوگا اِس لئے میں کراچی کے ہر موڑ، ہر چپے سے گزرتے یہ کہہ آیا تھا کہ اپنا خیال رکھنا۔ خیال رکھنا اُس احساس کا جو ہر کراچی والے کو صرف اِس شہر میں محسوس ہوتا ہے، نیویارک ائیر پورٹ پہنچتے ہی خبر ملی کہ کراچی جل رہا ہے تیس سے زیادہ لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اور سو سے زائد زخمی ہیں، پچھلے کچھ دِنوں سے میرے شہر میں صرف سوگ منایا جا رہا ہے ہزاروں دوکانیں اور گاڑیاں جلادی گئیں ہیں۔ صرف میں ہی نہیں ہر کراچی والا اُداس ہے چاہے وہ دنیا میں کہیں بھی ہو۔ اور صرف کراچی والے ہی کیوں پاکستان کے ہر شہر کے لوگ اپنے کراچی کیلئے غم زدہ ہیں۔ ہماری سب کی دعا ہے کہ ہمارے شہر سے غم کے بادل جلد ہی چھٹ جائیں اور روشنیوں کا یہ شہر پھر ہنسنے مسکرانے لگے جو اِس کی عادت ہے۔

***

انسان بنو

امریکہ دنیا کا سب سے بہترین ملک ہے یا سب سے بُرا آپ کی سوچ کچھ بھی ہو وہ یقیناً اِس لئے صحیح ہے کہ وہ آپ کی اپنی ہے اور دنیا کی کوئی بھی طاقت اُسے بدل نہیں سکتی خصوصاً ایک ہزار لفظوں کا کالم تو بالکل بھی نہیں اِس لئے ہم یہ غلطی کرنے کی کوشش بالکل نہیں کریں گے لیکن ایک سوچ ہم سب کی یقیناً ایک جیسی ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے پاکستان کو مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں دنیا ہم کو بھی ترقی یافتہ ممالک میں شمار کرے بین الاقوامی ٹریڈ سیاست اور کرنسی میں ہمارے ملک کا نام بھی اوپر کی سطح پر ہو یہی سوچ ہے ہر سچے پاکستانی کی جو رات کے دو بجے ٹوئنٹی ٹوئنٹی کرکٹ دیکھنے نہیں، پاکستان کو جیتتے دیکھنے اٹھتا ہے۔

1890ء میں امریکہ کو کوئی نہیں جانتا تھا اور 1950ء میں امریکہ سپر پاور بن چکا تھا، کوئی خزانہ نہیں لگا تھا اُن کے ہاتھ نہ کوئی تیل کے کنوئیں نکل آئے تھے۔ تیل تو دور کی بات ہے 1920ء میں تو امریکنز کے پاس کھانے کو روٹی نہیں تھی۔ ایک ڈبل روٹی پر بندوق نکل آتی تھی، پھر امریکہ کیسے اتنی بڑی طاقت بن گیا؟ کئی چیزیں جو امریکنز نے کیں یا آج بھی کر رہا ہے ہم میں سے کئی لوگ اس سے اتفاق نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے طور طریقوں کو اپنائیں گے لیکن وہ اچھی بات جو ہمیں ہمارا مذہب بھی سکھاتا اور جنہیں اپنا کر ہم ایک بہترین قوم اور بہترین ملک بن سکتے ہیں۔ انہیں اپنا لینا چاہیے چاہے وہ سیکھ کسی دوست سے آئے یا دشمن سے۔

میں امریکہ میں رہتا ہوں اور دو دِن پہلے اپنے آفس کی طرف سے ایک ٹریننگ میں بیٹھا ہوا تھا، چار گھنٹے کی ٹریننگ میں آپ کو یہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سکھایا جاتا تھا کہ جہاں آپ کام کرتے ہیں یعنی دفتر یا بزنس پلیس وہاں دوسرے ملازمین کے حقوق اور جذبات کا کیسے خیال رکھنا چاہیے اور اِن اصولوں کو صرف دفتر میں ہی نہیں محلے اور گھر میں بھی اپنانا چاہیے۔

ہم ٹریننگ روم میں قلم اور پیڈ اِس سوچ سے لے کر داخل ہوئے تھے کہ اگلے چار گھنٹے میں اپنے اندر کے آرٹسٹ کو جگائیں گے اور ہر طرح کے کارٹون بنا کر دیکھیں گے کہ ہم کیا بہتر ڈرا (Draw) کر سکتے ہیں وجہ یہ تھی کہ ہم کوئی کلاس ٹو کے بچے تو ہیں نہیں کہ ہمیں کوئی بتائے گا کہ لوگوں کے ساتھ کیسے رہا جاتا ہے اور کیسے بات کی جاتی ہے۔

کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہم جانتے ہیں یعنی وہ کامن سینس کا حصّہ ہوتی ہیں لیکن جب تک کوئی دوسرا ہم کو اِن باتوں کے بارے میں نہ بتائے ہم سوچتے نہیں ہیں ٹریننگ کے آخیر تک ہم اپنے اندر کے آرٹسٹ کو باہر لانے کے لئے کچھ نہیں کر سکے لیکن ہاں اپنے اندر کے اچھے انسان کو ڈھونڈنے کی کوشش میں ضرور لگ گئے۔

ٹریننگ میں ہم نے جانا کہ کیا ہیں وہ باتیں جن کی وجہ سے امریکہ میں ایک مضبوط کام کرنے کا ماحول بن پایا اور کیسے یہ قوم اُن چھوٹے چھوٹے مسائل میں نہیں الجھی جس میں ہم الجھے ہوئے ہیں۔

''سب برابر ہیں''۔۔۔ یہ تھا اس ٹریننگ کا خلاصہ تین لفظوں میں، کوئی کیسا بھی ہو آپ اس کو پرکھیں اس کے کام اور ٹیلنٹ کی بنیاد پر یہ بہت ہی آسان سی بات لگتی ہے لیکن ہم سچ مچ کتنی بار ایسا کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں بس یہی کیسے کیا جاتا ہے، سکھایا جا رہا تھا اس ٹریننگ میں، کسی کی سوچ کیسی بھی ہو آپ کے حساب سے بہت ماڈرن یا دقیانوسی آپ اس سے صرف اس لئے بُری طرح بات نہ کریں کہ اس کی شخصیت آپ کے حساب سے مختلف ہونی چاہیے تھی، کوئی آپ سے عمر میں بڑا یا چھوٹا ہے اس سے اس کی عزت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر ایک سے عزت سے پیش آئیں۔

ہاتھ پاؤں ناک کان یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ وہ نعمتیں جن سے دنیا میں ہزاروں لاکھوں لوگ محروم ہیں اگر آپ کو خدا نے اُن لاکھوں لوگوں سے آسان زندگی دی ہے تو اُس پر غرور نہ کریں کسی کی جسمانی کمزوری کی وجہ سے اُسے کمزور سمجھنا آپ کو ایک چھوٹا انسان بناتا ہے، کرسچن مسلم یا پھر شعیہ سنی آپ کسی بھی عقیدے سے کیوں نہ ہوں جہاں مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے وہاں خود کو فرقوں میں بانٹ لینے سے کسی بھی آفس، معاشرے یا ملک کا ترقی یافتہ بننا ناممکن ہے۔

دو سو چوبیس ملین امریکنز یعنی پانچ سال سے بڑے اسی فیصد (80%) امریکنز گھر میں انگریزی بولتے ہیں پھر بھی امریکہ میں فیڈرل لیول پر کوئی زبان سرکاری نہیں ہے زیادہ تر گورنمنٹ آفسوں میں فون کرنے پر آپ کو آپشن دیا جاتا ہے کہ آپ کس زبان میں بات کرنا پسند کریں گے اس میں اکثر اُردو ہندی بھی شامل ہوتی ہیں انسان کو اس کی زبان یا لہجے سے پرکھنا غلط ہے، وہ کیا بول رہا ہے، سے فرق پڑنا چاہیے کس زبان یا Accent میں بول رہا ہے اس سے نہیں، اگر کسی پاکستانی کمپنی کے کسٹمر سروسز والوں کا لہجہ فون پر صرف اس لئے بدل جاتا ہے کہ ہم انگلش یا اردو بول رہے ہیں تو یہ چیز کمپنی کو کامیابیوں کی بلندی چھونے سے روکتی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رزق اللہ دیتا ہے۔ یہ ہم سب مانتے ہیں اور کسی کو اللہ نے کتنا دیا ہے کے حساب سے ہمارا انسانوں کو تولنا غلط ہے، کسی سے بھی اچھی یا بری طرح بات اس لئے نہیں کرنی چاہیے کہ وہ امیر یا غریب ہے، کسی کا تین سو ڈالر کا پہنا جوتا اسے امیر نہیں بناتا۔ اسے امیر بناتی ہے اس کی سوچ۔ وہ امیر سوچ جو ایک دو پٹی کی چپل پہنے عبدالستار ایدھی کے پاس ہے۔

لڑکیاں کمزور ہوتی ہیں اور مرد بہت طاقتور، بچپن میں ڈرتے ہوئے بچے کو سنبھالنے والی ماں، لڑکپن میں سب سے زیادہ پیار کرنے والی بہن اور ہر دکھ میں ساتھی ایک مرد کی بیوی اس کو مضبوط بناتے ہیں، بہت آرام سے وہی آدمی عورت کو اس لئے کمزور سمجھ لیتا ہے کیونکہ گدھوں والا کام وہ عورتوں سے بہتر کر سکتا ہے یعنی آدمی عورتوں سے زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہے انسان کی طاقت کو اس کے بوجھ اٹھانے کی قوت سے ناپنا آپ کو گدھوں کی قطار میں کھڑا کر دیتا ہے۔

ان باتوں کو اپنا کر ایک شخص انسان بنتا ہے، ان باتوں کو صرف باتوں تک نہیں رکھا جاتا بلکہ امریکہ کی بیشتر بڑی کمپنیوں میں ان کو نافذ کر کے مانیٹر کرنا کہ ان اصولوں کی خلاف ورزی نہ ہو رہی ہو امریکہ کو اس لئے مضبوط بناتا ہے کیونکہ یہاں کے زیادہ تر لوگ کام پر جاتے وقت ذہنی نفرتیں، اسٹیٹس وغیرہ جیسی چیزیں گھر چھوڑ کر جاتے ہیں تا کہ بہتر کام کر سکیں، جب تک بنیاد مضبوط نہیں ہوگی ایک اونچی عمارت کبھی کھڑی نہیں ہو پائے گی۔

یہی تو کہا تھا قائداعظم نے کہ اگر پاکستانی مل کر کام کریں تو ان سے زیادہ کامیاب قوم کوئی اور نہیں ہوگی اور مل کر کام کرنے کے لیے کچھ بنیادی چیزیں ضروری ہیں جن سے ہر کام کرنے والا آدمی ایک دوسرے سے ڈر یا خوف نہ رکھے آج جب امریکہ ہمارے سامنے مل کر کام کرنے سے کامیاب ہونے کی مثال قائم کر چکا ہے تو پھر ہم کیوں نہیں؟

□ □ K □ □

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور میں

زندگی تیز تیز چل رہی ہے لیکن جب تک کوئی چیز حرکت کرتی نظر نہیں آتی دِل اُس کے چلنے، اُس کی رفتار پر شک کرتا ہے۔ میں نے دیکھا نہیں تو مانوں کیسے؟ دنیا چل رہی ہے یعنی گھوم رہی ہے، ہم میں سے کسی نے بھی دنیا کو اپنی آنکھوں سے گھومتے نہیں دیکھا پھر بھی اِس پر یقین اس لئے ہے کیونکہ اسکول کے پہلے دِن سے سب ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ دنیا گھوم رہی ہے۔

اگر کوئی ہم سے پہلی کلاس میں بغیر زبردستی کئے ہماری رائے پوچھتا تو ہم اِس بات پر ڈٹ جاتے کہ دنیا ہرگز نہیں گھوم رہی، یہی انسان کی فطرت ہے اسی لئے کئی جگہ پر تاریخ کے پنوں پر یہ لکھا گیا ہے کہ وہ شخص کہ جس نے پہلی بار یہ دریافت کیا تھا کہ دنیا گھوم رہی ہے اُس زمانے کے عالموں سمیت حکمرانوں نے اُسے پاگل دے کر پھانسی پر لٹکا دیا تھا۔

دنیا کی سب سے تیز رفتار کار کا نام ہے ''فراری'' تیز رفتار چلنے کے باوجود فراری بنانے والوں نے کار کی سیٹ، ٹائرز اور پوری باڈی کو ایسے ڈیزائن کیا ہے کہ ایک اچھی سڑک پر دوسو فی میل چلنے والی گاڑی میں بیٹھے مسافر کو رفتار تیز محسوس نہیں ہوتی، بس کچھ ایسی فراری ہی ہے زندگی ہماری۔ یہ تیزی سے گزر جاتی ہے اور ہمیں محسوس بھی نہیں ہوتا۔

بچپن میں گھر میں کئی لوگ تھے مجھے پیار کرنے والے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، خالہ، پھوپھی، بہن بھائی کئی انمول رشتے، میں نے وقت پر کھانا کھایا ہے سے لے کر امتحان کا پرچہ دینے جانے سے پہلے مجھے ''گڈ لک'' کے لئے دہی اور چینی کھلانا اور پھر مجھ سے زیادہ میرے اچھے رزلٹ کے لئے دعا کرنا، ابا کا راتوں کو جاگنا کہ میری طبیعت خراب تھی اور امی کا میرے لئے ہر وہ چیز پکانا جو مجھے پسند تھی، دادی کا کہانی سنانا جس وجہ سے یہ دنیا وہیں آنگن میں بیٹھے بیٹھے میرے لئے جادوئی دنیا بن جاتی اور دادا کا مجھے کئی سالوں کا تجربہ ہر شام کچھ باتیں بتا کر سونپ دینا۔

مجھے ہر قدم ساتھ چلانے والے میرے بہن بھائی جن کی وجہ سے مجھے کبھی بھی اکیلے ہونے کا احساس نہیں ہوا میرے ساتھ کھیلتے، پڑھائی میں مدد کرتے اور کوئی شرارت کرتے پکڑا جاؤں تو سزا سے بچاتے۔ یہ سب تھا میرے پاس میرے بچپن میں اور میں۔۔۔ میں نے وہ وقت وہ حسین لمحے یہ سوچتے گذار دیئے کہ اگر میرے پاس میرا اپنا کمرہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ اگر مجھے اپنی سائیکل شیئر نہیں کرنی ہوتی تو زیادہ مزہ آتا، اسی طرح کی کئی چھوٹی چھوٹی پریشانیوں میں میری بچپن کی چھوٹی سی عمر ''فراری'' پر سوار گزر گئی۔

وہ جس سے آدھی سے زیادہ دنیا کے نوجوان محروم ہیں وہ تعلیم مجھے نصیب ہوئی۔ کالج اسکول اور پھر یونیورسٹی، کتنے ہی قابل اساتذہ سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا مجھے۔ اپنے لڑکپن اور نوجوانی میں مختلف بیک گراؤنڈ سے آنے والے ٹیچرز دنیا بھر کا تجربہ اور مشاہدہ کلاس روم میں ہمارے لئے لے آتے اور میں وہیں کلاس روم میں بیٹھے بیٹھے اِن ٹیچرز کے ذریعے دنیا کے بارے میں اتنا کچھ سیکھ لیتا جو کسی بھی انسان کا محض اپنے تجربے کی بنا پر سیکھنا ناممکن ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک دریا تھا میرے پاس علم کا جس میں ہاتھ ڈال کر اپنی تعلیم کی پیاس بجھانے کیلئے جتنا علم چاہتا سمیٹ لیتا اور دریا کے پانی میں کمی نہیں آتی۔ کئی سال ہر روز مجھے زندگی نے وہ دِن دکھایا جس میں کوئی اور ذمہ داری نہیں تھی میرے اوپر، میں صرف ایک طالب علم تھا جو زندگی میں جتنا چاہتا سیکھ سکتا تھا اور میں وہ سارے ہی دِن اس فکر میں گزارتا رہا کہ اگر سبق یاد نہیں کیا تو ٹیچر ڈانٹیں گے یا پھر کہیں اسائیمنٹ کی تاریخ نہ نکل جائے اور ہر جماعت کو ایک بوجھ سمجھنا جسے پار کرنا ایک مجبوری اور مصیبت ہوتی۔ وہ سال جو مجھے لگتے تھے کہ کبھی ختم نہیں ہوں گے ''فراری'' پر سوار میری زندگی نے انہیں پلک جھپکتے گزار دیا۔

میں آزاد تھا اگر ماضی میں ایک بھرپور بچپن اور لڑکپن کے دِن تھے تو ابھی آدھی سے زیادہ زندگی میرے آگے تھی۔ میں کچھ بھی کرسکتا تھا دنیا میں۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں رہتے بڑے خواب دیکھ کر اور بہت سی محنت سے لوگ حکیم محمد سعید بنتے ہیں۔ حالات موقع اور حدود کا سہارا کمزور لوگ لیتے ہیں ہر زمانے میں نوجوان پیڑھی کو کسی نہ کسی مشکل کا سامنا ہوتا ہے زیادہ تر لوگ اُن مشکلوں کو بہانہ بناتے ہیں زندگی میں کامیابی حاصل نہ کر پانے کی۔

جب ایک بارہ سالہ لڑکا یہ ٹھان لیتا ہے کہ میں پاکستانی کرکٹ ٹیم کا کپتان بنوں گا تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے نہیں روک پاتی۔

میں بھی اُسی عمر میں تھا جہاں میں چاہتا تو علامہ اقبال کے شعر ''خودی کو کر بلند اتنا'' کے سہارے کچھ بھی کرسکتا تھا اور میں مشکلوں سے ڈرتا ''اگر مگر'' میں آگے بڑھنے کے بجائے زندگی کے ہر موڑ پر بریک لگاتا گیا لیکن اِس بریک کا زندگی کی ''فراری'' پر اثر نہیں پڑا اور وہ اپنی رفتار کا رنگ میرے بالوں کی سفیدی میں دکھانے لگی۔

انسانی زندگی میں سب سے انمول چیز ہوتی ہے رشتے کسی بھی کمائی، کسی بھی کامیابی سے زیادہ ضروری رشتے کچھ رشتے ماضی ہوئے تو کچھ رشتے حال ہوئے بیوی بچے اور کتنے نئے نام اور چہرے دنیا کے سب سے اہم لوگوں میں شامل ہوگئے وقت کے گزرتے۔ میرا خیال رکھنے والی بیوی جو میری بات کسی بھی اور سے پہلے سمجھ جاتی میری ہر ضرورت اور آرام کا خیال رکھتی میری بیٹی جو اپنے ابو کے لئے ساری دنیا کی خوشیاں سمیٹ کر اُس ایک چپاتی میں لے آتی جو روز رات وہ میرے لئے کھانے کی میز پر مسکراتے ہوئے رکھتی۔

میں مضبوط تھا کیوں کہ میرا بیٹا میرے ساتھ تھا کسی بھی بھاری چیز کو ہلانا مشکل تھا تو فوراً بیٹے کو آواز دینے پر کبھی میں نے خود کو کمزور نہیں بلکہ مضبوط محسوس کیا۔ یہ سب ہی مجھے میری زندگی میں ملا اور میں۔ اپنا زیادہ تر وقت اس پریشانی میں گزارتا رہا کہ ہر مہینے کا خرچہ کیسے چلے گا؟ بیٹی کی شادی کی فکر۔ بیٹے کی بہتر نوکری لگ پائے گی یا نہیں۔ سب ہی دیر سویر ہوگیا اور ساتھ ہی ''فراری'' پر سوار میری زندگی کے اُس قیمتی وقت کو میں نے مشکل زندگی سوچتے گزار دیا۔

زندگی چل رہی ہے، اس سچ کا مجھے بغیر دیکھے یقین ہوگیا ہے کہ یہ کسی بھی لمحے رکتی نہیں۔ ایک ایک سانس انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہوتی ہے۔ ان سانسوں کے لئے کتنے لوگ ترستے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ نے زندگی کے کئی سال عطا کئے ایک بھرپور زندگی، کتنی خوشیاں زندگی میں کتنے قہقہے کتنے لمحے ایسے جیئے میں نے اس زندگی میں جو دنیا کے کسی بھی خزانے سے نہیں خریدی جاسکتیں۔

''اور میں! کہ جب زندگی ختم ہونے کے قریب ہے سوچتا ہوں مجھے زندگی نے کئی چیزیں کرنے کا موقع نہیں دیا!!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آزادی کی طرف قدم

1960ء میں ساؤتھ افریقہ کے علاقے جوہانسبرگ کے پاس پانچ ہزار لوگوں نے ''پاس بک لاؤ'' کے خلاف ایک پولیس اسٹیشن کے سامنے پرامن ریلی نکالی، یہ لاؤ ساؤتھ افریقہ میں نافذ وہ قانون تھا جس کے تحت ہر کالے شخص کو ہر وقت اپنے ساتھ ایک پاسپورٹ نما کتاب رکھنی ہوتی تھی جس میں اُس کی پہچان، ایمپلائر کی معلومات جو صرف ایک سفید شخص ہوسکتا تھا اور یہ لکھا ہوتا تھا کہ یہ شخص ساؤتھ افریقہ میں کہاں کہاں جاسکتا ہے۔ اِس پاس بک کو کوئی سفید شخص اس کالے شخص سے کسی وقت بھی چیک کرسکتا تھا اور قانون کے مطابق یہ پاس بک اسے دکھانی پڑتی تھی، سفید شخص کوئی بھی ہوسکتا تھا یہاں تک کہ ایک سفید فام بچہ بھی۔

پانچ ہزار لوگوں کی اِس ریلی پر حیران کن طور پر پولیس نے فائرنگ شروع کردی انہتر (69) لوگوں کی فوری موت اور چار سو لوگ شدید زخمی ہوئے۔ اِن پانچ ہزار لوگوں میں سے ایک عام شخص نیلسن منڈیلا بھی تھے، نیلسن منڈیلا اپنے گاؤں کے ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور پیشے کے اعتبار سے وکالت کی ڈگری رکھتے تھے وہ چاہتے تو اپنے اور اپنے خاندان کیلئے آسانی سے ایک آرام دہ زندگی کا راستہ چن سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنی زندگی کو اپنی قوم کی بہتری اور بہبود کیلئے وقف کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ راستہ بہت مشکل اور تکلیف دہ تھا لیکن اس کی منزل مل جانے سے کئی نسلوں کا بھلا ہونا تھا۔

1962ء میں نیلسن منڈیلا کو اپنے حق کیلئے لڑنے کے ''جرم'' میں عمر قید ہوگئی۔ اگلے ستائیس سال نیلسن نے جیل کے ایک چھوٹے سے کمرے میں گزارے، اتنا چھوٹا کہ اگر وہ اپنے سیل میں لیٹ جائیں تو وہ اپنے ہاتھوں اور پیروں سے کمرے کی دیواروں کو چھو سکتے تھے۔ سال میں دو ملاقاتی اور دو خط جنہیں جیل کے اہل کار اچھی طرح سنسر کرنے کے بعد نیلسن منڈیلا تک پہنچاتے، کسی بھی شخص کی ہمت ٹوٹ جائے گی ایسے وقت سے گزر کر لیکن نیلسن کے دل میں آنے والے وقت کو بہتر بنانے کی امید نے انہیں ٹوٹنے نہیں دیا انہوں نے ان ستائیس سالوں میں جیل کے حکام سے چھپ کر ایک کتاب لکھی جو 1996ء میں دنیا کے لئے چھاپی گئی کتاب کا نام تھا۔

"The Walk to Freedom"

نیلسن کی ستائیس سالہ سوچ جسے آج ہماری قوم کو اپنانے کی سخت ضرورت ہے۔

''تعلیم دنیا کا سب سے طاقتور ہتھیار ہے جس سے آپ دنیا میں کوئی بھی بدلاؤ لاسکتے ہیں۔''

اس وقت پاکستان میں کئی مسائل ہیں اور ہر مسئلے کو جڑ سے ختم کرنے کا واحد ہتھیار تعلیم ہے، مانا کہ بارود کی آواز بہت دور تک جاتی ہے لیکن تعلیم یافتہ کی آوازیں اس بارود سے کہیں زیادہ دور تک جاتی ہیں۔

نیلسن کہتے ہیں کہ ''میں نے سیکھا ہے کہ ہمت کسی ڈر کے خاتمے سے نہیں آتی ایک بہادر انسان وہ نہیں ہے جو ڈرتا نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو اپنے ڈر پر قابو پا کر ہمت سے آگے بڑھتا رہتا ہے۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آج ہم پاکستان میں ہر کام کرنے سے پہلے سسٹم سے ڈر جاتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ سسٹم خراب ہے۔اس لئے ہماری ہر ہمت اس سسٹم کے آگے گھٹنے ٹیک دیتی ہے۔اس ڈر پر قابو پانا ہے ہمیں آج۔

''بنیادی طور پر میں الگ مثبت سوچ رکھنے والا شخص ہوں مجھے نہیں معلوم کہ یہ قدرت کی طرف سے ہے یا میں نے دنیا میں سیکھا ہے۔سر اٹھا کر میں سورج کی طرف دیکھنا اور آگے قدم بڑھانا نہیں چھوڑ سکتا جب تک میں آگے بڑھ رہا ہوں میں جیت کی طرف گامزن ہوں صرف سر جھکانا اور قدم روک لینا میری ہار ہے میری موت ہے۔''

آج پاکستان میں بھی ہم کو قدم آگے بڑھانا ہے بہتر معاشرے کے لئے چاہے وہ قدم کتنے بھی چھوٹے کیوں نہ ہوں سڑک پر ایک کاغذ اٹھا کر کوڑے کے ڈبے میں ڈالنا۔۔۔جیسا۔۔۔چھوٹا قدم بھی ہم کو آگے لے جاتا ہے۔اگر ہم اپنی سوسائٹی کو بہتر بنانے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں تو ہم جیت کے قریب آتے جائیں گے۔

''ایک کام ہمیشہ ناممکن ہوتا ہے جب تک وہ نہیں ہو جاتا۔'' 1920ء کے آس پاس امریکہ میں لوگ غربت کی وجہ سے خودکشی کر رہے تھے اس وقت کسی نے سوچا تھا کہ امریکہ ایک خوشحال ملک بن جائے گا تو سب کو لگا تھا کہ یہ ناممکن ہے، مارٹن لوتھر کنگ نے 1960ء میں چاہا تھا کہ کوئی سیاہ فام بھی امریکہ کا صدر بنے اور سب کو لگا تھا یہ ناممکن ہے پاکستان دنیا کی سب سے بہترین اور ترقی یافتہ قوموں میں سے ایک ہوگی۔۔۔یہ بھی شاید آج سب کو ناممکن لگتا ہے۔

''دوسروں کو یہ احساس دلاؤ کہ وہ تم سے آگے ہیں کسی کام میں اور تم ان کو پیچھے سے ''لیڈ'' کر رہے ہو انہیں حکم مت دو۔''

آج پاکستان میں ہر وہ شخص جسے کسی جلسے میں یا ٹی۔وی پر مائیک مل جاتا ہے پوری قوم کو بتانے لگتا ہے کہ انہیں زندگی کیسے گزارنی چاہیے۔یہ قوم بہت سمجھدار ہے اس سے اگر ہمارے لیڈرز پوچھیں کہ یہ نظام کیسے چلنا چاہیے تو یہ ایک بہترین سسٹم بنانے کے قابل ہیں۔

''کوئی مزہ نہیں ہے چھوٹی زندگی کا۔کیا ہے فائدہ جب آپ وہ بہتر زندگی نہ گزاریں جس کے آپ مستحق تھے۔'' بہت ٹیلنٹیڈ ہے ہماری قوم لیکن آج ہر روز ہزاروں نوجوان یہ کہہ کر اپنی ہمت توڑ دیتے ہیں کہ ''پاکستان میں کچھ بھی کرنا مشکل ہے۔'' زیادہ تر لوگ زندگی بھر یہ نہیں جان پاتے کہ وہ کتنا کچھ کر سکنے کے اہل تھے جو اپنے اور اپنی قوم کے لئے انہوں نے نہیں کیا۔

''میں اپنے Soul کا کپتان ہوں۔'' نیلسن جانتے تھے کہ وہ اپنی قسمت کے مالک ہیں جب کہ ان کی حکومت اور ملک کا نظام ان کے خلاف تھا پھر بھی انہوں نے اپنی قسمت کو بدلا کیوں کہ وہ اس کے مالک تھے۔وہ قسمت جس کی وجہ سے پورا ملک پورا سسٹم بدل گیا۔

نیلسن منڈیلا کی کتاب پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ ہماری قوم کو بھی کئی نیلسنوں کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارا مسئلہ صرف رنگ نہیں ہے۔کئی ایسے مسئلے ہیں جنہیں سلجھانا ہے اور یہ کوئی اور نہیں آپ سلجھائیں گے چاہے یہ مشکل ہو لیکن جب ستائیس (27) سال جیل کی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں رہنے والا شخص نیلسن منڈیلا بن سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں؟ اگر آپ کو لگتا ہے کہ اس سسٹم کو بدلنا چاہیے تو اس کو بدلیں۔''

اس کامیابی کے لئے راستہ لمبا ضرور ہے لیکن یاد رکھیئے گا کہ کسی بھی منزل کیلئے سب سے ضروری پہلا قدم ہوتا ہے۔وہ قدم جو ہم سب کو مل کر اٹھانا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اخری لیکچر

کسی بھی انسان کے لئے زندگی کی سب سے زیادہ خوف زدہ بات یہ ہوگی کہ اسے پتہ چل جائے کہ وہ کب مرنے والا ہے اور خصوصاً اگر اس کی زندگی کے بچے دن بہت کم ہیں۔ لمبی سی زندگی اور اس کے ہزاروں جھمیلے۔ شاید کچھ دیر کو تو یقین ہی نہ آئے کہ یہ سچ ہے اور جب یقین آ جائے تو گہرا ڈیپریشن۔ یہ سوچ کر کہ میں نے کتنا کچھ سوچا تھا اس زندگی میں کرنے کے لئے اور وہ سب اس لئے رہ گیا کیونکہ میں نے اپنا سارا وقت بے کار کی چیزوں میں گزار دیا۔ وہ وقت جو بند مٹھی میں ریت کی طرح ہوتا ہے۔ کس تیزی سے نکل جاتا ہے اندازہ ہی نہیں ہوتا۔

امریکہ پنسلوینیا میں واقع کارنی گس میلین یونیورسٹی میں ایک عجیب روایت ہے ہر سال ایک پروفیسر لیکچر دیتا ہے یہ سوچ کر جیسے وہ اس کی زندگی کا آخری لیکچر ہو۔ ایک آڈیٹوریم میں لوگوں کے سامنے وہ اپنی پسند کے کسی بھی ٹاپک پر لیکچر دے سکتا ہے، سب ہی لوگوں کے لئے یہ سوچنا کہ یہ میرا آخری لیکچر ہے ایک تجربہ ہوتا ہے لیکن اس یونیورسٹی میں کمپوٹر سائنس پروفیسر رینڈی پش Randy Pausch کے لئے یہ ایک سچ تھا۔

پینتالیس سالہ رینڈی کو کینسر تھا اور ڈاکٹروں نے انہیں بتا دیا تھا کہ وہ کچھ ہی دن کے مہمان ہیں تین چھوٹے چھوٹے بچوں اور بیوی کے ساتھ ایک صحت مند زندگی گزرانے والے رینڈی کو اچانک یہ پتہ چلا کہ اس کی خوشحال زندگی کچھ دنوں کی مہمان ہے۔

رینڈی نے یونیورسٹی سے درخواست کی کہ وہ بھی کئی سالوں سے چلے آنے والا روایتی آخری لیکچر دینا چاہتے ہیں فرق صرف اتنا تھا کہ باقی لوگوں کیلئے یہ ''فرضی آخری لیکچر'' ہوتا تھا مگر رینڈی کے لئے یہ سچ مچ زندگی کا آخری لیکچر تھا۔

ستمبر اٹھارہ 2007ء کو رینڈی نے چار سو لوگوں سے بھرے ہال میں ستتر (77) منٹ کا لیکچر دیا۔ وہ لیکچر جس نے صرف ان چار سو لوگوں کو ہی نہیں دنیا میں ہزاروں لاکھوں لوگوں کی زندگی بدل دی۔ زندگی جو رینڈی کے پاس بہت کم بچی تھی اسی زندگی کو جینا رینڈی ان گنت لوگوں کو سکھا گیا۔

سب سے پہلے رینڈی نے پروجیکٹر پر اپنا سٹی اسکین دکھایا جس کے مطابق دنیا کے بہترین ڈاکٹرز بھی انہیں نہیں بچا پائیں گے ساتھ ہی رینڈی نے یہ بھی بتایا کہ وہ جسمانی اعتبار سے وہاں موجود بیشتر لوگوں سے زیادہ فٹ ہیں انہوں نے یہ ثابت کرنے کیلئے زمین پر لیٹ کر کچھ پش اپس بھی کر کے دکھائے لیکن ان کے اندر کا کینسر ان کی جان کبھی بھی لے سکتا ہے۔

زندگی کچھ تاش کے کھیل جیسی ہے آپ کی قسمت میں کون سے پتے آتے ہیں یہ آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے لیکن ان قسمت سے ملے پتوں کو کس طرح کھیلنا ہے وہ صرف اور صرف آپ کے ہاتھوں میں ہے، رینڈی نہیں چاہتے تھے کہ ان کی زندگی ختم ہونے کا کوئی ماتم کرے بلکہ وہ تو سب کو یہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ اپنی زندگی کے سب خواب پورے کرو اور ان خوابوں کے پیچھے اس وقت تک بھاگو جب تک زندگی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رینڈی کے لیکچر کا نام تھا ''اپنے بچپن کے خوابوں کو سچ کر دکھانا'' اور اس کے کچھ پوائنٹس یہ ہیں۔

زندگی میں اپنے ہر خواب کو پورا کرنے کی کوشش ضرور کرو۔ ہوسکتا ہے وہ خواب پورا نہ ہو۔ میرے بھی سارے خواب پورے نہیں ہوئے لیکن ان خوابوں کو پورا کرنے کے سفر پر جب میں نکلا تو میں نے وہ ان گنت چیزیں سیکھیں وہ بے شمار احساسات جو شاید مجھے سفر پر نکلے بغیر کبھی نہیں ہوتے ضروری نہیں ہے کہ آپ کی جیت خوابوں کی تعبیر پا لینے سے ہی ہو۔ اکثر خواب دیکھنا خواب کی تعبیر پانے سے بہتر ہوتا ہے۔

زندگی میں ہر بڑی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آپ اس کی بنیاد صحیح بنائیں۔ ہر کامیابی آپ حاصل کر سکتے ہیں جو آپ چاہیں صرف ان چیزوں کی بنیاد مضبوط ہونی چاہیے رشتے، کیریئر، تعلیم سب کچھ کسی سے عزت اور پیار آپ ڈیمانڈ نہیں کر سکتے یہ چیزیں مانگی نہیں کمائی جاتی ہیں۔ ایک مضبوط رشتے کے لئے آپ کو اپنی سی ہر ممکنہ محنت کرنی ہوگی۔

اول آنے والا بچہ اپنی کلاس کے باقی بچوں سے زیادہ ذہین نہیں زیادہ محنتی ہوتا ہے، اچھی صحت کے لئے ہفتے میں چار دن ورزش اور صحیح کھانا لازمی ہے۔ ہم سمجھدار ہیں اور اس طرح کی سب ہی باتیں جانتے ہیں۔ اس کے باوجود بنیاد مضبوط کرنے کے بجائے اکثر ساری زندگی بڑی کامیابی کی تمنا کرتے گزار دیتے ہیں۔

جب آپ کوئی غلط کام کریں اور کوئی آپ کو اس سے نہ روکے تو اس کا مطلب ہے کہ لوگ آپ کی پرواہ نہیں کرتے کسی کا آپ کو کسی غلطی کے لئے روکنا یا بہتر کام کرنے کی طرف زور دینا ثبوت ہے کہ لوگ آپ کی پرواہ کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں اُن لوگوں کا خیال رکھیں جو آپ کی زندگی میں آپ کے لئے اہم ہیں اور ان سے پیار کریں۔

رکاوٹیں انسان کو زندگی میں آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے نہیں آتیں بلکہ رکاوٹوں سے انسان کو اندازہ ہوتا ہے کہ اسے کسی چیز کی کتنی جستجو ہے وہ کتنی شدت سے اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ رکاوٹوں کو زندگی میں کبھی بھی مجبوری نہیں، چیلنج سمجھیں۔ زندگی میں کچھ نہ کچھ ایسا ضرور ہوتا ہے جس کی وجہ سے آپ آگے بڑھنا چاہتے ہیں، آپ کے والدین بیوی بچے بہن بھائی دوست کوئی نہ کوئی ضرور ہوتا ہے زندگی میں کہ جس کیلئے تکلیف برداشت کر کے بھی آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں زندگی میں، ہر رکاوٹ ہر مشکل وقت میں اس انسان کے بارے میں سوچیں مشکل آسان ہو جائے گی۔

وفاداری دو طرفہ ہوتی ہے اگر آپ کسی سے وفادار ہیں تو اس سے بھی وفاداری کی امید رکھیں اسی طرح اگر کوئی آپ سے وفادار ہے تو اس کی وفا کے ساتھ پورا پورا انصاف کریں، ایک انسان کو پرکھنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ صرف یہ نہ دیکھیں کہ وہ آپ سے کیا کہہ رہا ہے بلکہ اُس سے زیادہ یہ دیکھیں کہ وہ آپ سے کیسا سلوک کر رہا ہے۔ انسان کا کردار اور اس کی شخصیت اس کی زبان سے زیادہ اس کے عمل بتاتے ہیں۔

اسی طرح کی کئی باتوں کے بعد لیکچر ختم ہو گیا سب خاموش تھے۔ جس انسان کی زندگی کچھ دنوں۔۔۔ کچھ مہینوں میں ختم ہونے والی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے وہ زندگی کے بارے میں وہاں بیٹھے لوگوں کو کتنا کچھ سکھا گیا۔

رینڈی کے اس لیکچر میں آخری الفاظ کچھ یوں تھے۔ ''میں نے جو کچھ ابھی آپ لوگوں سے کہا ہے وہ آپ لوگوں کے لئے نہیں کہا بلکہ اپنے ان تین بچوں کے لئے کہا ہے جو ابھی بہت چھوٹے ہیں اور کسی دن بڑے ہو کر یہ ویڈیو دیکھیں گے اور میری بات سمجھیں گے۔''

جولائی 25، 2008ء کو رینڈی اس دنیا سے چلے گئے، کچھ لوگ سو سال زندہ رہ کر بھی اپنی زندگی میں کچھ نہیں کرتے اور کچھ لوگ چھوٹی سی عمر میں ہی دنیا سے چلے جانے کے باوجود ہزاروں زندگیاں بنا جاتے ہیں، جو کچھ رینڈی نے اپنے لیکچر میں کہا ہم یہ سب ہی باتیں جانتے ہیں لیکن اکثر زندگی کی بھاگ دوڑ میں یہ بھول جاتے ہیں کہ زندگی کا ایک ایک دن کتنا قیمتی ہے، رینڈی کے پورے لیکچر سے ایک سبق ملتا ہے کہ خوش رہیں اور اپنی زندگی اچھی طرح جئیں کیونکہ آپ آنے والے کل کو پلان کر سکتے ہیں۔ وہ ''آپ'' کا کل جس کو صرف اور صرف آپ ہی بہتر بنائیں گے۔ وہ ''کل'' جو رینڈی کے پاس نہیں تھا مگر آپ کے پاس ہے۔

□ □ K □ □

بڑے لوگ

سڑک پر گزرتے ایک آدمی دوسرے سے چمچماتی بلٹ پروف مرسیڈیز کو جاتے دیکھ کر کہتا ہے ''وہ دیکھو کوئی بڑا آدمی جا رہا ہے۔'' گاڑی کی طرف دوسرا آدمی دیکھتا ہے تو نوٹس کرتا ہے کہ گاڑی کو چاروں طرف سے آدھا درجن گارڈز سے بھری جیپ نے سیکورٹی کیلئے کور کر رکھا ہے، ''ہاں یار یقیناً کوئی بڑا آدمی ہوگا'' دوسرا بھی کہتا ہے۔ گاڑی نہیں تو دس لاکھ کی گھڑی، پاؤں میں ڈیڑھ لاکھ روپے کے جوتے دیکھ کر لوگ سامنے والے شخص کے بارے میں ایسی ہی باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ ''ہاں یار اتنی مہنگی گھڑی ہے تو کوئی بڑا آدمی ہی ہوگا۔'' جیسے پانی ملا دودھ پی پی کر ہمارے ملک کے لوگ اب اصلی دودھ کا مزہ بھول گئے ہیں ویسے ہی پاکستان میں موجود بڑے لوگوں کی پہچان ہمارے لئے مشکل ہوگئی ہے۔ ایک کروڑ کی مرسیڈیز یا ایک لاکھ کی گھڑی آپ کو امیر بناتی ہے بڑا آدمی نہیں اور یہ بات ہماری سوسائٹی میں آج بیشتر لوگ نہیں سمجھتے، چلیئے اس وقت سچ مچ کے دو ''بڑے لوگوں'' کے بارے میں بات کرتے ہیں۔

1928ء میں بانٹوا گجرات اِنڈیا کے ایک خاندان میں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عبدالستار رکھا گیا، بچپن سے ہی اُس کی والدہ نے اُسے سکھایا کہ غریبوں کی مدد کرو، پارٹیشن کے بعد عبدالستار کا خاندان کراچی ہجرت کر گیا۔

عبدالستار کا تعلق میمن کمیونٹی سے تھا، وہ کمیونٹی جس نے بزنس کی دنیا میں بہت سے کمالات دکھائے ہیں۔ لڑکپن میں انسان آسمان چھونے کے خواب دیکھتا ہے۔ بڑا سا گھر، پیسہ، گاڑی بہت سی طاقت اور نہ جانے کیا کیا دنیاوی چیزیں، اُنیس (19) سالہ عبدالستار اس عمر میں جو خواب دیکھنا چاہتا دیکھ سکتا تھا اور ایک مضبوط کمیونٹی سے آنے کی وجہ سے یقیناً زندگی اُسے کامیابی حاصل کرنے اور امیر بننے کے موقع

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی دیتی۔

اُنیس سالہ عبدالستار نے زندگی میں وہ راہ اختیار کی جس کی سیکھ اُن کی والدہ نے بچپن میں دی تھی۔ غریب مجبور لوگوں کی مدد کرو، کوئی بھی بڑا کام کرنے کے لئے آپ کو صرف اور صرف ایک چیز کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہے جذبہ۔ اگر آپ میں جذبہ ہے تو دنیا میں بڑے سے بڑا کام کر سکتے ہیں چاہے آپ کے وسائل ابتدا میں کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں، عبدالستار نے بھی زندگی کے بڑے کاموں کی ابتدا چھوٹے چھوٹے قدموں سے کی۔ وہ قدم جن سے شروعات ہوئی عبدالستار ایدھی کی۔ پہلے انہوں نے مختلف سوشل ورک آرگنائزیشنز کے ساتھ کام کرنا شروع کیا اور جلد ہی اپنی ڈسپنسری شروع کی جس میں غریبوں کا مفت علاج ہوتا، کچھ عرصے بعد اُنہوں نے ایک پرانی وین خریدی جسے نام دیا ''غریب آدمی کی وین'' اُس وین میں بیٹھ کر وہ شہر بھر کی مدد کرتے، وہ وین اُن کے کام کا اشتہار بن گئی، لوگ ''ایدھی'' کو ویلفیئر کے کاموں کے لئے جاننے لگے جب آپ کوئی اچھا کام کرنے کے لئے پہلا قدم آگے بڑھاتے ہیں تو دس پھر سو اور پھر ہزار قدم آپ کے ساتھ جڑ جاتے ہیں۔ لوگوں نے عبدالستار ایدھی کو چندہ دینا شروع کیا اور انہوں نے اپنی پہلی ڈسپنسری کو بڑا کرنا شروع کر دیا۔ وہاں غریبوں کی مدد کرنے کیلئے نرسوں اور اسٹاف کو رکھا اور یہی وہ جگہ تھی جہاں اُن کی ملاقات بلقیس سے ہوئی۔

14 اگست، 1947ء کے روز برصغیر کے مسلمانوں کو پاکستان ملا اور بلقیس پیدا ہوئیں، ویلفیئر کے کاموں میں یقین رکھنے والی پہلی کچھ نرسوں میں سے ایک بلقیس تھیں جو ایدھی فاؤنڈیشن میں کام کرنے آئیں۔ اور جی جان سے کام کیا، 1966ء میں بلقیس کی شادی عبدالستار ایدھی سے ہوگئی جس کے بعد بھی انہوں نے ویلفیئر کا کام جاری رکھا۔

ہزار روپے کے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرے میں شروع ہونے والی ایدھی فاؤنڈیشن کچھ ہی سالوں میں کراچی شہر اور دیگر ممالک میں شہرت پانے لگی۔ لوگ ایدھی فاؤنڈیشن کو اچھے کاموں کی وجہ سے جاننے لگے۔

1973ء کراچی میں ایک پرانی بلڈنگ گر جانے پر سب سے پہلے ایدھی فاؤنڈیشن کی ایمبولنس اور کارکن پہنچے تھے۔ یہ پہلی بار تھا اور یہاں سے یہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ کراچی ہو یا ملک میں کہیں بھی کوئی سانحہ ہوتا تو ایدھی کی مدد وہاں فوراً موجود ہوتی۔ یہ وہاں بھی پہنچ جاتے جہاں حکومتی کارکن بھی جانے سے ہچکچاتے۔

ایدھی فاؤنڈیشن ایشیاء میں ایسی واحد ویلفیئر آرگنائزیشن ہے جس کی اپنی ایر ایمبولنس ہے ملک میں کہیں بھی ٹرین کا حادثہ ہو یا بم بلاسٹ ایدھی والے سب سے پہلے وہاں موجود ہوتے ہیں، عبدالستار ایدھی اور بلقیس چلے تو اکیلے تھے لیکن آج ان کے ساتھ 3500 سے زیادہ مستقل کام کرنے والے اور ہزاروں والینٹرز ہیں ان کے بیٹے بہو سب ان کے ساتھ ہیں، آج تک ایدھی ٹرسٹ کو کروڑوں روپے چندے کی صورت دیئے گئے ہیں، پاکستان کی سب سے بڑی اور کامیاب ویلفیئر آرگنائزیشن ہے اس کے باوجود عبدالستار ایدھی اور بیگم بلقیس ایدھی نہایت سادہ زندگی گزارتے ہیں، کراچی کی تنگ گلیوں والے پرانے علاقے میٹھادر میں رہائش جہاں صرف ایک کمرہ انہوں نے اپنے لئے رکھا ہے باقی گھر وہ دفتر کے طور پر استعمال کرتے ہیں اپنے گھر میں خود جھاڑو لگانا اور باقی سب ہی کام کرنا یہاں تک کہ گٹر بند

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہو جائے تو وہ بھی خود ہی صحیح کرنا۔ چھوٹا سا کچن جس میں بلقیس ایدھی خود کھانا پکاتی ہیں۔

جب ایدھی سفر نہیں کر رہے ہوتے تو ان کا دن گھر میں فجر کی نماز سے شروع ہوتا ہے۔ نماز کے بعد وہ حاجت مند لوگوں کی کالز چیک کرتے ہیں۔ دوپہر میں اپنے مختلف سینٹرز میں جا کر میٹنگز کرتے ہیں شام میں ایدھی لنگر دیکھتے ہیں۔ جمعہ کے دن معذور بچوں کو نماز پڑھوانے لے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ان بچوں کو پک نک پر بھی لے جاتے ہیں۔ صرف کراچی میں ہی ایدھی فاؤنڈیشن آٹھ اسپتالوں میں لوگوں کا مفت علاج کر رہی ہے اس کے علاوہ آنکھوں کا اسپتال، ڈایابٹیک سینٹر، کینسر اسپتال، موبائل ڈسپنریاں ایدھی فاؤنڈیشن چلا رہی ہے۔ دو بلڈ بینک بھی کراچی شہر میں موجود ہیں۔ ان کا لیگل ایڈ ڈیپارٹمنٹ بھی ہے جو مفت قانونی سہولت پہنچاتا ہے۔ انہوں نے ان گنت بے گناہ لوگوں کو جیل سے رہائی بھی دلوائی ہے۔ بلقیس ایدھی کے بنائے اپنا گھر میں بیس ہزار سے زیادہ بچے پل رہے ہیں اور ایک ملین سے زیادہ بچوں کی پیدائش وہاں کروائی گئی ہے۔

ایک آدمی ''بڑا'' اپنی سوچ اپنے عمل سے بنتا ہے کسی مرسیڈیز یا دس لاکھ کی گھڑی لگا کر نہیں۔ دو پٹی کی چپل، سر پر ٹوپی اور سادہ سا سرمئی رنگ کا کرتا پاجامہ پہننے والے عبدالستار ایدھی اور بغیر کسی ڈیزائنر کپڑوں، جیولری یا بیگ کے بیگم بلقیس ایدھی پاکستان کے سب سے ''بڑے لوگوں'' میں سے ہیں۔

K

بڑی باتیں۔ بڑے لوگ

پیدائش کے وقت انسان کے سامنے زندگی اونچی چٹان کے جیسی ہوتی ہے جس میں ہر قدم اٹھانا اور آگے بڑھنا ایک مشکل امتحان ہوتا ہے، پیدائش کے بعد کئی ماہ تک تو ہم اپنی گردن بھی ایک جگہ نہیں ٹھہرا سکتے۔ گردن ٹھہر گئی تو کروٹ لینے کی جدوجہد میں ہماری ساری طاقت لگ جاتی ہے اور کروٹ لے لی تو اُٹھ کر بیٹھنا اور اس کے بعد کسی سہارے کے ساتھ کھڑے ہونے کی کوشش۔ وہ سب ہی چیزیں جن کے بارے میں انسان بڑا ہو جانے کے بعد شاید کبھی سوچتا بھی نہیں ہے اس ایک ایک چیز کو سیکھنے میں ہمارے کئی کئی مہینے لگ جاتے ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ کلوننگ کر کے اگر کسی شخص کے خلیوں (Cells) سے ایک بچہ بنایا جائے تو وہ بچہ بڑا ہونے پر اس شخص جیسا نہیں بلکہ مختلف لگے گا، اس بچے کا ماحول اور اس کے آس پاس کے لوگوں سے وہ جو کچھ سیکھے گا اس کی پوری شخصیت اور شکل وصورت پر اس کا اثر پڑتا ہے اور انہی سب چیزوں کی وجہ سے اس کی انفرادیت قائم ہوتی ہے۔

مائیکل جیکسن کے والد انہیں مار مار کر دن میں آٹھ سے دس گھنٹے ڈانس سکھاتے تھے اس لئے مائیکل پندرہ سال کی عمر کو پہنچتے ہی دنیا کے بہترین ڈانسر بن گئے، ہوسکتا ہے کہ اگر مائیکل جیکسن کا کلون کیا جاتا اور اسے ڈانس اور گانے سے دور رکھا جاتا تو پندرہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے مائیکل جیکسن کے کلون کو ڈانس اور گانے کا کوئی شوق نہیں ہوتا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میرے والد اور والدہ کا تعلق میڈیا سے ہے میں عمر کے اُس موڑ پر تھا جہاں انسان زندگی کی چھوٹی چھوٹی بنیادی باتیں سیکھ رہا ہوتا ہے۔ اٹھنا بیٹھنا۔ کروٹ لینے سے تھوڑا آگے۔ شاید تین سال کا تھا میں اچھی طرح چلنا اور تتلا تتلا کر بولنا میں سیکھ چکا تھا وہ وقت جب جانے ان جانے میرے آس پاس کے لوگ یہ فیصلہ کرتے کہ میں کیسا انسان بنوں گا۔

مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے وہ دن میں گھر کے لاؤنج میں کارپٹ پر بیٹھا بہت سے بلاکس بکھرائے ایک پزل بنا رہا تھا شاید وہ پزل جو کسی بھی بڑے کے لئے آسان ہوگا۔ میرے تین سال کے ننھے سے ذہن سے وہ پچھلے دو گھنٹے سے حل نہیں ہو رہا تھا۔ میرے ابو کے ایک دوست جو میرے گھر سے بہت قریب رہتے تھے اور اکثر ہمارے گھر آتے تھے۔ میرے برابر آ کر بیٹھ گئے۔ ''کیا کر رہے ہو وجاہت میاں؟''

مجھے بلاکس میں الجھا ہوا گم صم دیکھ کر پوچھا۔

میں نے کہا ''انکل میں یہ پزل Solve کرنے کی کوشش کر رہا ہوں آپ میری مدد کریں گے؟''

میرے ابو کے دوست جن کا ایک ہاتھ میرے کندھے پر تھا غور سے بلاکس دیکھنے لگے۔ مجھے یقین تھا کہ یہ میری مدد کریں گے۔ کام آسان ہو گیا۔ یہ سوچ کر میرے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ انکل نے کہا۔ ''جانتے ہو کوئی بھی پزل اس وقت تک مشکل رہتا ہے جب تک تم اسے Solve نہیں کر لیتے۔ زندگی بھی کئی ایسی ہی Puzzles کا نام ہے۔ تم آج یہ حل کرو گے تو کل اس سے بھی مشکل اور بڑے پزل Solve کر لو گے اگر آج میں نے تمہارے لئے یہ Solve کر دیا تو اس سے مشکل کیلئے کل تم پھر مجھے ڈھونڈو گے۔ اب بتاؤ اگر میں نہیں ملا تو کیا کرو گے؟''

ابو کے دوست کھڑے ہو گئے۔ انکل کچھ تو مدد کر جائیں۔ انکل نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک چھوٹے سے بچے کا آس بھرا چہرہ۔ وہ مسکرائے اور کہا ''میں تمہاری مدد ہی کر رہا ہوں۔ تم کر سکتے ہو، مجھے یقین ہے۔'' انکل کمرے سے چلے گئے مگر مجھے وہ یقین دے گئے جس سے اگلے دس منٹ کے اندر میں نے وہ پزل حل کر لیا۔

اچھا وقت تیزی سے گزرتا ہے۔ بہت تیزی سے۔ کئی سال گزر گئے اور میں سترہ سال کا ہو گیا میں نے زندگی کے کئی Puzzles اب تک Solve کر لئے تھے۔ جب بھی خود کو کمزور محسوس کرتا اور دل نے کہا کسی کی مدد لوں تو وہی دن ذہن میں آیا اور انکل کا مجھ سے کہنا کہ ''تم کر سکتے ہو'' اور اس سوچ نے مجھے ہمیشہ مضبوط کیا۔

انہی دنوں کی بات ہے میں کراچی ٹی۔ وی اسٹیشن کے کاریڈور میں کھڑا تھا عجیب سی گھبراہٹ تھی۔ میں پہلی بار کیمرے کو فیس کرنے جا رہا تھا۔ ایک ٹی۔ وی سیریل جس میں پاکستان کے کئی بڑے آرٹسٹ کام کر رہے تھے۔ کیا میں ایکٹنگ کر پاؤں گا؟ کیا میں اپنے والدین کے معیار کو چھو پاؤں گا۔ اس طرح کی کئی باتیں میرے دماغ میں چل رہی تھیں۔

اس وقت ابو کے وہ دوست سامنے سے چلتے ہوئے آ گئے جنہوں نے پزل حل کرنے میں میری مدد کی تھی میری شکل دیکھتے ہی وہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میری ذہنی کیفیت سمجھ گئے۔

''پریشان ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی۔تھوڑا سا۔'' میں نے اپنی بہت زیادہ پریشانی کو چھپانے کی کوشش کی۔

انہوں نے کہا۔''کوئی بھی نیا کام کرنے سے پہلے گھبرانا انسان کی فطرت میں ہے اسے اپنی کمزوری مت سمجھو بلکہ اس گھبراہٹ کو اپنے فیور میں استعمال کرنے کی کوشش کرو۔چلو آج ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔میں جب بھی اسٹیج پر یا ٹی۔وی کیمرے کے سامنے جاتا ہوں مجھے آج تک گھبراہٹ ہوتی ہے لیکن میں اس کو اپنے حق میں استعمال کرتا ہوں اور بہترین پرفارمنس دینے کی کوشش کرتا ہوں۔یہ راز میں نے کبھی کسی کو نہیں بتایا لیکن اتنے سالوں کے بعد بھی آج تک ہر پرفارمنس سے پہلے میں بھی وہی ڈرا ہوا لڑکا ہوتا ہوں جو اکیلا کاری ڈور میں کھڑا ہے۔'' میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر''جیتے رہو۔'' کہہ کر جانے والا یہ شخص۔۔۔معین اختر تھا۔

جانے انجانے میں انکل نے مجھے زندگی کے دو ایسے سبق سکھائے جس کی وجہ سے آج میں ایک مضبوط انسان ہوں ہر مشکل کو خود فیس کرو اور کسی بھی چیز سے گھبرانا غلط نہیں ہے صرف اس گھبراہٹ کو اپنے فیور میں استعمال کرنا سیکھنا چاہیے امریکن امیگریشن کا انٹرویو تھا یا کسی بڑی نوکری کا انٹرویو ہر بار مجھے معین اختر کی بتائی ہوئی باتیں میرے ذہن میں رہیں اور میں نے زندگی میں کبھی شکست نہیں کھائی۔

پچھلے سال کراچی میں معین انکل سے ملاقات ہوئی۔''تم بہت اچھا لکھ رہے ہو۔میں باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔لکھنا مت چھوڑنا۔'' انہوں نے کہا۔

''کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟ چلئے میرے دو چار کالموں کے نام بتائیں۔'' میں نے پوچھا۔میرا خیال تھا وہ نہیں بتا پائیں گے لیکن انہوں نے میرے کئی کالموں کے نام بتا کر حیران کر دیا میں ان کو بتانے ہی والا تھا کہ بچپن سے ان کی بتائی باتوں سے میں کیسے ایک مضبوط شخص بن پایا لیکن میرے یہ کہنے سے پہلے ہی کچھ اور لوگ آ گئے اور بات ادھوری رہ گئی۔

سوچا تھا کہ کسی دن کالم لکھ کر معین انکل کو بتاؤں گا کہ وہ صرف ایک عظیم آرٹسٹ ہی نہیں ایک عظیم انسان بھی ہیں جنہوں نے میری اور نہ جانے کتنے لوگوں کی کامیاب بننے میں اپنی شخصیت سے مدد کی ہے۔میں جانتا ہوں کہ معین انکل یہ کالم نہیں پڑھ سکتے نہ ہی میں ان سے پوچھ پاؤں گا کہ بتائیں میں نے کیا لکھا ہے۔پھر بھی میں یہ کالم لکھ رہا ہوں تاکہ مجھ جیسے کئی دوسرے وجاہت جو زندگی کی کسی پزل کو اپنے سامنے بچھائے اس میں الجھے ہوئے ہیں اسے اپنی ہمت سے سلجھائیں اور معین اختر کی زندگی سے سیکھیں۔انسان اگر کوشش کرے تو زندگی میں ہر کامیابی حاصل کر لیتا ہے جیسے انہوں نے کی۔

□□K□□

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بس۔ کل نہیں آنا

موٹا۔موٹا۔موٹا۔۔۔وہ ایک لفظ جسے تین بار چلا چلا کر بولنے سے ہمارے ایک قریبی دوست کے کئی خواب کچھ ہی لمحوں میں آسمان سے آ کر زمین پر گرے اور چکنا چور ہو گئے۔

یہ کچھ سالوں پہلے کی بات ہے کراچی شہر میں ایک بہت بڑا میلہ ہو رہا تھا جس میں شہر کی آدھی سے زیادہ ''یوتھ'' پہنچی ہوئی تھی۔ہم بھی اپنے کئی دوستوں کے ساتھ میلے میں پہنچے۔کراچی شہر نظر لگنے سے پہلے سچ مچ روشنیوں کا شہر تھا اور وہاں ایسے میلے ہونے ایک عام سی بات تھی لیکن ہمارے لئے۔اس میلے میں خاص یہ تھا کہ وہاں ہمارا ایک دوست اپنی ایک کلاس فیلو کو پچھلے پانچ سال سے اپنے دل میں دبی ہوئی محبت کا اظہار کر کے پرپوز کرنے والا تھا۔ہم تو ان کے ساتھ تھے لیکن وقت نہیں۔

جیسے ہی ہمارا دوست پچھلے پانچ سال کے جذبات کو جمع کر کے ہمت باندھ کر اس لڑکی کی طرف بڑھا اور ڈرتے ڈرتے قریب پہنچ کر ہیلو کہا ساتھ ہی کھڑا لڑکی کا چھ سات سالہ بھائی ہمارے دوست کو دیکھ کر زور زور سے ''موٹا،موٹا'' کہہ کر چلانے لگا۔۔۔کئی لوگ پلٹ پلٹ کر ہمارے دوست کو دیکھنے لگے۔لڑکی بھائی کی اس بات پر ہنسنے لگی اور شاید اس وقت تک ہنستی رہی جب تک ہمارا بے چارہ دوست اس کی نظروں سے بہت دور نہیں چلا گیا۔

مسلمان ہیں۔اس لئے شراب پی کر اپنا غم غلط کرنے کا آپشن نہیں ہے،اس لئے اس رات ہمارا دوست اپنا غم چائے پی پی کر غلط کر رہا تھا،اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ہمارا دوست وزن میں کچھ زیادہ تھا لیکن اس وزن سے اسے اتنی تکلیف پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔''کل سے میں وزن کم کروں گا اور دیکھنا اس لڑکی کو چھ مہینے بعد پروپوز کروں گا۔''ہر ایک چائے کی پیالی کے بعد وہ ایسے ایک درجن دعوے کر رہا تھا ،پہلے چائے ختم ہوئی پھر رات۔۔۔مگر ہمارے دوست کا ''کل'' نہیں آیا۔

آج اس بات کو کئی سال ہو گئے ہیں ہمارے دوست اور اس لڑکی کی شادی بھی ہو گئی۔۔۔لیکن آپس میں نہیں۔۔۔الگ الگ دنوں پر الگ الگ لوگوں سے،پچھلے سالوں میں ہمارے دوست کے وزن پر فرق تو پڑا لیکن Minus میں نہیں Plus میں۔۔۔آج اس کا وزن پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔

کچھ دن پہلے کراچی کے ایک ریسٹورینٹ میں ہم اسی دوست کے ساتھ بیٹھے تھے اور سامنے دروازے سے وہی لڑکی داخل ہوئی۔ہم کو پہچاننے میں زیادہ مشکل نہیں ہوئی کچھ سال پہلے اس کے ہاتھوں دل ٹوٹ جانے والے ہمارے دوست کی اس کی طرف سے پیٹھ تھی۔اپنے دوست سے ہم کہنے ہی والے تھے کہ۔دیکھو وہی لڑکی۔۔۔پھر ہم رک گئے۔سوچا اسے دیکھ کر کہیں دوست کے زخم پھر ہرے نہ ہو جائیں یا شاید لڑکی کا وہی بھائی بڑا ہو کر بھی اتنا ہی بدتمیز نہ ہو اور کہیں پیچھے ہی نہ آ رہا ہو جو دوست کو دیکھ کر ''اور بھی موٹا۔۔۔اور بھی موٹا'' چلانے لگا اسی لئے ہم چپ رہے اور دوست سے کچھ نہ کہا۔۔۔لڑکی ریسٹورینٹ کے اوپر والے فلور پر چلی گئی اور ہم نے چین کی سانس لی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیکن اس وقت جیسے وہ میلہ، آنکھوں کے سامنے Rewind ہوگیا اور وہ چائے کے نشے میں ڈوبا ہمارا ٹوٹے دل والا دوست سامنے آ گیا جو کل سے وزن کم کرنے کی بات کر رہا تھا۔

امریکہ میں رہنے والے 69% لوگ اوور ویٹ ہیں اور صرف امریکہ ہی کیوں زیادہ تر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں میں آدھے سے زیادہ لوگ اوور ویٹ ہیں۔ کئی تھیوریز، کئی دوائیں اور کئی سلمنگ سینٹرز ہیں جو یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ انہیں پتہ ہے کہ وزن کیسے کم کیا جا سکتا ہے، بلین ڈالرز کی مارکیٹ ہے یہ۔۔۔ گولیاں، کھانے کی اشیاء، مختلف ورزشوں کی ویڈیوز، مشینیں اور نہ جانے کیا کیا، جتنی تیزی سے لوگ موٹے ہو رہے ہیں وزن کم کرنے کی چیزوں کی مارکیٹ اتنی ہی تیزی سے بڑی ہو رہی ہے۔ لیکن وزن کم کیوں نہیں ہوتا؟

یہ وہ مشکل سا سوال ہے جس کا جواب لوگ سالوں سے ڈھونڈ رہے ہیں اور جس کا ہم آپ کو آسان زبان میں جواب دیں گے۔

''کل'' نہیں آتا اور یہ ہے پہلی اور سب سے بڑی وزن کم نہ ہونے کی وجہ۔ وزن کم کرنے کا مرحلہ آپ کو پہاڑ جیسا لگتا ہے اور انسان زندگی میں ہمیشہ آسان راستے کی طرف جانے کی کوشش کرتا ہے، ہم کو وزن کم کرنے کا چیلنج سوچنے میں تو اچھا لگتا ہے لیکن اس کو فوراً شروع کرنے کا دل نہیں کرتا۔ جیسے ہی آپ سوچتے ہیں۔ ہاں ''کل'' سے کروں گا۔ تو ذہن فوراً تیار ہو جاتا ہے۔ ''کل'' نہیں آتا۔ کل صرف گزرتا ہے اور ماضی کا کل بن جاتا ہے، اگر آپ کو وزن کم کرنا ہے تو وہ پھر صرف آج سے ہوگا۔ اگر ہمارا دوست اس دن آٹھ چائے کے کپ چینی بھر بھر کر نہیں پیتا بلکہ اسی دن سے وزن کم کرنا شروع کر دیتا تو اس کا آج کچھ اور ہوتا۔

دوسری وجہ وزن کم نہ کر پانے کی ہوتی ہے ڈائٹنگ ہم آپ کو سو فیصدی گارنٹی دیتے ہیں کہ آپ اگر ڈائٹنگ کریں گے تو اسے چھوڑ دینے پر اس سے بھی زیادہ وزن چڑھا لیں گے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ مناسب ڈائیٹ پلان کے بغیر کھانا چھوڑ دینے اور جسم کو صحیح غذائیت نہ پہنچانے سے آپ صرف اور صرف کمزور ہوتے ہیں، ہاں اس خود کو کمزور کرنے کے مرحلے میں آپ کچھ وزن بھی کم کرتے ہیں اور آس پاس کے لوگ کہتے ہیں کہ وزن کم لگ رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کم وزن۔۔۔ کم کھانے کی وجہ سے کمزوری کا اعلان کر رہا ہوتا ہے۔

کوئی دوا یا مشین اس مشکل کا حل نہیں ہے وزن کم کرنے کا صرف اور صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ کیلوری اِن ٹیک کم اور برن زیادہ یعنی کم حراروں کی غذا کھائیں اور زیادہ جلائیں، انسان ہر وقت کیلوریز جلاتا ہے۔ سوتے میں ستر (70) کیلوریز فی گھنٹہ۔ بیٹھے ہوئے اسّی (80) چلتے پھرتے سو (100) اور ورزش کرتے ہوئے چار سو فی گھنٹہ۔ ایک دِن میں تین ہزار کیلوریز لیں اور دو ہزار برن کریں تو ہزار کیلوریز آپ کے جسم میں چربی کی صورت جمع ہو جاتی ہیں جو دن۔ ہفتوں مہینوں میں جمع ہو ہو کر آپ کو موٹا کر دیتی ہیں۔

وزن کم کرنے کیلئے آپ کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ دِن میں کتنی کیلوریز کھاتے ہیں۔ کتنے وقفوں پر یعنی دو تین گھنٹوں کے وقفے سے تھوڑا تھوڑا کھانا تا کہ آپ کی باڈی میں انرجی رہے اور وہ کیلوریز برن کرنے میں سستی نہ دکھائے اور ساتھ ہی دن میں کوئی ورزش ضرور کریں۔ لیکن اچھی خبر یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی انسان چاہے تو وزن کم کر سکتا ہے اور بُری خبر یہ ہے کہ یہ سفر بہت آہستہ ہے لیکن اگر راہی سفر پر منزل تک پہنچنے کی ٹھان کر نکلے تو اس کو یہ راستہ دشوار نہیں لگتا ہمارے دوست کی طرح کئی لوگ ایسے ہیں جو زندگی میں بہت کچھ چاہتے ہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جس تک پہنچنے سے ان کا وزن انہیں روک لیتا ہے۔ آپ کر سکتے ہیں۔ بس جو کچھ کرنا ہے وہ آپ کو ''آج'' سے کرنا ہے۔
ہم اُمید کرتے ہیں کہ اگر آپ اور آپ کی کسی منزل کے بیچ آپ کا وزن آ رہا ہے تو یہ ہی وہ کالم ہے جس کے بعد آپ اپنی زندگی بدلنے کی ٹھان لیں گے، بس اُس ''کل'' کا انتظار مت کریں جو کبھی نہیں آتا۔

□ □ K □ □

پاکستان ورسز انڈیا

کرکٹ اور پیاز کا موسم پاکستان اور انڈیا میں ہمیشہ رہتا ہے جیسے دوستوں کی باتیں کرکٹ کے ذکر کے بنا پھیکی ہیں اُسی طرح ہمارے ساؤتھ ایشیا کے کھانے بھی بنا پیاز بے مزہ ہیں اور آج کل پاکستان انڈیا میں کرکٹ کا چڑھا بخار اور بھی تیز ہو گیا ہے۔ ورلڈ کپ کا زمانہ جو ہے۔

کچھ عرصہ پہلے انڈیا میں پیاز کا بحران تھا، بارش ہونے اور فصل خراب ہو جانے کی وجہ سے پیاز کی قیمت سو روپے کلو ہو گئی تھی۔ پاکستان کی طرح انڈین کھانوں میں بھی پیاز اُسی طرح کام کرتی ہے جیسے سانس لینے کے لئے ہوا۔ پورے ہندوستان میں ہنگامہ بڑے بڑے لیڈرز اُس زمانے میں بہتر سسٹم یا نوکریاں دینے کے وعدے کرتے نہیں بلکہ سستی پیاز دلوانے کے وعدے کرتے نظر آ رہے تھے پھر پیاز سستی ہو گئی یعنی پچیس روپے کلو جو کسی سیاست داں کے وعدے کا نتیجہ نہیں تھا اس کی وجہ تھے ہم۔

ہندوستان کو پاکستانی آواز پسند ہے لیکن پاکستانی سنگرز نہیں خود پیسے دے کر ہم سے ائیر پورٹ پر پوچھتے ہیں کہ یہ جو تمہارے بیگ میں پیسے ہیں کہاں سے آئے؟ اور پھر وہی پیسے خود ہی ضبط کر لیتے ہیں۔ یہی نہیں اوپر سے چالان بھی کرتے ہیں اب اگر راحت فتح علی خاں اپنے کمائے پیسے سے انڈیا میں کوئی گھر خرید لیتے تو بھی انڈیا کو اچھا نہیں لگتا۔ پھر ان کے پیسے انڈیا سے باہر لے جانے پر اتنا اعتراض کیوں؟ خیر یہاں بات ائیر پورٹ سے چھینے ہمارے سنگرز کے پیسوں کی نہیں پیاز کی ہو رہی ہے۔ وہ پیاز کی پیاس جو انڈیا کی پاکستان کی ایکسپورٹ سے بجھے گی۔

ایک بڑی مقدار میں پیاز پاکستان سے انڈیا ''امپورٹ'' کی گئی چاہے وہ کسی بھی کاسٹ یا عقیدے کے تھے۔ پاکستان کی آئی پیاز انڈیا بھر میں بھر بھر کر سب ہی لوگوں نے کھائی۔ ہر جگہ پاکستانی پیاز دستیاب اور آسمان سے باتیں کرتی قیمتیں زمین پر آ گئیں۔ انڈیا نے ہمارا نمک نہیں کھایا لیکن ہماری پیاز میں اپنا نمک ملا کر ضرور کھایا۔ ہم کو لگا کہ چلو اب انڈیا اور پاکستان کے درمیان حالات اچھے ہو رہے ہیں لیکن ورلڈ کپ 2011ء کے بعد مہاراشٹر بیس پارٹی ''شیوسینا'' جو ہندوستان میں بچے مسلمانوں کو ان کے ''گھر'' بھیجنے کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اُن کے راہنماؤں نے بیان دیا ہے کہ پاکستانی ٹیم کو یعنی اُن کے حساب سے ''قصاب کے ملک کے لوگوں'' کو وہ اپنی دھرتی پر نہیں کھیلنے دیں گے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شاید شیوسینا کے کارکن جن کو شاہ رخ خاں اور ٹینڈولکر جیسے اسٹارز کو بلاوجہ تنگ کرنے کے علاوہ اور کوئی خاص کام نہیں ہے۔ اُنہوں نے پاکستان ورسز انڈیا کی ہسٹری اُٹھا کر دیکھ لی ہوگی اور سوچا ہوگا پاکستان کا انڈیا آ کر انڈیا سے نہ کھیلنا ہی بہتر ہے۔

پاکستان بننے سے آج تک پاکستان انڈیا کے بیچ اُسنٹھ (59) میچز کھیلے گئے ہیں جن میں سے اٹھائیس ڈرا ہوئے۔ نو میچز انڈیا اور بارہ پاکستان نے جیتے۔ اسی طرح 119 کھیلے گئے پاکستان ورسز انڈیا ون ڈے میچز میں سے چار ڈرا ہوئے 46 انڈیا جیتی اور 69 پاکستان، پاکستان انڈیا کے بیچ لڑی جنگوں کے بارے میں لوگوں کو اتنی معلومات نہیں جتنی اُنہیں پاکستان ورسز انڈیا کھیلے گئے میچز کے بارے میں ہیں۔

1984ء میں انڈیا کی پوری ٹیم 125 رنز پر آوٹ ہوگئی۔ انڈین کپتان کپل دیو نے لنچ بریک میں اپنی ٹیم سے کہا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے ہارنے کیلئے اس لئے بغیر گھبرائے جم کر کھیلو اور اس بات سے اُن میں اتنا جوش پیدا ہوگیا کہ انہوں نے پاکستان کی ٹیم کو ستاسی (87) رنز میں ہی آوٹ کر دیا۔

یہ صرف ایک مثال ہے لیکن اگر پاکستان کی طرف سے دیکھا جائے تو حیرت انگیز طور پر وہ ٹیسٹ جس میں پاکستان نے پہلے بیٹنگ کر کے کم رنز بنائے اُس میں انہوں نے ہمیشہ انڈیا کو اس سے بھی کم رنز پر آوٹ کر دیا۔

تاریخ میں سب سے زیادہ یادگار لمحہ پاکستان ورسز انڈیا وہ تھا جب 1986ء میں شارجہ میں کھیلے جانے والا آسٹریلشیا کپ فائنل میں آخری بال پر چار رنز درکار تھے۔ کریز پر جاوید میانداد تھے اور بالنگ کرانے کے لئے اپنی ورلڈ کپ میں ہیٹ ٹرک کی وجہ سے مشہور بالر چیتن شرما تھے۔ چیتن وہ آخری بال فل ٹاس کروانے کی وجہ سے انڈیا میں ہمیشہ کیلئے ولن اور جاوید میانداد اُس بال پر چھکا لگا کر پاکستان میں ہمیشہ کیلئے ہیرو بن گئے۔ 1999ء میں کھیلے گئے ٹیسٹ سیریز کا پہلا میچ سب کو یاد ہے جہاں انڈیا کو 271 رنز چاہیے تھے جیتنے کے لئے اور 255 کے اسکور پر ٹنڈولکر آوٹ ہو گئے تو پاکستان نے بالنگ اور فیلڈنگ اتنی ٹائٹ کر دی کہ انڈیا کی ٹیم 259 پر ہی آوٹ ہوگئی۔

1997ء میں سعید انور نے چنائے انڈیا میں انڈیا کے خلاف ون ڈے میچ میں 194 رنز بنائے تھے جو ایک ریکارڈ ہے۔ اسی طرح 1999ء میں ایشین ٹیسٹ چمپئن شپ میں سعید انور نے انڈیا کے خلاف 188 رنز اسکور کئے تھے اور انہی کی طرح باقی سب پاکستانی کرکٹرز بھی اپنا بہترین کھیل انڈین ٹیم کے سامنے پیش کرتے ہیں جیسے کہ ولز ٹرافی جو شارجہ میں کھیلی گئی تھی وہاں عاقب جاوید نے ہیٹ ٹرک کے ساتھ ساتھ صرف سینتیس (37) رنز دے کر سات کھلاڑی آوٹ کئے تھے۔

انڈیا کے خلاف کھیلتے ہمارے بالرز تک بیٹسمین کی طرح کھیلنے کا جوش رکھتے ہیں اسی لئے جنوری 01-2000ء کو کھیلے جانے والے میچ میں پاکستانی بالر وقار یونس اور عاقب جاوید نے مل کر 43 رنز کی پارٹنرشپ سے پاکستان کو وہ میچ جتوایا تھا۔ سلمان بٹ نے اپنے کیریئر کی سات سینچریوں میں سے پانچ انڈیا کے خلاف بنائی ہیں 15 اپریل 2005ء کو آفریدی نے پینتالیس بالوں پر سینچری بنا کر ایک اور ریکارڈ بنایا تھا انڈیا کے خلاف۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایڈن گارڈن کلکتہ (کول کتہ) میں 1999ء میں کھیلا گیا ٹیسٹ میچ پاکستان کیلئے یادگار جیت ہے، یہ وہ میچ ہے جس میں شعیب اختر۔انڈیا کے منجھے ہوئے کھلاڑی ٹنڈولکر کو اُن کے ہوم گراونڈ میں بالنگ کروا رہے تھے۔پہلی ہی بال میں انہوں نے ٹینڈولکر کی مڈل اسٹمپ اڑا دیں تھیں۔یہ وہ میچ تھا جس میں تقریباً آدھا ملین لوگ میچ دیکھنے اسٹیڈیم پہنچے تھے اور انڈیا کو بہت زیادہ بک اپ اور چیئر کر رہے تھے لیکن پاکستان کی بہترین پرفارمنس جس میں سعید انور کی 188 ناٹ آؤٹ بیٹنگ اور شعیب اختر کی جارحانہ بالنگ سے انڈین عوام اتنے ناراض ہوگئے کہ اسٹیڈیم میں ہنگاموں کی وجہ سے میچ روک کر عوام کو باہر نکال کر تقریباً خالی اسٹیڈیم میں میچ پورا کیا گیا۔

ہم شیوسینا کے جذبات سمجھتے ہیں۔انڈیا کے ساتھ پاکستانی ٹیم میدان میں اتر کر اکثر ان کے چھکے چھڑا دیتی ہے۔اسی لئے قصاب کا سہارا لیتے پاکستانی ٹیم کا انڈیا آ کر کھیلنے پر احتجاج کیا گیا۔وہی قصاب جس کے پاکستان سے آئی پیاز کھا کر شیوسینا کو بالکل مرچیں نہیں لگی تھیں۔

K

پاکستانی ورلڈ چیمپئینز

کچھ عرصے پہلے ٹینس پلیئر اعصام الحق نے ہمارا سر دنیا کے سامنے فخر سے بلند کر دیا۔کچھ تو ایسا ہوا کہ انٹرنیشنل لیول پر پاکستان کا نام کسی اچھی چیز کے ساتھ جوڑا گیا۔جہاں دنیا بھر نے پاکستان کے نام کے اعلان پر زوردار تالیاں بجائیں۔

یہ ہاتھ میں ریکٹ لئے ادھر سے ادھر بھاگتے بال کو کورٹ سے باہر نہ جانے دینے والے پاکستانی کو دیکھ کر ہمیں گزرے کل کے کئی نوجوان اور ان کے اس کھیل کا خیال آیا جو کچھ سالوں پہلے پاکستانی نوجوانوں کے دلوں میں بسا ہوا تھا۔اسکواش۔پاکستان کا قومی کھیل ہاکی ہونے کے باوجود پاکستانیوں کے دل میں کرکٹ کے علاوہ جو کھیل کچھ سالوں پہلے تک بسا ہوا تھا وہ اسکواش تھا۔یہ کھیل نہیں تھا فخر تھا ہمارا ہمت اور یقین دیتا تھا یہ، پاکستان میں اسکواش شروع ہوا ہاشم خان سے جو 1942ء میں برٹش آرمی میں اسکواش کوچ تھے۔پاکستان بنا اور ہاشم خان پاکستان ایئر فورس کے کوچ بن گئے جب کہ ہاشم کی عمر پچاس کو چھو رہی تھی پھر بھی ان کے کھیل سے متاثر ہو کر ایئر فورس آفیسرز نے اپنے خرچے پر انہیں برطانیہ بھیجا تا کہ وہ برٹش اوپن میں پاکستان کی نمائندگی کریں۔

دنیا میں کوئی بڑا یا مشکل کام کرنے کیلئے سب سے زیادہ ضروری ہوتا ہے یقین اور جب کہ ہاشم خان کا مقابلہ اپنے سے بہت کم عمر۔زیادہ اسٹیمنا رکھنے والے کھلاڑیوں سے تھا، لیکن ہاشم خاں کے ساتھ ان کی قوم کا یقین تھا اور فائنل میچ میں انہوں نے اپنے مخالف کو زیادہ تر راؤنڈز میں ایک بھی اسکور نہیں کرنے دیا۔یہ تھی بنیاد پاکستان میں اسکواش کی۔ہاشم خان اگلے آٹھ سال میں سات بار برٹش اسکوائش جیتے جب تک اُن کے اپنے ہی کزن روشن خان نے انہیں نہیں ہرایا۔

1951ء سے لے کر 1990ء تک دونوں ہی بڑی چمپئن شپس برٹش اوپن اور ورلڈ اوپن میں پاکستان نے اپنی برتری قائم رکھی۔اعظم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خان، روشن خان، قمر زمان۔ جان شیر اور جہانگیر خان وہ نام ہیں جنہوں نے چالیس سال تک پاکستان کے علاوہ اسکواش کا نام اول نمبر پر آنے نہیں دیا۔ کوئی ملک پاکستان سے آگے نہیں نکل سکا۔ ہماری قوم جذباتی ہے ہم زیادہ تر کام جذبات سے کرتے ہیں کوئی پاکستانی اگر اپنے جذبات کو صحیح سمت میں استعمال کرے تو وہ ایک کمزور بچے سے جہانگیر خان بن سکتا ہے۔

دو باتیں غالباً بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ پہلی تو یہ کہ تاریخ کے حساب سے پروفیشنل انٹرنیشنل اسپورٹس کے دنیا کے سب سے بڑے اسپورٹس مین جہانگیر خان ہیں، دوسری یہ کہ وہ بچپن میں بہت زیادہ بیمار اور کمزور تھے اور ڈاکٹرز نے ان کو کسی بھی قسم کی جسمانی ورزش یا اسپورٹس کو سختی سے منع کیا تھا۔

نوعمری میں ہی ہرنیا کے دو آپریشن ہونے کے بعد جہانگیر کے والد روشن خان نے انہیں اسکواش کھیلنے کی اجازت دے دی۔ بہت محنت کرنے کے باوجود جہانگیر کا سلیکشن 1979ء کے آسٹریلیا ورلڈ چمپئن شپ کے لئے سیلکٹرز نے اس لئے نہیں کیا کیونکہ جہانگیر بہت کمزور جسامت کے تھے۔

نومبر 1979ء میں جہانگیر کے بھائی طورسم خان کا جو کہ اسکواش چمپئن تھے۔ ایک ٹورنامنٹ کے دوران اچانک ہارٹ فیل ہو گیا جس کے بعد جہانگیر نے بھی اسکواش چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا لیکن پھر انہوں نے صرف اپنے بھائی کو خراج عقیدت دینے کیلئے کھیل جاری رکھا اور ان کے بھائی کے قریبی دوست رحمت خان نے انہیں کوچ کیا۔

1984ء سے 1986ء تک جہانگیر نے ایک ایسا ریکارڈ بنایا جو کسی بھی پروفیشنل ایتھلیٹ نے دنیا میں کبھی نہیں بنایا۔ ان کے کھیلے 555 میچز میں سے وہ ایک بھی نہیں ہارے۔

جب پاکستانی کچھ کرنے پر آجاتے ہیں تو ان کا مقابلہ دنیا کی اور قوم نہیں کر سکتی اسی لئے جب جہانگیر خان کے مقابلے پر کوئی اور آیا تو وہ بھی پاکستانی ہی جان شیر خان تھا جس نے پہلی بار جہانگیر کو ہانگ کانگ اوپن میں ہرایا، اگلے کچھ سالوں میں جہانگیر اور جان شیر کا مقابلہ سینتیس (37) میچز میں ہوا جس میں سے انیس جان شیر جیتے اور اٹھارہ جہانگیر۔

1993ء میں پاکستان کو ورلڈ چمپئن شپ جتوانے کے بعد جہانگیر خان اسکواش سے ریٹائر ہو گئے، جہانگیر خان اور جان شیر خان کے بے مثال کیریرز کے بعد پاکستان کے پاس ناقابل شکست جیت تھی دنیا کئی سال سے یہ بات تسلیم کرتی آرہی تھی کہ اسکواش ورلڈ چمپئن صرف اور صرف پاکستان میں ہی پیدا ہوتے ہیں لیکن پھر ہر اچھی چیز کے ساتھ جو پاکستان میں ہوتا ہے وہی اسکواش کے ساتھ بھی ہوا پاکستان میں اسکواش بھی ہمارے سسٹم کی نذر ہو گیا جس کو جیتنے کی آرزو میں 1947ء میں کچھ پاکستانیوں نے اپنی جیب سے پیسے دے کر ایک پاکستانی کو انگلینڈ کھیلنے بھیجا تھا۔ آج اسکواش کے ان کھلاڑیوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ جب کچھ جیت کر آؤ گے تو پھر اسکواش فیڈریشن تمہیں کسی بھی طرح کی سپورٹ دے گی۔

وہ کھیل جس کے لئے دوسرے ملکوں کے کھلاڑی خود کو سارا دن ٹرینڈ کرتے ہیں وہیں پاکستان جو گزرے کل میں چمپئن تھا وہاں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے کھلاڑی سارا دن نوکری کرتے ہیں تا کہ اپنا گھر چلا سکیں ہاں اگر انہیں اپنے ملک کیلئے کھیلنا ہے تو اپنے خرچے پر ٹریننگ کریں اور اپنے ہی خرچے پر کوئی ٹورنامنٹ کھیلنے جائیں اور جب جیتیں گے تو فیڈریشن انہیں سپورٹ کرے گی۔ اسی طرح کے قوائد کا نتیجہ یہ ہے آج پاکستان میں اسکواش کے کورٹس تو ہیں لیکن وہاں چمپئن نظر نہیں آتے صرف گزرے کل کے کچھ چمپئنز کی تصویریں نظر آ جاتی ہیں۔

آج اعصام الحق کو دیکھ کر گزرے کل کے کچھ اچھے دن یاد آ گئے جب جیسے ہی کوئی پاکستانی کورٹ میں ریکٹ لے کر اترتا تھا تو دنیا کو یقین ہو جاتا تھا کہ یہ جیت پاکستان کی ہے۔ ملک میں اسپورٹس کی حالت دیکھ کر خان فیملی کے پلیئرز خود اپنے بچوں سے کہتے ہیں کچھ اور کام کرو اسکواش کی طرف مت جاؤ۔ نہ جانے ہمارے کتنے ورلڈ چمپئنز سسٹم سے ڈر کر صرف ایک عام نوکری کے سہارے زندگی کاٹ کر ضائع ہو گئے۔

ہر بُرے وقت کے بعد اچھا وقت آتا ہے اور اعصام الحق اچھے وقت کی پہلی کرن ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اعصام کی یو ایس اوپن میں اینٹری، ابتدا ہو ہماری پھر سے، ہاکی، کرکٹ اور اسکواش میں ورلڈ چمپئنز بننے کی۔

□ □ K □ □

پڑھ

وہ کلاس روم یاد ہے مجھے جس میں پہلی بار بیٹھ کر خود کو زندگی میں اکیلا محسوس کیا تھا۔ میں چھوٹا سا ایک بچہ تھا اور دنیا کی ہر چیز کے مقابلے کے لئے میرے پاس میرے والدین تھے۔ میں پہلی بار اسکول جا رہا تھا۔ یونی فارم، گلے میں پانی کی بوتل ایک ہاتھ میں بیگ اور دوسرے ہاتھ سے اپنے والد کی اُنگلی مضبوطی سے پکڑے ہوئے۔ میری ہر طرح کی طاقت میرے والد تھے میں جانتا تھا وہ میرے ساتھ ہیں تو میں مضبوط ہوں۔ میں ناسمجھ تھا لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ اسکول ایک ایسی جگہ ہے جہاں بچوں کے ساتھ ان کے والدین نہیں ہوتے۔

''میں اسکول نہیں جاؤں گا۔'' یہی کہا تھا ابو سے میں نے جب اُنہوں نے کلاس روم کے باہر مجھے گڈ لک کہا تھا، اُن کے ''کیوں؟'' کے جواب میں میں نے کہا۔ ''مجھے اکیلے اسکول میں ڈر لگے گا۔'' جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ بیٹا یاد ہے تم نے مجھ سے کہا تھا میں ''سپر مین'' بننا چاہتا ہوں۔ یہی ہے وہ جگہ جو تمہیں سپر مین بنائے گی۔ تم ایک مضبوط سوچ ایک ایسی زندگی کے مالک بنو گے جس میں کوئی ڈر نہیں ہو گا۔ تم سپر مین کی طرح زندگی کی ہر مشکل کا سامنا کر پاؤ گے۔ ''تو کیا میں اُڑ پاؤں گا؟'' میرے چہرے پر اُس ڈر کے عالم میں بھی ایک ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ ''نہیں تم شاید اُڑ تو نہیں پاؤ گے لیکن ہاں یہ وعدہ ضرور ہے کہ اگر تم اس کلاس روم میں جا کر دِل لگا کر پڑھو گے تو سپر مین کی طرح دنیا ضرور بدل پاؤ گے۔''

میں کلاس روم میں جاتے ہوئے پہلی بار اپنے والدین سے دور ہو رہا تھا۔ بلیک بورڈ پر ''اے فار ایپل۔'' تھا لیکن میرے اندر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صرف اکیلے ہونے کا ''ڈی فارڈر'' تھا، میرے چھوٹے سے دماغ میں ابو کی وہ بڑی بڑی باتیں گھوم رہی تھیں جو اُنہوں نے کچھ دیر پہلے مجھ سے کلاس روم کے باہر کہی تھیں۔ میں ڈرنا نہیں چاہتا تھا ابھی نہیں۔ اور زندگی میں کبھی نہیں۔ میں ایک مضبوط انسان بنوں گا۔ میں پڑھوں گا اور جس طرح ابو نے کہا میں اُسی طرح سپر مین بنوں گا۔ ''ایس فار سپر مین۔''

میرے چاروں طرف کئی اور دوسرے بچے بیٹھے تھے وہ شاید ''بیٹ مین'' یا ''اسپائڈر مین'' بننا چاہتے ہوں گے اسی لئے کلاس روم میں بیٹھے ہیں کیونکہ سپر مین تو صرف میں بنوں گا۔ میرا معصوم دِل خود کو سمجھا جا رہا تھا۔ کوئی بھی سپر ہیرو بننا چاہتے ہوں لیکن ایک بات ہم بچوں میں مشترک تھی۔ ہم سب سپر ہیرو بن جانے کے بعد آنے والے دنوں میں وہ کام کرنا چاہتے تھے جو کوئی بھی سپر ہیرو کرتا ہے۔ یعنی کہ ہر بدی کو مٹائیں گے دنیا کو بہتر بنائیں گے۔ سڑکیں بلڈنگ بنائیں گے، بیماروں کا علاج کریں گے۔ اسپورٹس میں بڑے بڑے ریکارڈ بنائیں گے۔ دنیا کا مستقبل تابناک بنائیں گے۔

زندگی کا یہ لمبا سفر ایک صفحے سے شروع ہوتا ہے۔ ''صفحہ نمبر ایک کھولیئے۔'' یہی کہا تھا اُس دن کلاس میں موجود ٹیچر نے جس سے ہماری زندگی کا وہ سفر شروع ہوا۔ جہاں پر پلٹتا صفحہ ہم پر اور ذمہ داریاں ڈالتا ہے کیوں کہ ہر صفحہ ہمیں مزید باخبر اور باعلم کر دیتا ہے۔
اسپائڈر مین کے انکل نے اس سے کہا تھا۔ ''زیادہ طاقت اپنے ساتھ زیادہ ذمہ داری لاتی ہے۔'' پلٹتے صفحے دنیا کو بہتر کرنے کی ذمہ داری مجھ پر بڑھاتے جاتے۔

پہلی کلاس ختم ہوئی اور بچوں نے آپس میں بات کرنا شروع کر دی۔

''میں تو بڑا ہو کر پائلٹ بنوں گا۔''

''میں وکیل بنوں گا۔''

''اور میں انجینئر۔''

آج وہ دِن تھا جب ہم دنیا میں کچھ بھی بن سکتے تھے۔ ہم اسکول میں کلاس روم میں بیٹھے تھے جہاں بے جان کتابیں ہم سے باتیں کرتی ہیں اور صدیوں میں کمائے علم کو ہمیں سونپ دیتی ہیں۔ وہ بچہ جو آج اپنے والد کی اُنگلی چھوڑنے میں ہچکچا رہا تھا۔ اُنگلی چھوڑتے ہی جب کتاب اُس کے ہاتھ میں آئی تو آسمان سے اونچے منصوبے بنانے لگا۔

وہ سامنے۔۔۔ کل دنیا میں بہت نام کمانے والا Brain سرجن بیٹھا تھا۔ دیکھو ابھی ابھی باہر سے وہ بچہ کلاس روم میں واپس آیا جو آنے والے کل میں انجن فیل ہو جانے پر اپنی مہارت سے تین سو لوگوں کی جان بچائے گا۔ سائیڈ کی چیئر پر وہ بیٹھا ہے جو کل ہمارے ملک کے وکیلوں میں ایک بہت بڑا نام ہوگا۔ فی الحال ''وکیل صاحب'' ایک پنسل پر برابر والے بچے سے لڑ رہے ہیں۔
ایک کے بعد دوسرے اور پھر تیسرے۔۔۔ اس طرح کرتے کرتے مختلف ٹیچرز آئے اور ہم سب سے ایک ہی بات کرتے۔ ''پڑھ۔۔۔ کیونکہ ہر وہ طاقت جو تم حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کر سکتے ہو اگر تمہارے پاس علم ہے۔'' ہمارے دین میں ٹیچر کا بہت بڑا رتبہ ہے اور یقیناً وہ اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لئے کہ ایک ننھا ذہن سب سے زیادہ وقت اپنے والدین کے علاوہ جن لوگوں کے ساتھ گزارتا ہے وہ یہی ٹیچرز ہوتے ہیں۔ اپنے والدین کے بعد ہر بچہ جن کو سب سے زیادہ خوش اور Impress کرنا چاہتا ہے وہ یہی ٹیچرز ہیں۔

کہتے ہیں کہ انسان اپنے اسکول کا پہلا دن کبھی نہیں بھولتا۔ میں بھی نہیں بھولا۔ آج بھی کبھی کبھی جب میں آنکھیں بند کرتا ہوں تو میں وہی چھوٹا سا ڈرا سہما ہوا بچہ ہوتا ہوں جو اسکول میں بیٹھا خود کو اکیلا محسوس کر رہا تھا۔ ابو نے صحیح کہا تھا میں سپر مین کی طرح اُڑ نہیں پایا لیکن میں نے زندگی میں کئی ایسے کام کئے ہیں جو مجھے ''سپر مین'' بناتے ہیں اور ہر اُس بچے کو سپر ہیرو بناتے ہیں جو اُس دن میرے کلاس روم میں موجود تھا اور وہ اس لئے کہ ہم نے دِل لگا کر پڑھا اور خوب پڑھا اور زندگی کی ہر مشکل کو اپنے علم کی تلوار سے چیرتے چلے گئے۔

میرے ملک میں اب سپر ہیرو نہیں بنتے۔ میری اگلی نسل عام انسانوں کی ہوگی سپر ہیروز کی نہیں۔ کیونکہ آج قوم کے ہزاروں بچے اسکول نہیں جاسکتے ہیں۔ وہ ٹیچرز جو گزرے کل میں آپ کے دیئے صحیح جواب پر اگر مسکرا دیں تو لگتا تھا دنیا فتح کر لی۔ وہ ٹیچرز آج خاموش ہیں۔ بلوچستان میں پچھلے دو سال میں بائیس سے زیادہ ٹیچرز قتل کئے جا چکے ہیں اور 2008ء سے اب تک دو سو ٹیچرز اس لئے ٹرانسفر لے چکے ہیں کہ وہ اپنی جان نہیں کھونا چاہتے ہیں۔

کچھ دِن پہلے کا اخبار مجھ سے کہتا ہے کہ پشاور میں ایک اسکول بس میں بم پھٹا اور کچھ اور لوگوں کے ساتھ دو معصوم بچے بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ وہ دو بچے اور کوئی نہیں تھے وہ میرے ساتھی تھے۔ جو گزرے کل میں میرے ساتھ میرے کلاس روم میں بیٹھے تھے، میرے آنے والے کل میں میرے ملک میں کوئی بڑا ڈاکٹر نہیں ہے کوئی انجینئر، کوئی وکیل نہیں ہے۔۔۔ کوئی سپر ہیرو نہیں ہے کیونکہ میرے ملک میں اسکول۔۔۔ ٹیچرز اور یہاں تک کہ طالبِ علم بھی نہیں ہیں۔

پشاور سے خبر آئی ہے کہ چارخانہ روڈ پر گل آباد کے علاقے بھانا ماڑی میں پرائیوٹ اسکول کی بس ''جی آر جے 431'' چھٹی کے بعد بچوں کو لے کر جا رہی تھی کہ سڑک کے کنارے کچرے کے ڈھیر میں چھپایا ریموٹ کنٹرول بم پھٹ گیا جس سے ڈرائیور اور ایک بچہ جاں بحق ہو گئے۔ یہ بچہ اپنا بستہ بس کی سیٹ پر چھوڑ کر چلا گیا۔ اب یہ کتابیں اُس کے کام نہیں آئیں گی۔ حدیث نبویؐ ہے کہ ''علم حاصل کرنے کے لئے چین تک جاؤ۔'' اِس بچے کے والدین کس سے سوال کریں کہ ہمارا پیارا علم حاصل کرنے کہاں گیا ہے؟

اِس بچے کا کیا قصور ہے نہ وہ صاحبانِ اقتدار میں شامل تھا نہ اِس نے کسی کا مطالبہ ماننے سے انکار کیا تھا یہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہنستا بولتا گھر واپس آ رہا تھا اور سوچتا ہوگا گھر جا کر سب سے پہلے ہوم ورک کر لوں گا پھر اطمینان سے کھیلوں گا مگر اس کی کاپی سادہ رہ گئی۔ وہ پہلا صفحہ جو میں نے اسکول میں پڑھ کر پلٹا تھا کہ دوسرا صفحہ پڑھوں اُس بچے کو یہ موقع بھی نہیں ملا۔ اب کوئی یہ بتائے کہ جو بچہ پڑھنا چاہتا ہے وہ کِس شہر میں کِس اسکول میں کِس بس میں سفر کرے کہ گھر جا کر اپنا ہوم ورک پورا کر سکے۔

K

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیار کیا تو ڈرنا کیا

پچھلے اسی (80) سال سے ہندوستانی فلم انڈسٹری فلمیں دیکھنے والوں کو نئے نئے خواب دکھا رہی ہے خواب نئے لیکن کہانی ہر بار وہی پرانی یعنی ایک لڑکے کو ایک لڑکی سے پیار۔۔۔ پھر ولن کی اینٹری اور پھر کہانی کے آخر میں کبھی خوشی تو کبھی غم۔ وقت بدلے سوچ بدلی لیکن فلموں کے فارمولے وہی فلم میکرز کی پریشانی یہ کہ کیسے اس پرانی ڈش کو نئے ذائقے کے ساتھ پیش کریں۔ کبھی کہانی میں پیار کرنے والے ہیرو اور ہیروئین کے خاندانوں میں جھگڑا تو کبھی دو دوست ایک ہی خاتون سے عشق کی بیماری میں مبتلا اور پھر کبھی لڑکی غریب تو لڑکے کو کوئی جان لیوا بیماری، وہی پرانے مسالے کو ایک ڈبے میں ڈال کر فلم میکرز بار بار ہلاتے ہیں اور ہر بار دُعا کرتے ہیں کہ ڈبے سے باہر نکلنے والی فلم میں کاش فلم بینوں کو کچھ نیا نظر آ جائے اسی پرانی چٹنی کو نئی پیکنگ میں بیچنے کی دوڑ میں فلم میکرز نے کئی بار انڈین لڑکے اور پاکستانی لڑکی کی پریم کہانی بھی سنائی ہے جس میں ولن ہمیشہ ''سرحد'' ہوتی ہے لیکن کبھی بھی ایسی کوئی انڈین فلم چاہے وہ ''حنا'' تھی یا ''غدر'' یہ نہیں دکھایا گیا کہ لڑکا پاکستانی ہے اور لڑکی ہندوستانی۔

شاہ رخ خان نیویارک میں جب کانسرٹ کے بیچ مائیک پر پوچھتے ہیں کہ کتنے پاکستانی موجود ہیں تو اتنا شور مچتا ہے کہ جیسے بیس ہزار میں سے اٹھارہ ہزار پاکستانی ہیں اِسی طرح پاکستان میں کئی سال تک ہندوستانی فلموں پر پابندی کے باوجود اُن کا پاکستان میں اکثر ہندوستان سے زیادہ بے صبری سے انتظار ہو رہا ہوتا ہے اور آج جب حالات بہتر ہیں تو پاکستان میں جگہ جگہ ہندوستانی فلمیں لگ رہی ہیں تو پاکستانی لاکھوں کروڑوں روپے کا فائدہ بالی وڈ کو پہنچا رہے ہیں اسی طرح کے ایک پاکستانی شعیب ملک ہیں جن کی وجہ سے آنے والے کل میں بالی وڈ کو بہت فائدہ ہونے والا ہے۔ شعیب ملک ایک ایسے پاکستانی ہیں جنہوں نے بالی وڈ فلم میکرز کو وہی گھسی پٹی لو اسٹوری کو سنانے کا نیا طریقہ بتایا ہے۔ وہ کہانی جس میں لڑکا پاکستانی ہے اور ہر خاص و عام ہندوستانی لڑکی اُن کے عشق میں گرفتار ہے۔

کہانی کچھ یوں ہے کہ شعیب ملک یکم فروری 1982ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور زندگی میں بہت جلدی کامیابیوں کی بلندیاں چھولیں۔ 2007ء میں پاکستان کرکٹ ٹیم کے کپتان بنے اور ملک بھر کے لوگ اُنہیں پیار کرنے لگے لیکن شعیب ملک کے دِل میں اپنی قوم کے پیار کے علاوہ کسی اور کا پیار بھی سمایا ہوا تھا یہ بات ہے 2000-1999ء کے آس پاس کی اور یہ پیار تھا ایک ہندوستانی نژاد مسلمان لڑکی عائشہ کا جو جدّہ میں رہتی تھی اور شعیب سے کمپوٹر چیٹنگ کیا کرتی تھی۔

شعیب دِن میں بڑے بڑے بالزر کے چھکے چھڑا دیتے تھے لیکن رات کو کمپوٹر اسکرین کے سامنے وہی عاشق بن جاتے جس کو کسی کے چیٹ پر آنے کا بے صبری سے انتظار ہوتا۔ پیار اندھا ہوتا ہے لیکن گولی کی رفتار سے اپنی طرف آنے والی گیند کو دیکھ لینے والے شعیب کا عشق اِتنا اندھا نہیں تھا وہ چیٹ کی دوسری طرف ٹائپ کرنے والے شخص کی شکل دیکھنا چاہتے تھے ''تیری تصویر مل گئی'' گاتے شعیب ای میل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پر تصویر آ جانے کے بعد مزید عشق میں گرفتار ہو گئے اور اِس گرفتاری میں اپنی بیچلر لائف کو سزائے موت دینے کا فیصلہ کر لیا۔

کئی ٹی۔وی شوز میں 2002ء کے آس پاس انٹرویوز میں وہ یہ کہتے نظر آئے کہ میں نے شادی کر لی ہے اور میں بہت خوش ہوں۔ پھر کچھ عرصے بعد یہ کہتے نظر آئے کہ اُنہیں پیار میں دھوکہ ہوا ہے لیکن قوم اور میڈیا نے اُن کی شور مچاتی بہترین کرکٹ پرفارمنس کے سامنے خاموش محبت پر زیادہ دھیان نہیں دیا جب تک ثانیہ کا سانحہ نہیں ہوا۔

ثانیہ مرزا ہندوستان کی مشہور ترین ٹینس پلیئر ہیں اور سب کی نظریں اُن کی شادی پر جمی ہوئی تھیں ہندوستان میں بہت سی نوجوان اداکاراؤں نے بین الاقوامی شہرت پائی ہے لیکن ثانیہ وہ پہلی ہندوستانی لڑکی ہیں جنہوں نے گلیمر ورلڈ سے ہٹ کر اپنا نام دنیا بھر میں منوایا ہے اِس لئے پورے ہندوستان کو اِنتظار تھا کہ کِس ہیرو سے کرے گی ثانیہ شادی؟ شاہد کپور اور دوسرے کئی نام اخباروں کی سرخیوں میں ثانیہ کے ساتھ جوڑے جاتے سب کو انتظار تھا کہ کون سا ہندوستانی وہ دِل والا ہے جو دولہنیا لے جائے گا اور پھر کہانی میں ٹوسٹ پچھلے مہینے ثانیہ نے اعلان کیا کہ وہ پاکستانی کرکٹر شعیب ملک سے شادی کر رہی ہیں اور شادی کے بعد وہ دونوں دوبئ میں رہیں گے۔ شعیب اپنی دولہنیا لینے حیدر آباد دکن پہنچتے اُس سے پہلے ہی حیدر آباد دکن کی ہی ایک خاتون نے دعویٰ کر دیا کہ وہ شعیب ملک کی بیوی ہیں اور اُن کے مطابق شعیب اُن سے چیٹ کیا کرتے تھے اور جنوری تین 2002ء کو وہ شادی کے اٹوٹ رشتے میں بندھ گئے تھے۔

ہندوستانی میڈیا نے وہی کیا جو بندر ناریل ہاتھ میں آ جانے پر کرتا ہے۔ وہ ایک ہی خبر سے پورے ہفتے کھیلتے رہے۔ شعیب نے اپنی بیوی کو دھوکہ دیا اور شعیب کیسے یہ کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کہانی کو صرف ایک مظلوم ہندوستانی عورت کی نظر سے دکھاتے رہے شعیب کو ولن بنانے سے پہلے سچ کیا ہے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی۔

کچھ دِن پہلے شعیب جیسے ہی حیدر آباد دکن پہنچے وہاں کی پولیس نے اُن کا پاسپورٹ اور موبائل اپنے قبضے میں کر لیا کیونکہ اُن کے خلاف اُس خاندان کی طرف سے رپورٹ درج تھی۔ شعیب ایک پاکستانی ہیں ایک فائٹر ہیں اور اُنہوں نے وہ کیا جو سچ میں ایک ہیرو ہی کر سکتا ہے یعنی پورے ہندوستانی پریس کا سامنا جس میں اُنہوں نے بتایا کہ عائشہ صدیقی نامی لڑکی اُن سے چیٹ کرتی تھی اور اُن کو غلط تصویر بھیج کر فون پر نکاح بھی کر لیا لیکن وہ تصویر والی لڑکی سے کبھی نہیں ملے۔ جو جھوٹ پر مبنی ہو وہ شادی نہیں ہوتی اِس کے باوجود شعیب نے اپنا نام ہر غلط خبر سے صاف کرنے کے لئے اپریل سات 2010ء کو عائشہ صدیقی کو طلاق دے دی اور عائشہ کے گھر والوں نے پولیس کیس واپس لے لیا۔ شعیب نے پولیس اور پریس سے ڈرے بغیر سچ کا سامنا کیا اور ثانیہ مرزا کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

ہندوستانی پریس آج خاموش ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ ہندوستانی فلم میکرز ضرور مصروف ہوں گے ''اس کہانی کو اسکرین تک پہچانے کیلئے۔'' اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ اصل ہیرو کو ہیرو دکھائیں گے یا پھر انڈین پریس کی طرح شعیب کو نا یک نہیں کھل نا یک بنا کر پیش کریں گے۔

□ □ K □ □

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیسے سے آپ کی زندگی میں خوشی آتی ہے اب آپ کہیں گے کہ یہ تو آپ کو پتہ تھا۔ پھر اِس میں نیا کیا ہے؟ تو اس میں نیا یہ ہے کہ پیسے سے زندگی میں خوشی آتی تو ہے لیکن صرف اُس وقت تک جب وہ پیسہ آپ کے پاس ہے لیکن اتنا ہی پیسہ آپ کے پڑوسی کے پاس نہیں۔ نہیں سمجھے؟ آیئے آج ہم آپ کو پیسے اور خوشی کا رشتہ سمجھاتے ہیں۔

امریکہ دنیا کا سب سے امیر ملک ہے اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے جو حیرت کی بات ہے وہ یہ کہ پھر بھی امریکہ خوش نہیں ہے، ایک نئی اسٹڈی جس میں دنیا کے کئی ملکوں کو شامل کیا گیا ہم کو یہ بتاتی ہے کہ امریکن قوم بے شک دنیا کی باقی سارے ملکوں کے لوگوں سے زیادہ کماتی ہے لیکن وہ سب سے زیادہ خوش قوم نہیں ہے۔ چلئے اس اسٹڈی اور خوشی کی مزید جڑ تک پہنچتے ہیں۔

خوشی کو دو طرح سے ناپا جاتا ہے ایک تو زندگی میں کلی اطمینان اور دوسرا آپ کی روزمرہ زندگی میں لمحہ لمحہ لطف اندوز ہونا جیسے چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہونا مسکرانا۔ اِس روزمرہ خوشی کا تعلق آپ کی سوچ آپ کے ملنے والے جیسے آپ کے دوست رشتے دار اور آپ کی دِن بھر کی مصروفیات سے ہوتا ہے۔

اس اسٹڈی کے حساب سے امریکہ جہاں کے لوگ سب سے زیادہ کماتے ہیں ''مکمل سکون'' کی فہرست میں سولہویں نمبر پر آتے ہیں اور زندگی کو انجوائے کرنے میں اور بھی نچلے نمبر یعنی چھبیس پر آئے جبکہ سب سے زیادہ خوش قوموں میں ڈنمارک اور نیوزی لینڈ آئے۔

بیشتر لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ زیادہ پیسے سے انسان زیادہ خوش رہ سکتا ہے جب کہ یہ بات کچھ حد تک سچ ہے لیکن کئی سال سے ہو رہی اسٹڈی کا نتیجہ یہ بتاتا ہے کہ پیسہ خوشی کی گارنٹی نہیں دیتا۔ یہ صحیح ہے کہ پیسے سے آپ زندگی میں کافی حد تک سکون حاصل کر لیتے ہیں لیکن پیسے کا تعلق روزانہ کی زندگی میں خوش اور مطمئن رہنے سے نہیں ہے۔ یہ خوشی اور اطمینان ہی مطمئن رہنے کی سب سے بڑی وجہ ہے اگر آپ ایک طویل المعیاد منصوبہ بنائیں یا کوئی مہنگی چیز خریدنا چاہیں تو ہاں پیسہ مدد کرتا ہے لیکن خوشی بلکہ سچی خوشی کا دارومدار مثبت سوچ اور آپ کے آس پاس رہنے والے لوگوں پر ہوتا ہے۔

کئی اکنامسٹ کا بھی یہی ماننا ہے کہ پیسے سے خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن صرف، اس وقت تک جب تک ایک شخص غریب ہے۔ ایک غریب آدمی کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتے ہی اُس کی خوشی کا فوکس بدل جاتا ہے ساتھ ہی پیسے سے خریدی خوشی تھوڑی دیر ہی ہوتی ہے کیونکہ پیسے سے خریدی چیزیں آپ کے لئے اُس وقت تک بہت قیمتی ہوتی ہیں جب تک پڑوس میں رہنے والے غفور صاحب بھی وہی چیز یا اُس سے بہتر نہیں خرید لیتے۔

محلے میں ایک بچے کیلئے کوئی کھلونا اُس وقت تک قیمتی ہوتا جب تک وہ صرف اُس کے پاس ہوتا ہے لیکن جیسے ہی وہ کھلونا محلے کے دوسرے بچوں کے ہاتھ میں بھی نظر آتا ہے بچے کے ذہن میں کھلونے کی ویلیو کم ہو جاتی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسٹڈی کے مطابق یہ سلسلہ بچپن میں ہی ختم نہیں ہوجاتا بلکہ اِنسان کی نفسیات ہمیشہ ایسی ہی رہتی ہے اور یہی امریکہ کا مسئلہ ہے یہاں اگر کوئی شخص مہنگی برانڈ نیو گاڑی خریدے تو کچھ دِن میں وہی گاڑی اُس کے آس پاس رہنے والے لوگ بھی لے لیتے ہیں اور اُس گاڑی کی قدر کم ہوجاتی ہے۔

اِنسان کی نظر سوسائٹی میں موجود اُس شخص پر جمی ہوتی ہے جو اُس سے زیادہ کمارہا ہوتا ہے سائیکل والا گاڑی والے پر رشک کرتا ہے گاڑی والا اُس سے بڑی گاڑی والے پر اور وہ جہاز والے پر ہر آدمی کچھ بھی کمائے وہ کمائی۔ اس لئے پھیکی معلوم ہوتی ہے کیونکہ انسان کی فطرت کہتی ہے کہ دیکھو اُس کے پاس تم سے زیادہ ہے۔ اگر پیسہ خوشی لاتا تو امریکہ میں رہنے والے خوش قوموں کی لسٹ میں سولہویں نمبر پر نہیں پہلے نمبر پر ہوتے۔ خوش رہنے کیلئے پیسے سے زیادہ اہم مثبت سوچ ہے اگر آپ پازیٹو سوچ رکھتے ہیں تو آپ زندگی کو بہتر انجوائے کر پائیں گے زیادہ خوش رہ پائیں گے۔

ایک دوسری اسٹڈی یہ بتاتی ہے کہ آپ اپنی زندگی میں پانچ ایسی عادتیں اپنا سکتے ہیں جس سے یقیناً آپ روزمرہ کی زندگی میں زیادہ خوش رہ پائیں گے۔

سب سے پہلے آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کی عادت ڈالیں۔ اسٹڈی میں شامل لوگوں نے خطوط لکھ کر ایسے لوگوں کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے زندگی میں کبھی نہ کبھی اُن کی مدد کی تھی۔ حیرت انگیز طور پر خطوط لکھنے والے سب ہی لوگوں نے خط لکھ کر خوشی محسوس کی، چاہے وہ خط بھیجا یا نہیں۔

دوسری چیز۔ ہر بات کا پازیٹو یعنی مثبت پہلو دیکھنا۔ کل کس نے دیکھا ہے؟ لیکن اگر آپ آنے والے کل کو بہتر تصور کریں تو یقیناً آپ کی زندگی بہتر ہوگی۔ کل مجھے بہتر جاب مل سکتی ہے، آنے والے کل میں ملک کے حالات بہتر ہوسکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

تیسری۔ اپنے اوپر اللہ کی عنایات شمار کرنا، اسٹڈی میں شامل ہر اُس شخص نے زیادہ خوشی محسوس کی جس نے ہفتے میں کم از کم تین ایسی چیزوں کو شمار کر کے لکھا جو اللہ نے اُسے عطا کی ہوں۔

چوتھی۔ یہ کہ اپنے آپ کو مضبوط سمجھتے ہوئے اپنی شخصیت کی کسی اچھی بات کو اُجاگر کریں اور استعمال کریں، اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ کا سینس آف ہیومر (حسِ مزاح) اچھا ہے تو اُس سے کسی غمزدہ شخص کو خوش کرنے کی کوشش کریں۔

پانچویں چیز۔ ''اچھائی'' کریں جو ہمارا مذہب بھی ہم کو سکھاتا ہے اگر خیرات کر سکتے ہیں تو ضرور کریں اِس سے آپ دوسرے کو ہی فائدہ نہیں پہنچائیں گے بلکہ اُس سے آپ خود کو بھی مطمئن محسوس کریں گے۔

اِن سب ہی چیزوں سے ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ پیسے سے خوشی حاصل ہوسکتی ہے لیکن عارضی اگر آپ سچ میں زندگی کو بغیر پیسے کی فکر کئے خوش دیکھنا چاہتے ہیں تو اوپر بیان کی گئی پانچ چیزوں کو اپنالیں یا پھر دُعا کریں کہ پڑوس میں رہنے والے غفور صاحب کی کبھی اتنی حیثیت نہ ہوسکے کہ وہ بھی ہماری جتنی بڑی گاڑی خرید پائیں۔

□ □ K □ □

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ٹپ ٹپ برسا پانی

پچھلے ہفتے میں ہر اخبار کی سرخیوں میں پھر نظر آ رہا تھا میں سال میں ایک یا پھر کبھی کبھی دو تین بار ساون کے موسم میں پچھلے کچھ سالوں سے اخباروں کے فرنٹ پیج پر نظر آتا ہوں شہر کے سب ہی بڑے اخبار میری تصویر چھاپتے ہیں جس تصویر میں میں موٹر بائیک پر سوار اُس سڑک پر موجود ہوتا ہوں جس پر دو فٹ بارش کا پانی جمع ہوتا ہے۔ میں ہوں وہ کراچی شہر کا عام شہری جو ہر سال یہ خبر ملتے ہی کہ سمندری طوفان آنے والا ہے فوراً سمندر کے کنارے پہنچ جاتا ہوں۔ سنا ہے فائر فائٹرز کا کام دنیا میں مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے یعنی جہاں سے لوگ بھاگو بھاگو کی آوازیں لگاتے نکل رہے ہوتے ہیں وہاں فائر فائٹرز اندر جانے کی کوشش میں ہوتے ہیں لیکن فائر فائٹرز کو پوری ٹریننگ دی جاتی ہے اِس کام کے ساتھ ہی اُن کے لباس اور ہاتھوں میں موجود آگ بجھانے کے آلے اُن کی جان محفوظ رکھنے کی تھوڑی ضمانت تو دیتے ہی ہیں۔ لیکن میں فائر فائٹرز سے زیادہ بہادر ہوں یہی لگتا ہے دنیا کو کیونکہ میں کسی بھی طرح کی تیاری کے بغیر تیزی سے میری طرف آتے ہوئے خطرے کے سامنے پاؤں جمائے کھڑا رہتا ہوں شہر میں طوفان آنے والا ہے پتہ لگتے ہی میں گیلی سڑک پر دو پہیوں کی موٹر بائیک کو سنبھالتے دوپٹے کی چپل پہنے تیز بارش میں آتے ہوئے طوفان کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے سمندر کے کنارے کھڑے اُس کا انتظار کرتا ہوں۔

پچھلے ہفتے جمعے کے دِن اُس وقت رات کے نو چالیس ہو رہے تھے کراچی وہ شہر جو رات کو جاگتا ہے اُس رات سنسان تھا۔ ہر طرف سڑکیں خالی تھیں لیکن کراچی کے ساحل پر منظر کچھ اور تھا وہاں رونق لگی ہوئی تھی میری طرح سینکڑوں لوگ سمندری طوفان کو دیکھنے آئے ہوئے تھے جو سنا تھا کسی وقت بھی کراچی کے ساحل کو چھو سکتا ہے۔

ہر سال ایسا ہی ہو رہا ہے لوگ سمندر پر جمع ہوتے ہیں طوفان تو نہیں آتا لیکن اِس گرم خبر کی رپورٹیں لینے ٹی۔ وی اخبار والے وہاں موجود مختلف منظروں کی تصویریں لے رہے ہوتے ہیں اگلے دِن طوفان کے خطرے کی خبروں اور درجن بھر تصویروں کے ساتھ کہیں کہیں میری تصویر بھی نظر آتی ہے۔ تصویر کے ساتھ اِس طرح کی سرخیاں کہ ''کراچی والے بڑے دِل والے ہیں جو اِس طوفان کی خبر سن کر سمندر کنارے پہنچ گئے اسے دیکھنے'' یا پھر ''کراچی والے کسی سے نہیں ڈرتے'' وغیرہ وغیرہ۔

وہ دوسرے ملک جن کے ساحل پر طوفان کا خطرہ ہوتا ہے وہاں کے شہر کے شہر خالی ہو جاتے ہیں لیکن کراچی والے سینہ تانے سی ویوز پر کھڑے اُس طوفان کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں یہی تصویر دکھائی جاتی ہے میری اخباروں میں، دنیا کے وہ دوسرے ملکوں میں رہنے والے لوگ یا پاکستانی ہی جو میری اِس خبر کو پڑھ کر حیران ہیں یا پھر سمجھ رہے ہیں کہ میں بہت بہادر ہوں کہ اِس طوفان کا مقابلہ کرنے پہنچ گیا ہوں تو یہ اُن کی غلط فہمی ہے۔

میری اِس بہادری کی پہلی وجہ ہے میری زندگی میں کچھ بھی نیا نہ ہونا کچھ بھی ایسا نہ ہونا جس میں میں ہر تکلیف بھلا کر صرف کوئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایکسائٹ منٹ محسوس کرسکوں وہی صبح سے شام ہوتے دِن گزرتا ہے اسی طرح ہفتے پھر مہینے اور بند مٹھی میں ریت کی طرح سالوں نکل جاتے ہیں میں اسی طرح زندگی کی بنیادی ضرورتوں کے حصول کی جدوجہد میں لگا رہتا ہوں اگلے مہینے کے کرایے اور بچوں کی فیس کے آگے میری سوچ جاتی ہی نہیں۔

پبلک پارک ہیں نہیں جو تھوڑے بہت ہیں وہ گندے ہیں یا کم ہونے کی وجہ سے اُن میں اتنا رش ہے کہ ایک عام آدمی پارک میں کھلی فضا میں آزاد محسوس کرنے کے بجائے خود کو بھیڑ میں گھرا محسوس کرتا ہے، بچوں کیلئے پلے لینڈ جیسی جگہیں صرف امیروں کے بچوں کے لئے ہے کچھ ہزار روپے کی تنخواہ جس میں مجھے اپنے پورے مہینے کا خرچہ چلانا ہے ایک شام کی تفریح کے لئے اگر ہزار اور دو ہزار نہیں خرچ کرسکتا تو کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں میرے بچے جا کر تفریح کرسکیں جیسے وہ بچے کرتے ہیں جن کے ماں باپ لاکھوں روپے کمارہے ہیں۔

میرا طوفان آتے سمندر پر اُسے دیکھنے پہنچ جانے کی صرف وجہ یہ نہیں کہ میری زندگی میں کوئی تفریح نہیں اِس کی کئی اور وجوہات بھی ہیں، ہر سال جیسے ہی طوفان کی خبر آتی ہے مجھ سے ملک کے سارے بڑے سیاستدان کہتے ہیں طوفان آرہا ہے اپنے گھر میں کھانے پینے کی چیزیں جمع کر کے رکھ لو ساتھ ہی مارکیٹ میں ہر چیز کی قیمت میں اِضافہ ہوجاتا ہے میری آمدنی مجھے اتنی طاقت نہیں دیتی کہ میں پورے ہفتے کا سامان لے کر گھر میں رکھوں ہمارے وہ سیاستدان جنہوں نے پوری دنیا گھومی ہوئی ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ پاکستان میں رہنے والی ایک متوسط فیملی دِن میں دو ڈالر سے بھی کم کماتی ہے ہمیں طوفان آنے پر ایسے مشورے دیتے ہیں جیسے ہم امریکہ یا انگلینڈ میں رہتے ہوں۔

ہاں یہ اچھا ہوتا اگر سیاستدانوں کو شہر کے اُن غریبوں کا خیال ہوتا جن کے گھر کچے ہیں اور طوفان آنے سے پہلے ہی وہ انہیں ایسی جگہوں پر منتقل کردیتے جہاں کم سے کم آپ کا تھوڑا سا سامان اور جانیں محفوظ ہوجاتیں، مغرب میں یہ بہت ہی عام سی بات ہے کہ ایمرجنسی آجانے پر کوئی اِنتظام نہ ہو تو حکومت بند اسکولوں کو کھلوا کر لوگوں کو وہاں پناہ دینے کا انتظام کردیتی ہیں لیکن پاکستانی حکومت طوفان آتا دیکھ کر مجھ سے کہتی ہے ''طوفان آرہا ہے اپنا خیال رکھنا۔''

بجلی والوں کو بجلی بند کرنے کا ایک اور بہانہ مل جاتا ہے کرنٹ نہ لگ جائے کسی کو یہی بتائی جاتی ہے وجہ بجلی بند کرنے کی۔ یہ نہیں کہ ہماری بجلی کا سسٹم اِس قابل ہی نہیں کہ طوفان یا بارش کو برداشت کرسکے آسمان سے پانی برستا ہے اور ساتھ ہی سمندر سے بھی خطرہ، پانی پانی ہوتے شہر میں لوگوں کو پانی کی قلت اِس لئے ہوتی ہے کیونکہ بجلی سے چلنے والی موٹر اب کام نہیں کررہی یا پانی کا وہ ٹینکر جس کی وجہ سے ہمیں پانی نصیب ہوتا تھا اب طوفان کی وجہ سے نہیں پہنچ پائے گا جب اِتنا کچھ بگڑ چکا ہوتا ہے طوفان کی صرف خبر سے ہی تو مزید کیا بگاڑے گا یہ طوفان ہمارا اِسی لئے جا کھڑا ہوتا ہوں میں اُس کے سامنے۔

یہ میری طرف آتا ہوا طوفان مجھے احساس دلاتا ہے میرے مجبور ہونے کا۔۔۔ میری مشکل زندگی کو اتنا خالی کردیتا ہے یہ طوفان کہ مجھ میں ہمت آجاتی ہے اِس کا سامنا کرنے کی اپنے اندر سما لینے کی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جولی میں دل ہے میرا

کوئی ڈیڑھ سال پہلے کی بات ہے انجلینا جولی ہمارے سامنے موجود تھیں۔۔۔کسی فلم کے بڑے اسکرین پر نہیں سچ مچ والی انجلینا ہمارے سامنے تھیں لیکن سامنے ہونے کے باوجود سچوئشن فلمی ہی تھی اور وہ ایسے کہ انجلینا نے روڈ پر چلتے ایک تیز ٹرک سے چھلانگ ماری اور سڑک پر موجود ایک موٹر سائیکل پر چڑھ کر تیزی سے ہمارے سامنے سے گزر گئیں یہی کچھ بار بار ہو رہا تھا اور ہم بار بار اُن کو اِس کمال کے اسٹنٹ کرنے پر مبارک باد دینے آگے بڑھتے لیکن وہاں پر موجود کریو ہمیں روک دیتا۔

یہ بات ہے نیویارک میں ہونے والی فلم ''سالٹ'' کی شوٹنگ کی جو حال ہی میں ریلیز ہوئی ہے اور انجلینا اُس دِن وہاں اِس فلم کا ایک سین شوٹ کر رہی تھیں اور ہم ہزاروں کی بھیڑ میں کھڑے اُنہیں سراہا رہے تھے۔کیا بات ہے انجلینا کی۔۔۔ہم دِل ہی دِل میں سوچ رہے تھے اور اُنہیں سامنے سے دیکھ کر خوشی اس لئے بھی ہو رہی تھی کہ وہ ایک فلم کی شوٹنگ کرنے کچھ عرصے پہلے پاکستان بھی گئیں تھیں اور اپنے کئی انٹرویوز میں اُنہوں نے کہا تھا کہ وہ پاکستان کو اپنے دِل سے بہت قریب محسوس کرتی ہیں۔

اُس دِن وہاں شوٹنگ ہوتے وقت وہاں کھڑے پاکستانی صرف ہم تھے۔۔۔اُس پاکستان کے پاکستانی جو۔۔۔جی ہاں انجلینا کے دل کے بہت قریب ہے۔اب کوئی ہمیں اتنا پیار دے تو ہم اُسے کیسے ٹھکرائیں اس لئے ہم نے بھی انجلینا کو دِل دینا مناسب سمجھا اور سب پاکستانیوں کی طرف سے اُنہیں اپنے دِل میں بسالیا۔ہر جگہ ہر بار جب بھی انجلینا کی کوئی تصویر،خبر،مووی ٹریلر،ٹی۔وی،میگزین یا سڑک پر کسی بل بورڈ پر نظر آئی تو ہم نے دِل لگا کر اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھا ہماری اور انجلینا کی کہانی خوشگوار چل رہی تھی۔پھر آئی امتحان کی گھڑی ہم پر اور انجلینا پر۔۔۔ہم پر اللہ تعالیٰ کا امتحان پاکستان میں جگہ جگہ سیلاب۔۔۔دنیا بھر سے امداد آئی سب نے ہمارے زخموں کو ''ایڈ'' سے بھرنے کی کوشش کی لیکن کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو ایڈ یا پیسے سے نہیں بلکہ اپنوں کا ہاتھ تھام لینے سے بھرتے ہیں۔

انجلینا کا امتحان تھا کہ کیا وہ اِس مشکل وقت میں ہمارا ہاتھ تھامنے اپنی تمام مصروفیت چھوڑ کر پاکستان آئیں گی؟

وہ علاقہ جہاں ہر چیز بہہ گئی تھی جہاں کی زمین دریا بن گئی تھی وہاں کسی کا بھی جانا ناممکن تھا کئی ایسی جگہیں تھیں جہاں مدد کیلئے ریسکیو ٹیمز بھی نہیں پہنچیں تھیں اور باہر کے اپنوں کا آنا تو دور کی بات،اپنے جو اپنے ملک میں موجود تھے سیلاب کا سنتے ہی امریکہ،انگلینڈ کی فلائٹس پکڑنے لگے لیکن انجلینا تو پیار کی پکار تھی اُنہیں تو آنا ہی تھا۔

پاکستان کے حالات خراب ہیں اس لئے وہاں جا کر کام نہیں کریں گے یہ ہم نے کئی بالی وڈ اور ہالی وڈ اسٹارز کو کہتے سنا ہے۔بہت سیکورٹی میں شوٹنگ تو دور کی بات انجلینا پاکستانیوں کا دِل میں پیار لئے سیلاب کا سنتے ہی پاکستان پہنچ گئیں اپنی فلم ''سالٹ'' کے لندن پریمیر میں انہوں نے صرف ایک ہی بات کہی تھی کہ ''پاکستانیوں کی مدد کریں'' اور کچھ دن میں کرتا شلوار اور دوپٹہ پہنے ہمارا ہاتھ تھامنے انجلینا ہمارے گھر آ گئیں یعنی ہمارا گھر۔۔۔پاکستان۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاکستان آ کر انجلینا نے کئی سیلابی علاقوں کا دورہ کیا۔ جہاں لوگوں کو مدد کی سخت ضرورت تھی۔ پاکستان کے کئی علاقوں میں سفر کرنا اس وقت مشکل ہے لیکن انجلینا نے کیا اور وہ کچھ دیکھا جو پاکستانیوں نے خود بھی نہیں دیکھا۔ اِسی طرح انہوں نے ہمارے وزیراعظم میں بھی وہ کچھ دیکھ لیا جو آج تک کسی پاکستانی نے بھی نہیں دیکھا۔

انجلینا کو گیلانی صاحب ''الپا چینو'' لگتے ہیں یعنی ہالی وڈ اسٹار۔

انجلینا جولی جب وزیراعظم پاکستان جناب یوسف رضا گیلانی سے ملیں تو اُن کی خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ اُنہوں نے کہا گیلانی صاحب ہالی وڈ کے لئے بالکل فٹ ہیں۔ اتنے فٹ کہ انہیں ہالی وڈ میں ضرور ٹرائی کرنا چاہیے۔ یہ آفر کرتے ہی انجلینا نے اپنے بیان میں اضافہ کیا کہ وہ پاکستان کی عوام کے لئے بہتر کام کر رہے ہیں بے شک انجلینا نے صحیح کہا گیلانی صاحب کی پرفارمنس یہاں بھی کسی ہالی وڈ فلم سے کم نہیں ہے۔

انجلینا کے اِس بیان کے بعد پاکستانی سیاستدانوں میں کھلبلی مچ گئی ہمارے یہاں تو ایک دوسرے کی گدی کھینچنے کے لئے مرنے مارنے کے لئے تیار ہوتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ گیلانی انجلینا کو متاثر کر کے ہالی وڈ میں کام کرنے لگیں اور باقی سیاست داں پیچھے رہ جائیں۔ ہمارے ملک میں سیاسی بیک گراؤنڈ نہ ہونے کے باوجود بھی صرف ایکٹنگ کے سہارے لوگ لیڈرز بن بیٹھے ہیں تو پھر یہ ہالی وڈ والا چانس گیلانی کو کیوں اور دوسروں کو کیوں نہ ملے؟

آج کل ایکٹر بننے کے لئے صرف ٹیلنٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس کے لئے آپ کو صحیح لوگوں سے صحیح تعلقات بھی بنانے پڑتے ہیں، ہمارے سب ہی سیاستداں ایکٹنگ کے معاملے میں کسی رابرٹ ڈی نیرو اور جان ٹری وولٹا سے کم نہیں ہیں سبھی کمال کے اداکار ہیں لیکن آگے وہی بڑھے گا جس کے ہالی وڈ میں صحیح کنکشن ہوں، سب نے اپنی سی پوری کوشش کی انجلینا سے دوستی کرنے کی اور یہیں ہماری ''میں نے پیار کیا''، ''دیوداس'' ہوگئی۔

انجلینا پاکستان سے سخت ناراض ہیں، پاکستان سے واپس امریکہ آ کر اُن کی دی گئی رپورٹ میں اُنہوں نے پاکستان کو بہت برا بھلا کہا ہے اُن کے مطابق وہ حیران رہ گئیں کہ جب صدر کی پوری فیملی اُن سے ملنے اپنے پرائیوٹ جہاز میں آئی اور انجلینا کو بہت مہنگے تحفے بھی دیئے۔ ساتھ ہی بقول اُن کے وہ صدراتی محل میں دی گئی دعوت میں بھی بہت شرمندہ ہوئیں۔ پاکستان میں لوگ ایک مٹھی چاول کے لئے ترس رہے ہیں اور سیاستدانوں کے گھروں میں کھانوں کی ڈشوں کا حساب ہی نہیں، اُنہوں نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی کہا کہ اگر پاکستان کو مدد کی ضرورت ہے تو باہر سے ایڈ مانگنے کے بجائے اپنے سیاستدانوں کی عیاشیوں پر خرچہ کرنا بند کریں۔

اِس رپورٹ کے بعد ہمیں یقین ہے کہ انجلینا ہم سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہیں گی اور یہ ہماری پریم کہانی کا ''دی اینڈ'' ہے۔۔۔ بس اِس آخری موڑ پر مہنگے گفٹس۔۔۔ یہ بڑی بڑی گاڑیاں اور درجنوں کھانوں والی دعوتیں اُنہیں امپریس کرنے کے لئے تھیں۔ ناراض کرنے کے لئے نہیں۔ ہم نے تو میٹھے کے لیے چینی ڈالی تھی۔ وہ میٹھا شاید زیادہ ہوکر زہر ہوگیا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

K

چڑیا بولے چوں چوں

میرے کتے کا نام شاہ رخ ہے، یہی لکھا تھا عامر خاں نے اپنے انٹرنیٹ بلاگ پر پچھلے سال جنہیں کچھ ہی دِن پہلے انڈیا کا سب سے بڑا ایوارڈ پدم شری پیش کیا گیا ہے۔ اب آپ شاید پوچھیں گے بلاگ کیا؟ اور کتے کا نام شاہ رخ کیوں؟ تو بلاگ تو ہم آپ کو اگلے پیرگراف میں بتا دیتے ہیں لیکن دوسرے سوال کا جواب تو آپ کو مسٹر ایڈیٹ یعنی عامر خان ہی دے سکتے ہیں۔

ویب لاگ یعنی کمپوٹر پر اپنی خود کی ڈائری لکھنا جو انٹرنیٹ کے ذریعے پوری دنیا پڑھ سکتی ہے۔ ویب لاگ کا سلسلہ جیسے ہی شروع ہوا اِس کا نام بہت جلد چھوٹا ہو کر ''بلاگ'' ہو گیا اور عام لوگوں کی طرح کئی ہالی وڈ اسٹارز بھی انٹرنیٹ پر اپنے بلاگ لکھنے لگے۔ میں کیا سوچتا ہوں کس بات پر خوش ہوں یا غمگین۔ اِس طرح کی باتوں کے علاوہ ایکٹرز، ڈائریکٹرز اور رائٹرز اپنی آنے والی فلموں اور کتابوں کے بارے میں مستقل بلاگ پر رابطہ رکھتے اور اسطرح لوگوں سے ڈائریکٹ کانٹیکٹ میں رہتے ہیں۔

امیتابھ بچن نے ہندوستان میں کئی نئے ٹرینڈ شروع کیے، ٹی۔ وی شروع کیا تو سب نے کہا وہ غلطی کر رہے ہیں لیکن کون بنے گا کروڑ پتی کا صحیح جواب تھا AB یعنی امیتابھ بچن، امیتابھ نے ٹی۔ وی کر کے سب کو غلط ثابت کر دیا کہ فلمی ستاروں کی چھوٹے پردے پر حیثیت کم ہو جاتی ہے، ٹی۔ وی کے بعد امیتابھ نے پچھلے ڈیڑھ سال سے بلاگ بھی لکھنا شروع کر دیا۔

پوری فلم انڈسٹری حیران تھی۔ ''نہیں، نہیں بلاگ نہیں لکھنا چاہیے اِس سے اسٹار عام آدمی لگے گا۔'' کچھ نے امیتابھ بچن کو دیکھا دیکھی بلاگ شروع بھی کیا جیسے کتوں کا ذکر کرتے عامر خاں یا پھر شعلے کو آگ بناتے فلم ڈائریکٹر رام گوپال ورما، فرح خاں اور اکشے کمار وغیرہ لیکن کوئی بھی اپنے بلاگ کو اتنا ٹائم نہیں دے پاتا جتنا امیتابھ، دِن میں ایک دو اور کبھی تو تین بار تک امیتابھ اپنے بلاگ کو اپ ڈیٹ کرتے ہیں ساتھ ہی بلاگ کے جواب میں امیتابھ کے فین ہزاروں کی تعداد میں اُنہیں جواب بھی لکھتے ہیں یعنی جہاں دوسرے اسٹارز کو لوگ درجنوں یا سینکڑوں خط لکھتے ہیں وہیں امیتابھ کو لوگ ہزاروں کی تعداد میں بلاگ کے ذریعے دِن میں کئی کئی بار لکھتے ہیں۔

''میں بہت مصروف ہوں کہ بلاگ لکھوں۔'' یہی کہا تھا شاہ رخ خاں نے اور شاہ رخ خان ہی کیوں زیادہ تر اسٹارز کی امیتابھ کے بلاگ لکھنے کے بارے میں کچھ ایسی ہی رائے تھی کہ ہم اتنے زیادہ مصروف ہیں کہ دِن بھر میں تو کیا ہفتے میں ایک بار بھی لکھنے کا وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔ اگر ایک کرکٹ کا کھلاڑی ایک ہاتھ سے بلا پکڑ کر بیٹنگ کرے تو یقیناً باقی کھلاڑی اُسے غلط کہیں گے کچھ شاید اُسے پاگل بھی سمجھیں لیکن اگر ایک ہاتھ کی بیٹنگ سے اُسے دوسرے پلیئرز سے زیادہ فائدہ پہنچ رہا ہو، لوگ اُسے زیادہ پسند کر رہے ہوں تو پھر باقی پلیئرز بھی یقیناً ایک ہاتھ سے بیٹنگ کرنے کی کوشش ضرور کریں گے یہی ہوا ہالی وڈ میں امیتابھ بچن کے صبح شام لکھنے سے، لوگوں میں اُن کی مقبولیت کم نہیں ہوئی بلکہ بڑھ گئی جگہ جگہ اُن کے بلاگ کے بارے میں لکھا اور بات کی جاتی لیکن باقی انڈسٹری جو اپنی ڈائری یعنی انٹرنیٹ پر بلاگ لکھنے کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بارے میں کافی خلاف باتیں کر چکی تھی۔اب وہ سب کیا کریں؟

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے اور بالی وڈ اسٹارز کو اِس صورتحال میں ٹوئیٹر کا سہارا تھا''Twitter''2006ء میں بننے والی مائیکرو بلاگنگ سائٹ ہے جہاں آپ ایس ایم ایس اسٹائل بلاگ لکھ سکتے ہیں یعنی ہر پیغام ایک سو چالیس حروف سے زیادہ کا نہیں ہوسکتا،ٹوئیٹر کا آئیڈیا چڑیا کے چوچو کرنے سے نکالا گیا ہے یعنی چڑیا ایک جگہ''چوں چوں'' کرتی ہے یعنی ایک چھوٹی سی بات اور پھر اُڑ جاتی ہے اور دوسری جگہ جا کر چوں چوں کرتی ہے بس یہی کچھ لوگ ٹوئٹر پر کر رہے ہیں۔

فون پر انٹرنیٹ ہونے کی وجہ سے امریکہ سمیت یہ سائیٹ دنیا بھر میں بہت مشہور ہوگئی،ٹوئٹر پر لوگ بہت آسانی سے اپنے بارے میں دو لائنوں میں اپ ڈیٹ کر سکتے ہیں پوری دنیا میں،ٹوئٹر کی مقبولیت انفارمیشن اور خبروں کی وجہ سے بھی بہت بڑھ گئی۔

نائن الیون کے سانحے کے وقت یاہوڈاٹ کام وہ پہلی سائٹ تھی جس پر بلڈنگ پر حملے کی خبر آئی تھی،خبر آنے میں صرف نو منٹ لگے تھے اور سب حیران تھے کہ اتنی جلدی خبر کیسے آ گئی لیکن آج امریکہ میں الیکشن ہو یا ایران میں ٹوئٹر پر آپ کو ہر سیکنڈ تازہ ترین اطلاعات مل جاتی ہیں، لوگ اپنے فون، لیپ ٹاپ اور گھروں میں موجود کمپوٹر سے مستقل اپنے بارے میں اور اُن کے آس پاس کیا ہو رہا ہے بتاتے رہتے ہیں، میں بریک فاسٹ کر رہا ہوں یا پارک جا رہا ہوں وغیرہ۔

آج اُوباما بھی ہر تھوڑی دیر میں ٹوئٹر پر اپنا اسٹیٹس اپ ڈیٹ کر رہے ہیں لیکن ہمارے بالی وڈ اسٹارز کا مسئلہ اباما نہیں امیتابھ ہیں جن اسٹارز کے پاس ہفتے میں ایک بار لکھنے کا وقت نہیں تھا آج کی تاریخ وہ دِن میں درجن بار ٹوئٹر پر لکھ رہے ہیں، بولی وڈ میں مختلف چیزوں کا موسم آتا ہے کبھی ایکشن فلموں کا تو کبھی فارن لوکیشنز کا یعنی جو چل جائے وہ ہٹ ہے اور آج کل ٹوئیٹر بالی وڈ میں زور وشور سے چل رہا ہے۔

شاہ رخ خان جن کے پاس پہلے بالکل وقت نہیں تھا آج دِن میں پندرہ سے بیس پیغامات روز ٹوئٹر پر لکھ دیتے ہیں''صبح کے چار بجے ہیں میں ابھی تک سویا نہیں ہوں۔''

''میری بیوی نے لال رنگ کا اسکارف پہنا ہوا ہے۔''یا پھر''میری نئی فلم آئی ایم خان ضرور دیکھئے گا۔''یعنی جو دِل میں آتا ہے وہ لکھ رہے ہیں یہاں تک کہ کسی دِن شاہ رخ خاں کم پیغامات لکھتے ہیں تو وہ اتنا زیادہ سوری کرتے ہیں جیسے ٹوئیٹر پر میسج پوسٹ کرنا اُن کے فرائض میں شامل ہو۔

جہاں شاہ رخ خان ہوں گے وہاں اُن کے دوست بھی ہوں گے جیسے کرن جوہر اور رتیش دیش مکھ بھی ٹوئیٹر پر موجود ہیں، میری فلم چل جائے۔جیسے پیغامات کرن جوہر بھی لکھ رہے ہیں ساتھ لیش چوپڑہ کے پینتالیس سالہ بیٹے جو پچھلے بیس سال سے کوشش کر رہے ہیں کہ لوگ اُنہیں کالج بوائے کے روپ میں سویکار کر لیں اب اپنی کامیابی کا بھاری بوجھ ٹوئیٹر کے کاندھوں پر ڈال چکے ہیں۔

وہ مثال تو آپ نے سنی ہوگی کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے وہ لیش راج اسٹوڈیو جس کی سیکورٹی وائٹ ہاؤس سے زیادہ سخت ہے وہاں کے منٹ منٹ کا حال اب اودے چوپڑہ ٹوئیٹر پر بتاتے رہتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ ٹوئیٹر کا بھوت کب تک بالی وڈ پر سوار رہے گا کچھ کہہ نہیں سکتے لیکن فی الحال آپ سچ مچ والے اسٹارز کا حال منٹ منٹ پر ٹوئیٹر پر معلوم کر سکتے ہیں۔

''نیویارک میں بارش ہو رہی ہے۔'' پوری دنیا کو معلوم ہوتا ہے لیکن جب یہی بات پریانکا چوپڑہ ٹوئیٹر پر لکھتی ہیں تو لوگوں کو یہ بارش اور بھی زیادہ اچھی لگنے لگتی ہے۔

امیتابھ بچن آج بھی اپنا بلاگ اُسی طرح لکھ رہے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے جب وہ لکھتے تھے کہ ابھیشک سو رہے ہیں تو وہ سچ مچ سو رہے ہوتے ہوں گے لیکن آج امیتابھ کے بلاگ میں سوتے ابھیشک ٹوئیٹر کے حساب سے چھپ چھپ کر امیتابھ کی طرح اپنے ٹوئیٹر بلاک پر میسج لکھ رہے ہوتے ہیں جب سارا ہی بالی وڈ ''بگ بی'' سے ریس میں لگا ہوا ہے تو ابھیشک کیوں پیچھے رہ جائیں۔

□ □ K □ □

خیال رکھنا

ایک لڑکا تھا کوئی تیرہ چودہ سال کا بنگلہ دیش میں پیدا ہوا تھا اور وہیں سے اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی پندرہ سال کی عمر میں وہ ڈھاکہ سے کراچی آ گیا۔ جیب خالی لیکن ہاتھ میں گٹار اور دِل میں لاکھوں ارمان۔۔۔ ایک میوزیشن ایک بڑا سنگر بننے کا۔ بڑا آدمی وہ ہوتا ہے جو خود پر یقین کر کے اپنی منزل کو پانے کے لئے اپنی راہیں خود بناتے منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ لڑکا شہر سے انجان تھا لیکن جانتا تھا کہ کراچی شہر ہی اُس کے خوابوں کی منزل ہے۔

پی ای سی ایچ ایس کے علاقے میں کرایے کے ایک چھوٹے سے کمرے میں رہتا اور شام میں طارق روڈ پر ایک کیفے۔ ''کیفے ڈی خان'' میں گانا گاتا۔۔۔ گانے کے اُسے پیسے تو نہ ملتے لیکن ایک وقت کا کھانا ضرور مل جاتا لیکن وہاں گانے کا مقصد کھانا یا کمانا نہیں تھا وہ اپنی گائیکی اور ہنر سے لوگوں کو لطف اندوز کرنا چاہتا تھا لوگ اِس کم عمر لڑکے کی پرفارمنس سے محظوظ ہوتے اور اُن لوگوں کے چہرے دیکھ کر اُسے اطمینان ہو جاتا کہ وہ اُنہیں اپنے آرٹ، اپنے فن سے خوش کر رہا ہے۔

ایک دِن اُس کیفے میں موجود کسی شخص نے اُسے پاکستان ٹیلی ویژن کے لئے گانے کا مشورہ دیا جہاں خوش بخت عالیہ ''فروزاں'' پروگرام کیلئے کوئی گٹارسٹ ڈھونڈ رہی تھیں۔۔۔ وہ لڑکا کراچی ٹی۔ وی پہنچا اور پورے دِل سے پروگرام کے پروڈیوسر اور کمپئر خوش بخت عالیہ شجاعت کو گٹار بجا کر سنایا۔ اُن لوگوں کو لڑکے میں ٹیلنٹ نظر آیا لیکن وہ پہلے ہی کسی اور کو پروگرام کے لئے گٹارسٹ کے طور پر منتخب کر چکے تھے۔

کہتے ہیں کہ انسان اگر اپنی سی پوری محنت کرے چاہے منزل اسے نہ بھی نظر آ رہی ہو لیکن اللہ اُس کی محنت اور لگن دیکھ کر اکثر اُس پر مہربان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوجاتا ہے۔ ''فروزاں'' میں تو وہ حصہ نہیں لے سکا لیکن برابر کے کمرے میں سہیل رانا اُس لڑکے کا گٹار سن رہے تھے۔ اُنہوں نے اُسے اپنے پاس بلایا اور بچوں کے پروگرام میں پرفارم کرنے کا موقع دیا۔

میوزک کی شکل صدیوں میں اور کئی سنگرز کی محنت سے بدلتی ہے لیکن یہ چھوٹا سا لڑکا وہ ہے جس نے ماڈرن اُردو سنگنگ میں پاکستانی پاپ کو اکیلے پاکستان میں متعارف کروایا۔ اِس لڑکے کا نام ہے عالمگیر جو ستر کی دہائی میں پی ٹی وی کے ذریعے پاکستان میں پاپ لایا۔ نازیہ، زوہیب اسّی کی دہائی میں اور نوے (90) کی دہائی میں وائٹل سائنز آئے لیکن اِس طرز کی میوزک کی بنیاد عالمگیر نے ہی رکھی ہے جب 1973ء میں ''البیلا راہی'' نے پاکستان میں راتوں رات شہرت کی بلندیاں پالی تھیں۔

عالمگیر وہ سیدھا سا لڑکا جسے اپنے ٹیلنٹ سے صرف لوگوں کو محظوظ کرنے کا شوق تھا وہ پہلا پاکستانی پاپ اسٹار تھا جس کی جھلک دیکھنے کیلئے کراچی میں لوگ جھیل پارک کے پاس کھڑے رہتے تھے کیونکہ عالمگیر روز شام وہاں سے اپنی لال گاڑی میں گزرتے تھے۔ اُنہوں نے اپنی مادری زبان بنگالی میں بھی کئی گانے گائے لیکن شہرت اُنہیں اُن کے اردو گانوں کی وجہ سے ملی، کئی ایسے گلوکار ہوتے ہیں جو ایک یا دو گانوں کی وجہ سے شہرت پاتے ہیں اور ساری زندگی انہی ایک دو گانوں کی وجہ سے لوگ انہیں یاد رکھتے ہیں لیکن عالمگیر کے ساتھ ایسا نہیں ہے، شام سے پہلے آنا، یہ شام اور تیرا نام، میں نے تمہاری گاگر سے، دیکھا نہ تھا کبھی ہم نے یہ سماں اور خیال رکھنا۔۔۔ اِس طرح کے کئی اور گانے، عالمگیر کے کئی گانے ایسے ہیں جو آج بھی موسیقی پسند کرنے والوں کے دل میں بسے ہوئے ہیں پاکستانی پاپ آج ایک پوری انڈسٹری ہے، کئی ٹی۔ وی چینلز اور نہ جانے کتنے سنگرز ایک ایک گانا میوزک چینلز پر بار بار دِن بھر دکھایا جاتا ہے اِس کے باوجود وہ گانے ہم کچھ ہی دِن میں بھول جاتے ہیں لیکن عالمگیر کے گانے چاہے برسوں سے نہ سنے ہوں پھر بھی اگر اُن کا کوئی گانا ٹی۔ وی پر آئے تو ہم خود بخود اُس کے ساتھ گنگنانے لگتے ہیں۔ آواز سے آواز ملا کر گانے لگتے ہیں ایسے جیسے وہ گانا کل ہی سنا ہو۔

پاکستان میں جہاں بہت سی اچھی باتیں ہیں وہاں ایک بُری بات یہ ہے کہ ہم آرٹسٹوں کو بہت جلدی بھول جاتے ہیں۔ نہ ہی ہمارے یہاں کوئی رائلٹی سسٹم ہے جیسا امریکہ یا دوسرے ملکوں میں ہے۔ رائلٹی یعنی ایک سنگر کا گانا ریڈیو ٹی۔ وی یا کسی پبلک مقام پر بجے گا اس کی رائلٹی ملے گی۔ عالمگیر کے ساتھ بھی وہی ہوا جو اکثر بڑے آرٹسٹوں کے ساتھ پاکستان میں ہوتا ہے۔ وقت گذرا اور اُن سے کم ٹیلنٹیڈ آرٹسٹوں نے اِن کی جگہ لے لی ہم عالمگیر کے گانے تو نہیں بھولے لیکن جیسے جیسے نئے پاپ گروپس اور سنگرز آتے گئے۔ عالمگیر ہم سے دور ہوتے گئے۔ کچھ سال پہلے وہ امریکہ شفٹ ہوگئے اور پاکستانی میوزک اُن سے مزید دور ہوگیا۔

کچھ دِن پہلے ہم کراچی کلب کے زیر اہتمام نیویارک میں ہونے والے عالمگیر بینیفٹ شو میں بیٹھے تھے وسیع و عریض ہال بھرا ہوا تھا۔ سب کو عالمگیر کا انتظار تھا اسٹیج پر کھڑی ہماری والدہ نیلوفر عباسی نے عالمگیر کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ عالمگیر کیلئے بینیفٹ شو نہیں بلکہ ہم سب کیلئے ''بینیفٹ شو'' ہے کہ آج ہم عالمگیر کو لائیو سن سکیں گے۔

بہت سی تالیوں میں عالمگیر اسٹیج پر آ گئے، ہال میں موجود ہر شخص کے دِل میں ایک ہی دُعا تھی۔ اسٹیج پر کھڑا ہمارا یہ لیجنڈری سنگر صحت یاب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہو جائے عالمگیر اِس وقت ایک بہت بڑی بیماری سے لڑ رہے ہیں جس کا نام ہے ''پولی سا یکیک کڈنی ڈیز یز'' اُن کے دونوں گردے نا کارہ ہو چکے ہیں۔ اُنہیں ہفتے میں تین دِن ڈائیالس (Dialysis) کروانا پڑتی ہے۔۔۔ اسِ وقت عالمگیر کو کڈنی ٹرانسپلاٹ کروانا ہے جس کیلئے اُنہیں پیسوں کی سخت ضرورت ہے۔ ہال میں بیٹھا ہر شخص وہاں گانا سننے نہیں بلکہ ٹکٹ خرید کر اِس بینیفٹ شو کا حصہ بننے آیا تھا۔

مائیک عالمگیر کے ہاتھ میں آیا اور کچھ ہی لمحوں میں عالمگیر نے ہال میں بیٹھے ہر شخص کو ایک بار پھر یقین دلا دیا کہ وہ ایک عظیم آرٹسٹ ہیں جب کہ وہ یقیناً بہت تکلیف سے گزر رہے ہوں گے اِس کے باوجود اُنہوں نے اُس دن بھی ویسا ہی پرفارم کیا جیسا وہ بیس سال پہلے کرتے تھے۔ ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا اُنہوں نے کئی گانے گائے اور وہ بھی ''لائیو''۔۔۔ عالمگیر کی پرفارمنس آج بھی کئی پاکستانی یوتھ پاپ سنگرز سے ہزار ہا درجے بہتر تھی۔

عالمگیر کو آج ہماری ضرورت ہے۔ پوری قوم کی لیکن وہ ہم سے کوئی اپیل نہیں کر رہے۔۔۔ ٹی۔ وی پر کوئی اشتہار نہیں چلا رہے کہ میری مدد کرو۔۔۔ میں تکلیف میں ہوں وہ آج بھی ہمیں اپنے گانوں سے محظوظ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اُسی پرفارمنس کی مدد سے اپنے علاج کے پیسے جمع کر رہے ہیں لیکن یہ ہمارا فرض ہے کہ عالمگیر کا ساتھ دیں۔ اُن کیلئے، اُن کی کڈنی ری پلانٹ کیلئے جو کچھ بھی ہو سکتا ہے کریں۔ وہ آواز جس نے ہمارے ماضی میں ہمیں کئی اہم یادیں دی ہیں ہم کو آج اُس آواز کے بہتر مستقبل کا خیال رکھنا ہوگا۔

□ □ K □ □

دل کی بات

بل کلنٹن نے کچھ عرصے پہلے اپنی آٹو بائیوگرافی لکھی جس کا نام تھا مائی لائف (My Life) کتاب بہت مشہور ہوئی بل کلنٹن اُس زمانے میں صدارت کی گدی سے اتر چکے تھے اور جارج ڈبلیو بُش جو اُس وقت کے صدر تھے مائی لائف آ جانے کے بعد خبروں میں کم اور بل کلنٹن زیادہ نظر آتے شاید بل کو خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ اُن کی کھلی کتاب جیسی زندگی پر کتاب لکھنے سے اُن کی شہرت میں اس قدر اضافہ ہوگا، کیلی فورینا سے نیویارک تک جگہ جگہ کتاب کی رونمائی کی گئی ہزاروں کی لائنوں میں لگ کر لوگ بل سے اُن کے آٹو گراف لیتے اور پھر اکثر وہ کتابیں ہزاروں ڈالر کی بکتیں کیونکہ اُن پر بل کے دستخط ہوتے، بل کا کتاب لکھنا ایک اچھا آئیڈیا تھا اور کسی بھی اچھے آئیڈیئے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ تو اِس کا جواب ہے کہ باقی لوگ بھی اُس آئیڈیے پر چل پڑتے ہیں۔

بل کے بعد سے امریکن سیاستدانوں میں کتاب (بائیوگرافی) لکھنے کا بہت رجحان ہو گیا، اگر آپ کا سیاسی کیریئر ختم ہو جائے تو فوراً ایک کتاب لکھ دیں اور پھر خبروں میں آ جائیں۔ بل کلنٹن نے اکثر کمال دکھائے ہیں مونیکا کے اسکینڈل کے باوجود نہ صرف صدر بنے رہنا بلکہ اگلا الیکشن بھی جیت لینا صرف بل کے ہی بس میں تھا اِسی طرح جتنی کامیابی اُن کی کتاب کو ملی ہے کسی بھی دوسرے امریکن سیاستداں کو نہیں ملی لیکن پھر بھی کتابیں لکھنا جاری ہے سارا پیلن جب نائب صدر نہ بن پائیں اور گورنر کی گدی سے ہاتھ دھو بیٹھیں تو اُنہوں نے بھی کتاب لکھ کر کئی لوگوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے بدلے لئے اور اُبامہ کے الیکشن کیمپن کے چیف نے بھی اپنی کتاب میں کئی حیران کن باتیں کیں اور اب باری تھی بُش کی۔

جارج بُش کبھی بھی خود کچھ کر پائیں گے اِس بات پر کچھ لوگوں کو شک ہے۔ جارج بش امریکہ کے وہ صدر ہیں جنہوں نے اپنے دور صدارت میں سب سے زیادہ چھٹیاں لیں کئی لوگوں کا ماننا ہے کہ جب بھی امریکہ کو صدر کی ضرورت پڑتی بُش کو شدید ''دباؤ'' کی شکایت ہو جاتی اور اپنا Stress دور کرنے کیلئے ویکشن پر دور جنگلوں میں نکل جاتے، کئی لوگوں کا تو یہ بھی ماننا ہے کہ بُش صدر اس لئے تھے کہ وہ بُش سینئر کے بیٹے ہیں اور ہر بڑی گدی پر اُن کے دوست بیٹھے تھے اور بُش جونیئر نے خود کبھی کوئی کام نہیں کیا ہے بلکہ جو بھی ہے دوسرے اُنہیں کر کے دیتے ہیں اِسی لئے جب بُش پر کتاب لکھنے کی باری آئی تو وہ کتاب جارج کی نہیں بلکہ لارا بُش کی تھی۔

آج کل امریکہ کے لوکل اخباروں میں لارا بُش کی کتاب کے چرچے ہیں کتاب کا نام ہے۔" Sopken From The Heart " یعنی ''دل کی بات'' اِس کتاب کو پڑھ کر لگتا ہے جیسے یہ ایک نہیں دو کتابیں ہیں جنہیں ملا دیا گیا ہے۔ ایک کتاب جس میں لارا کی شروع کی زندگی کا ذکر ہے اور دوسری جس میں بُش کے ساتھ وہائٹ ہاؤس میں زندگی گزارنے کی داستان۔

کتاب شروع ہوتی ہے لارا کے بچپن اور لڑکپن سے، لارا اپنی مڈلینڈ کی رہائش کا ذکر کرتی ہیں جہاں محلے کے بچے گلی میں آئس کریم والے کے آنے کا انتظار کرتے، ٹین ایجرز ڈرائیوان موویز اور ریسٹورنٹس میں ہینگ آوٹ کرتے جہاں لوگ ہر چھوٹی چیز میں خوشی ڈھونڈ لیتے پرانی سوچ رکھنے والے لوگ یہاں ایک ہی طرح کے گھروں میں رہتے اور ایک ہی انداز میں زندگی گزارتے وہاں کے لوگوں کے لئے چھ گھنٹے گاڑی چلا کر صرف ایک میلے کے لئے ڈیلس جانا کوئی بڑی بات نہیں تھی، لارا کی یادوں میں مڈلینڈ میں چلتی تیز ہوائیں ہیں۔ مڈلینڈ میں زندگی آسان تھی لیکن لارا کے گھر میں دکھ تھا کیونکہ لارا کے والد بہت دل سے ایک بیٹا چاہتے تھے لیکن تین بچے ضائع ہونے کے بعد لارا اُن کی واحد اولاد تھیں۔ لارا کو اپنے والدین کی تکلیف بچپن سے بہت ستاتی تھی۔ ماں باپ کے اِس بچپن والے غم کے علاوہ اُنہوں نے اِس سے بھی بڑی تکلیف دیکھی۔ اُن کی زندگی کا سب سے تکلیف دہ دِن نومبر چھ 1963ء تھا جب وہ سترہ سال کی تھیں اور ان سے ایک بہت بُرا کار ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا جس میں اُن کے ساتھ بیٹھا اُن کا دوست اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا لارا کی آنکھیں کلاس ٹو سے کمزور تھیں اور ایکسیڈنٹ کی وجہ اُن کی آنکھوں کی کمزوری بتائی جاتی ہے وہ حادثہ جس کے بعد کئی سال تک لارا کا ہر چیز سے یقین اُٹھ گیا تھا لارا جو ایک مثالی طالب علم تھیں اور اپنے گھر کا بہت خیال رکھتیں کچھ سالوں کیلئے تعلیم اور باقی سب چیزوں سے اُن کا دل اُچاٹ ہو گیا۔

کچھ سال گزرے لارا کی ملاقات بُش سے ہو گئی۔ کئی بار یہ لکھا جا چکا ہے کہ لارا اور بُش کیسے ملے، کیسے Opposites یعنی صنف مخالف ایک دوسرے کیلئے کشش رکھتے ہیں بُش ایک بہت ہی لاابالی زندگی کو بالکل سیریس نہ لینے والے انسان تھے۔ لارا بُش کی زندگی میں آئیں اور اُن کی زندگی بدل دی، بُش زندگی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگے اور لارا نے اُن کی شراب کی لت بھی اُن سے چھڑوا دی۔

پچھلے کچھ سالوں میں جگہ جگہ یہ لکھا جاتا رہا ہے کہ بُش کا کونڈولیزا سے افیئر چل رہا تھا اور لارا سے اُن کی طلاق تقریباً ہو گئی ہے لیکن اپنی کتاب ''دل کی بات'' میں شاید اپنے دِل کی سچی بات نہیں کہی اور اُنہوں نے اپنے اور بُش کے اختلافات کے بجائے اُن کے ساتھ گزارے اچھے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وقت کی بات کی ہے وہ اصرار کرتی ہیں اِس بات پر کہ وہ اور اُن کے میاں ایک مثالی جوڑا ہیں یعنی ''آئیڈیل کپل'' اور جگہ جگہ بغیر کسی تفاخر کے اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ کیسے وہ بُش اور اُن کی ٹوئن بیٹیاں بہت ہی نزدیک ہیں۔

وہ وہائٹ ہاؤس میں گزارے وقت کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ وہ وہاں محدود ہوگئیں تھیں کیسے وہ پوسٹ آفس میں ٹکٹ خریدنے کے لئے لائن میں کھڑی نہیں ہوسکتیں تھیں یا پھر اپنی بیٹیوں کے ساتھ شاپنگ سینٹر نہیں جاسکتی تھیں۔ وہ دوپہر کا وقت جب وہ عام دِنوں میں گروسری کررہی ہوتیں۔ اب وہ وہائٹ ہاؤس میں وقت اکیلے کتابوں کے ساتھ کاٹتیں جہاں لارا ایک طرف اپنی شادی سے پیار اور Comfort کی بات کرتی ہیں وہیں دوسری طرف وہ اپنے آپ کو تنہا بھی محسوس کرتی ہیں۔

لارا ٹیکسز میں شادی سے پہلے گزارے وقت میں بھی خود کو کہیں نہ کہیں تنہا محسوس کرتی ہیں جب وہ اسکول ٹیچر تھیں اور ایک بند دروازے کے پیچھے بیس بچوں کو پڑھاتی تھیں اُس کے بعد ستمبر گیارہ نے دنیا تو بدلی لیکن لارا کی دنیا کو مزید سکیڑ دیا اب وہ وائٹ ہاؤس سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی تھیں اور اُن پر کئی پابندیاں تھیں یہاں تک کہ اُنہیں اپنی ڈاک تک کھولنے کی اجازت نہیں تھی وہ 2009ء میں بُش کی ریٹائرمنٹ کو ایک ''ریلیف'' کا نام دیتی ہیں کہ وہ واشنگٹن سے Texas واپس آکر اپنی ایک نارمل زندگی جی پائیں گی، ''آٹھ سال کی روز ڈرمیں گزاری زندگی کے بعد بالآخر میں کھل کر سانس لے سکتی ہوں میں خود کو محسوس کرسکتی ہوں۔'' یہ لارا کی کتاب میں لکھے اُن کے آج کے جذبات ہیں۔

لارا کے مطابق اُنہیں اور اُن کے میاں کو ایک بار زہر بھی دیا گیا تھا جس نے اثر نہیں دکھایا۔ کتاب مشہور ہو نہ ہو لارا کو بل کلنٹن جتنی شہرت ملے نہ ملے لیکن کتاب سے ایک فائدہ تو ہوا کہ زہر والا قصہ لوگوں کے سامنے آ گیا جس سے کم سے کم لاکھوں لوگوں کو یہ پتہ چل گیا کہ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ اُن کا ''کاش'' یقین میں بدلنے کے بہت قریب تھا۔

K

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دل تو بچہ ہے جی

اِنڈیا ہر سال دنیا میں سب سے زیادہ فلمیں ریلیز کرتا ہے کوئی نو سو پچاس (950) فلمیں یعنی دِن میں تقریباً تین فلمیں۔ ٹی۔ وی پر دو چار چینلز ادل بدل کرنے پر لگتا ہے کہ دنیا میں ہر جگہ صرف بالی وڈ کا ہی چرچا ہے اور شاید ہی کوئی ایسا ملک ہوگا جو بالی وڈ کو نہ جانتا ہو جب کہ سچ یہ ہے کہ سال میں نو سو سے زیادہ فلمیں ریلیز کرنے کے باوجود دنیا کی ایک بڑی اکثریت اب بھی بالی وڈ سے انجان ہے اِس میں حیرانی کی بات اِس لئے نہیں ہے کہ اگر انٹرنیشنل لیول پر دیکھا جائے تو سال میں کل ملا کر دنیا میں صرف دو سو تین سو بلین ڈالرز کا بزنس کرتا ہے جب کہ ہالی وڈ ساٹھ بلین سالانہ۔

اگست پندرہ 2009ء کی بات ہے کہ نیو جرسی (نیویارک) کے ائیر پورٹ پر اِنڈین فلمسٹار نیو جرسی سے شکاگو کی فلائیٹ لینے پہنچے، فلائیٹ لینے سے پہلے گورے امیگریشن آفیسر نے شاہ رخ خان سے کچھ سیدھے سیدھے سوال کئے جس کے شاہ رخ نے اُلٹے اُلٹے جواب رسید کئے۔

امیگریشن آفیسر اُن گوروں میں سے تھے جنہیں بالی وڈ کے ہونے کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا اِسی لئے اُنہیں شاہ رخ خان ایک مسافر نظر آ رہے تھے جو اُنہیں اُلٹے سیدھے جواب دے رہے تھے، امیگریشن آفیسر نے پوچھا۔ شاہ رخ خان امریکہ میں کسی کو جانتے ہو؟ تو اس کا جواب شاہ رخ نے دیا۔ ''ہاں براک اُوباما کو۔'' گورے کو شاہ رخ خان کا مذاق پسند نہیں آیا اور ہوم لینڈ ڈیٹا بیس سرچ کرنے پر ''خان'' نامی لوگوں کی ایک لمبی فہرست کھل گئی جس کی تلاش میں امریکنز ہیں۔

شاہ رخ خان کو نیو جرسی ائیر پورٹ پر باسٹھ (62) منٹ انتظار کرنا پڑا۔ امریکن آفیشلز صرف یہ کنفرم کرنا چاہتے تھے کہ شاہ رخ خان کا تعلق اُن لوگوں سے تو نہیں جو امریکہ کے لئے خطرہ ہیں لیکن انڈین عوام اور پریس کو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی، کئی اخباروں، کالموں اور پبلک کی رائے کے مطابق شاہ رخ خان کے ساتھ جو ہوا بہت غلط ہوا کیونکہ وہ ایک بڑے اسٹار ہیں اور اُنہیں جس طرح امریکن حکومت نے روکا وہ اُن کے اسٹیٹس کے خلاف تھا اور وغیرہ وغیرہ۔

اگلے کئی دِنوں تک انڈیا کے کونے کونے سے یہی آواز گونج رہی تھی کہ ہمارے اسٹار کے ساتھ بہت غلط ہوا ہے امریکہ کو اِس رویے پر معافی مانگنی چاہیے۔

مسئلہ یہ تھا کہ امریکن آفیشلز نے شاہ رخ خان کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کی ساتھ ہی اُن کی شناخت کنفرم ہو جانے کے بعد اُنہیں باعزت بری۔۔۔ ہمارا مطلب ہے باعزت طور پر رُخصت کر دیا۔ پھر معافی کس بات کی؟ کچھ دِن میں معاملہ ٹھنڈا ہو گیا لیکن یہ بات صاف ہو گئی کہ انڈین عوام اپنے اسٹارز کی کسی قسم کی بدسلوکی برداشت نہیں کرتی۔

کچھ دِن پہلے راحت فتح علی خان دِلی ائیر پورٹ پر رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔۔۔ اُن کا جرم تھا غیر قانونی پیسہ ساتھ لے کر سفر کرنا، پچھلے ہفتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے کئی ہندوستانی اخباروں کی سرخیاں دیکھ کر لگتا تھا کہ جیسے راحت فتح علی خاں کوئی دہشت گرد ہیں جو اپنے مشن پر نکلے تھے اور ہندوستانی ہونہار آفیسرز نے اُنہیں پکڑ کر اُن کا مشن فیل کر دیا۔ اب تک تو آپ کو پتہ چل ہی گیا ہوگا۔ اگر نہیں پتہ تو ہم آپ کو راحت فتح علی خاں کا قصور بتا دیتے ہیں۔

راحت فتح علی انڈیا میں ایک کانسرٹ کر کے دوبئی کی فلائٹ لینے کے لئے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ دِلی پہنچے۔ وہاں اُن کے بیگ میں سے پچاس ہزار ڈالر کیش اور گروپ کے بقیہ لوگوں کے پیسے ملا کر مزید پچاس ہزار ڈالر اور کوئی ساٹھ ہزار روپے پاکستانی نکلے۔ انڈین قانون کے مطابق آپ ایک وقت میں دس ہزار ڈالرز سے زیادہ رقم لے کر سفر نہیں کر سکتے اور راحت علی خاں کے پندرہ لوگوں کے گروپ کے پاس کل ملا کر ایک لاکھ چوبیس ہزار ڈالر تھے پھر بھی راحت فتح علی خاں کو اِس لئے روک لیا گیا کہ پچاس ہزار ڈالرز اِن کے بیگ میں تھے۔

پرفارمنس ہو جانے کے بعد پروموٹرز کا پیسے نہ دینا یا پھر پے منٹ چیک کا باؤنس ہو جانا انڈیا یا پاکستان میں ایک عام سی بات ہے پھر بھی سمجھدار انڈین آفیسرز کو یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ راحت فتح علی کے پاس اتنے پیسے کیوں ہیں جس کی وجہ سے اُنہوں نے راحت فتح علی خاں کو اگلے اٹھائیس گھنٹے اُن کے انڈین پروموٹرز سمیت ریمانڈ میں رکھا اور سوال و جواب کئے۔

بیشتر انڈین آرٹسٹ جب امریکہ یا انگلینڈ میں پرفارم کرتے ہیں تو اپنے شوز کی پے منٹ وہ کیش میں دوبئی سے اپنے پروموٹرز سے ڈالرز میں وصول کرتے ہیں نہ صرف یہ بلکہ بیشتر وہ یہ پیسہ ہندوستان کیش میں لے کر آتے ہیں وہ پیسہ جو اکثر دس ہزار ڈالر سے زیادہ ہوتا ہے اور کوئی دور ہی کی مثال کیوں؟ وہی پروموٹرز جو راحت فتح علی خاں کے ساتھ موجود تھے جب اُن کے گھر پر چھاپہ مارا گیا تو اُن کے پیپر ورک کے مطابق مادھوری، ملائکہ اروڑہ اور میکا سنگھ جیسے آرٹسٹوں کو اُنہوں نے ملک کے باہر ڈالرز میں بڑے بڑے پے منٹ کئے ہیں جو انڈیا لاتے وقت اِن آرٹسٹوں نے نہ تو ائیر پورٹ پر اور نہ ہی انکم ٹیکس میں ظاہر کئے۔

راحت فتح علی خاں نے کئی تین گھنٹے کی بکواس فلموں کو اپنے تین منٹ کے گانے سے ڈوبتے ہوئے بچایا ہے۔ صِرف فلموں کو نہیں ایکٹرز کو بھی شاید جان ابراہیم ''جان ابراہیم'' نہ ہوتے اگر اُن کی فلم ''پاپ'' میں اِن کا گانا ''لاگی تجھ سے من کی لگن'' نہ ہوتا، تجھے دیکھ دیکھ سونا، بولنا ہلکے ہلکے، اورے پیا، آج دِن چڑھیا۔ ایک ایک گانا سننے سے اندازہ ہوتا ہے کہ راحت فتح علی خاں کی آواز لاکھوں روپے کے سیٹ اور کروڑوں روپے لینے والے ایکٹرز پر بھاری ہوتی ہے۔

صرف 2010ء میں ہی راحت فتح علی خاں کے گانون کی شہرت کو کوئی اور ہندوستانی گانا چھو نہ سکا، دبنگ فلم کے ''تیرے دو مست مست نین'' ہوں یا پھر عشقیہ فلم کا ''دل تو بچہ ہے جی''۔۔۔ راحت کی آواز کا جادو ہر بالی وڈ فلم اور موسیقی کو سمجھنے اور پسند کرنے والوں کے دِل پر چلا بیشتر بڑے ایوارڈ بھی راحت نے ہی جیتے۔ اگر ائر پورٹ پر عزت آرٹسٹ کو اُن کی مشہوری کے حساب سے ملنی چاہیے تو شاہ رخ خان کی اگر 2010ء میں ایک کامیاب فلم آئی ہے تو راحت کے اس سال میں درجن بھر گانے مشہور ہوئے ہیں۔ پھر اُن کے ساتھ ایر پورٹ پر ایسا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سلوک کیوں اور انڈین عوام کی خاموشی کیوں؟

گورے نے نیوجرسی کے ایرپورٹ پر شاہ رخ کا سامان اس لئے نہیں چیک کیا تھا کہ اُسے شک تھا کہ شاید وہ سامان میں اپنے ساتھ اچار لے جا رہے ہیں اُن کی چیکنگ اس لئے ہوئی تھی کہ اُن پر دہشت گرد ہونے کا شک تھا اِس کے باوجود گورے نے انہیں ایک گھنٹے میں چھوڑ دیا تھا ،انڈیا کے پانچ سال کے بچے کو بھی پتہ ہوگا کہ راحت کے پاس وہ پیسے کہاں سے اور کیسے آئے ہوں گے پھر بھی انڈین آفیشلز کو اٹھائیس گھنٹے لگے اُن سے یہ پوچھنے میں ساتھ ہی اگر شاہ رخ خان کو روکنے پر ہندوستانی عوام کھڑی ہوگئی تھی تو پھر راحت فتح علی خاں پر کیوں نہیں؟ وہ بھی تو اُن کے اسٹار ہیں اور اگر اُن کا ساتھ نہیں دینا ہے اور اُن پر الزام تراشی ہی کرنی ہے تو پھر لاکھ ڈالر کی نہیں کریں بلکہ کروڑوں ڈالرز کی کریں کیوں کہ پچھلے چھ سال میں انڈین میوزک انڈسٹری اور فلموں کو کروڑوں ڈالرز کا فائدہ ہوا ہے وہ بھی راحت فتح علی خاں کا ہی قصور ہے۔

□ □ K □ □

دہشت گردی سے لڑنا مشکل

نائن الیون 2001ء کو صبح نو بج کر ایک منٹ پر پہلا جہاز ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے ٹاور نمبر ون پر جا کر لگا اور کوئی ایک گھنٹے کے اندر ہی اپنے لائیو صدارتی خطاب میں صدر بُش نے ٹی۔ وی ریڈیو کے ذریعے یہ اعلان کر دیا تھا کہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ مسلمانوں نے کیا ہے۔ ستمبر گیارہ 2001ء کو دنیا بھر سے آنے والے فون کالز پر لوگ پوچھ رہے تھے ''تم خیریت سے ہو؟'' کیونکہ ہم نیویارک میں تھے اور اگلے دِن یعنی بارہ ستمبر کو ہر فون کرنے والا ہمیں اس لئے فون کر کے خیریت معلوم کر رہا تھا کیونکہ ہم نیویارک میں تھے اور مسلمان ہیں، بُش کے بیان کے بعد پورے امریکہ میں مسلمانون کے لئے ایک نفرت کی لہر دوڑنے کا امکان تھا۔

بُش نے بار بار کئی بار ٹی۔ وی، ریڈیو، اخباروں کے ذریعے دنیا بھر میں بات چوبیس گھنٹوں میں یہ بات عام کر دی کہ یہ حملہ ہمارے دشمن مسلمانوں نے کیا ہے، بُری قومیں نہیں کچھ لوگ ہوتے ہیں جیسے بُش کے بُرے ہونے سے سارا امریکہ برا نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح کچھ مسلمان ملکوں میں رہنے والے لوگوں سے پوری قوم غلط نہیں ہوتی اور یہ آسان سی بات ہر بات مشکل سے سمجھنے سے والے بُش کو اپنے صدارتی دور کے سات سال تک سمجھ میں نہیں آئی۔

''یا تو آپ ہمارے ساتھ نہیں یا ہمارے دشمن۔'' یہی تھے بُش کے الفاظ یعنی اگر آپ ہمارے ساتھ دہشت گردوں سے لڑنے کو تیار نہیں تو ہمارے دشمن ہیں کئی لوگوں نے اُس وقت کے صدر پاکستان پرویز مشرف پر اُنگلیاں بھی اٹھائی تھیں کیونکہ اُنہوں نے امریکہ کا ساتھ دیا لیکن اپنی کتاب میں انہوں نے لکھا کہ انہیں کوئی چوائس دی ہی نہیں گئی صرف یہ بتایا گیا تھا کہ آپ ہمارے ساتھ ہیں یا ہمارے دشمن، تاریخ گواہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے کہ امریکہ اپنے دشمنوں کو وقت سے دوسو سال پیچھے بھیج دیتا ہے اور ہم ویسے ہی پچھلے ساٹھ سالوں میں کچھ خاص آگے نہیں بڑھے ہیں۔ اس لئے پرویز مشرف کو امریکہ کا ساتھ دینا ہی پڑا۔

پچھلے نو سال سے امریکہ کے ہر نیوز چینل پر بلا ناغہ روز امریکن آرمی کو کسی نہ کسی مسلمان ملک میں مارچ کرتے دکھایا جاتا ہے۔ یہ لوگ دہشت گردی سے لڑ رہے ہیں لیکن کچھ لوگوں کی سوچ اور دہشت گردی سے لڑنے کا طریقہ الگ ہے۔ وہ لوگ امن کا پیغام امن سے دینا چاہتے ہیں گولی اور بارود سے نہیں، کئی مسلمان بھی دنیا بھر میں غیر مسلمانوں کو اسلام کا مطلب سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں امن کے پیغام کے ساتھ یہی امن کا پیغام ہے جس کے لئے کچھ مسلمانوں نے گراؤنڈ زیرو کے قریب ایک مسجد اور اسلامک سینٹر کی بنیاد ڈالی ہے۔ وہ بنیاد جو پچپن فیصد (55%) امریکنز کو پسند نہیں آ رہی ہے۔

گراؤنڈ زیرو سے دو بلاک آگے قرطبہ اسلامک سینٹر اور اس سینٹر میں مسجد تعمیر کروائی جا رہی ہے جس میں پانچ سو لوگوں کی گنجائش والا آڈیٹوریم ہوگا، سوئمنگ پول، ریسٹورنٹ اور لائبریری ہوگی اور جمعے کی نماز کی ادائیگی دو ہزار لوگ بیک وقت کر سکیں گے۔

فیصل عبدالرؤف نامی شخص نے تقریباً پانچ ملین ڈالر کیش دے کر ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے قریب ایک پرانی بلڈنگ خریدی ہے جسے گرا کر نئے سرے سے سو ملین ڈالر لگا کر اسلامک سینٹر بنایا جائے گا۔

امریکن پریس سمیت پورے امریکہ سے اِس پروجیکٹ کو لے کر بہت ملے جلے تاثرات کا اظہار ہو رہا ہے، کچھ لوگوں کو لگتا ہے کہ یہ بالکل صحیح ہے جس جگہ تین ہزار لوگوں کو مارے جانے کا قصوروار مسلمان کو ٹھہرایا گیا ہے وہیں اگر اس طرح کی مسجد بنائی جائے گی تو اس سے بہتر امن کا پیغام نہیں ہو سکتا لیکن آدھے سے زیادہ امریکہ کو لگتا ہے کہ یہ اسلامک سینٹر بالکل نہیں بننا چاہیے کیونکہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے سانحے میں مرنے والوں کے رشتے داروں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے گی۔

امریکن پریس کے کئی بڑے نام آج اپنے کالموں اور نیوز آرٹیکلز میں گراؤنڈ زیرو کے قریب اسلامی مرکز اور مسجد بنانے کے خلاف لکھ رہے ہیں، کون ہے یہ فیصل عبدالروف؟ کہاں سے آئے، اس کے پاس پیسے اور مزید رقم کہاں سے آئے گی؟ جس کا جواب یہ ہے کہ عبدالروف کویت میں پیدا ہونے والے ایک اکسٹھ (61) سالہ عرب امریکن مسلمان ہیں جنہوں نے امریکہ میں اسلام اور اسے سمجھنے کیلئے بہت کام کیا ہے ساتھ ہی وہ اُس خلا کو بھی پُر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو مسلمانوں اور مغربی دنیا کے بیچ ہے۔

فیصل عبدالروف نے تین کتابیں اسلام اور امن کے موضوع پر لکھی ہیں جن میں امن کا پیغام ہے جو امریکہ کے کسی بھی بڑے بک اسٹور سے خریدی جا سکتی ہیں ساتھ ہی وہ الفرخ نامی مسجد جو کہ میں ہٹن میں واقع ہے، کے امام کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں اُن کی بیوی ڈیزی خان 9/11 کے حادثے میں مرنے والوں کے اہل خانہ اور رشتے داروں کی بہبود اور مثبت سوچ کے لئے ایک آرگنائزیشن چلاتی ہیں۔

فیصل عبدالروف نے اس جگہ کیلئے پانچ ملین کیش میں ادا کئے ہیں کیونکہ اُن کے پاس کچھ بھی چھپانے کے لئے نہیں ہے۔ وہ پیسے جو اُنہیں چندے کے طور پر کئی عام مسلمانوں نے دیئے ہیں جو عبدل نے اس اچھے کام میں لگا دیئے ساتھ ہی اُنہیں یقین ہے کہ امن کے پیغام کی اِس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تیرہ منزلہ مضبوط عمارت کیلئے سوملین ڈالر مسلمان بھائیوں کی مدد سے جمع کرنا مشکل نہیں ہوگا۔
ہم آپ کے ساتھ ہیں امن قائم کرنے میں نیویارک میں موجود مسلمانوں کا اس مسجد کی تعمیر کے ذریعے پیغام جس پر کئی لوگوں کو یقین نہیں ہے، سارہ پیلن سمیت کئی سیاست دانوں نے اس مسجد کی مخالفت کی ہے لیکن اگست تیرہ کو وہائٹ ہاؤس میں ہونے والی افطار پارٹی میں صدر امریکہ براک حسین اباما نے صاف صاف کہا ہے کہ ہر انسان کو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کا پورا پورا حق ہے کوئی مسلمان جہاں چاہے مسجد بنوا سکتا ہے اور آپ سب کو گراؤنڈ زیرو کے قریب بننے والے اسلامک سینٹر اور مسجد کا ساتھ دینا چاہیے۔
بُش نے جب امریکہ سے کہا تھا کہ مسلمان ہمارے دشمن ہیں تو امریکہ کو یہ بات سمجھنے میں ذرا دیر نہیں لگی تھی۔ ہم اُمید کرتے ہیں صدر اباما کے اس بیان کو بھی امریکہ اتنی ہی جلدی سمجھ لے۔

□ □ K □ □

دو دونی چار

البرٹ آئن اسٹائن کو فادر آف دی فزکس مانا جاتا ہے، جرمنی کے ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جس کے حالات بہت زیادہ اچھے نہیں تھے ایک مشکل بچپن گزارنے کے باوجود البرٹ نے زندگی میں آگے بڑھنے سے ہمت نہیں ہاری اور دنیا کو یہ ثابت کر دکھایا کہ اگر آپ میں سچی لگن ہو تو ایک مشکل منزل جو بہت دور نظر آتی ہے خود بخود آپ کے قریب آنے لگتی ہے۔
بقول شاعر۔

اے جذبۂ دِل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کے لئے دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے

فیملی کے حالات خراب ہونے کی وجہ سے بچپن میں بار بار گھر والوں کے ساتھ جگہ بے جگہ ہوتے البرٹ کو بچپن میں بولنے میں دِقت تھی یعنی Speech Problem نہ صرف یہ بلکہ انہیں عام بچوں کے مقابلے میں ہر چیز سیکھنے میں زیادہ وقت درکار ہوتا۔ بچپن ہی نہیں بلکہ بڑے ہو کر بھی البرٹ کو آسان سی گنتی کرنے میں بڑی مشکل ہوتی، پبلک بس میں بیٹھے البرٹ اکثر سکے ہاتھ میں لئے یہ حساب نہیں کر پا رہے ہوتے کہ بس کے کرایے کے لئے کتنے سکے کنڈیکٹر کو دینے ہوں گے پھر بھی البرٹ نے اپنی کمزوری کو اپنے شوق کے آڑے نہیں آنے دیا اسی شوق کی وجہ سے آج البرٹ کی تین سو سائنسی اور ڈیڑھ سو غیر سائنسی تھیوریز موجود ہیں۔ اس دو دونی چار نہ کر پانے والے کمزور دماغ بچے نے خود کو اتنا بلند کیا کہ 1952ء میں اسرائیل کے وزیر اعظم نے انہیں اسرائیل کا صدر بننے تک کی پیش کش کر دی۔
جرمنی سے شروع ہوئے کیریئر میں البرٹ اٹلی سوئزرلینڈ اور یو ایس اے میں رہے اور جب بھی وہ ٹریول کرتے اپنے بیوی بچوں کو بلا ناغہ خط

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لکھتے اُن کی وصیت کے مطابق اُن کے لکھے 3500 صفحات پر مشتمل یہ خط اُن کی بیوی کے مرنے کے بیس سال بعد پبلک میں ریلیز کئے جاسکتے تھے۔ البرٹ کی بیوی 1936ء میں اور البرٹ 1955ء میں اِس دنیا کو خیر باد کہہ گئے البرٹ کے لکھے پرائیوٹ خط اب کئی سال سے پبلک ہیں۔

ایک کامیاب آدمی وہ ہوتا ہے جو اپنے لئے مشکل گول سیٹ کرے اور انہیں حاصل کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کرے۔ البرٹ ایک کامیاب انسان تھے اور اُن کے خطوط کے 3500 صفحات ریویو کرنے سے ہم کو کئی ایسی حوصلہ افزا باتیں ملتی ہیں جو ہم سے کہتی ہیں کہ تم اگر کوشش کرو گے تو کامیابیوں کی بلندیاں چھو سکتے ہو۔

اِن خطوط میں البرٹ کہتے ہیں کہ سوچ سچ سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے جب کہ سچ محدود ہے وہیں سوچ کیلئے کوئی حد نہیں ذہن جہاں تک چاہے سوچ سکتا ہے جتنی اونچی اُڑان کا نشانہ باندھے باندھ سکتا ہے۔ اِنسان کی سوچ نئے راستے کھولتی ہے نئی منزلیں بناتی ہے نئی تخلیقات کرتی ہے۔

سوال کرنے سے نہیں شرمانا چاہیے اگر آپ کسی چیز کو صحیح طرح سمجھنا چاہتے ہیں اُس کے بارے میں تفصیل سے جاننا چاہتے ہیں ماہر بننا چاہتے ہیں تو کوئی بھی چیز آپ کو خود نہیں آجائے گی آپ کو اِس کے بارے میں پوچھنا ہوگا اُن سے جو علم رکھتے ہیں، اسکول میں مجھ جیسا کلاس میں پیچھے بیٹھا بچہ بار بار سوال کرنے سے پیچھے نہیں رہتا۔

وہ انسان جس نے زندگی میں کبھی غلطی نہیں کی اُس نے شاید زندگی میں کچھ کیا ہی نہیں۔ غلطی سب کرتے ہیں اپنی غلطیوں سے گھبرا کر کوشش کرنا چھوڑ دینا غلط ہے۔ اپنی غلطیوں سے سیکھو اور آگے بڑھتے جاؤ۔ وہ لوگ جو تم سے کہتے ہیں کہ اُنہوں نے اتنا اونچا نہیں سوچا جتنا تم نے سوچا ہوگا اور شاید کبھی بھی زندگی میں بغیر کوئی غلطی کئے اتنا آگے نہیں بڑھ پائیں گے جتنا تم اِن غلطیوں کے باوجود بڑھ جاؤ گے۔

کبھی بھی زندگی میں کامیاب انسان بننے کی کوشش مت کرو بلکہ وہ انسان بننے کی کوشش کرو جن میں اقدار ہوں۔ اگر تم میں ویلیوز ہیں تو تم ایک کامیاب انسان ہو۔ ہم اکثر زندگی کی دوڑ میں دوسروں کی پرواہ نہیں کرتے، اسکول میں دوسرے بچوں سے آگے آفس میں کولیگز سے آگے بڑھنے کی دوڑ میں رہتے ہیں زندگی بھر یہ مت دیکھو کہ تم کس سے کتنے آگے یا پیچھے ہو بلکہ یہ دیکھو کہ تم نے اپنی زندگی میں کیا کیا؟ اپنوں کی اور دوسروں کی کتنی مدد کی اور تم انسان کیسے ہو۔

ایک بُرے مزاج کا آدمی ایک کمزور آدمی ہے تمہاری زندگی میں کئی ایسے وقت آئیں گے کہ جب تم کو کچھ اچھا نہیں لگے گا یہ وہ وقت ہے جب تم دوسروں کو اور خود کو بتاؤ گے کہ تم ایک مضبوط آدمی ہو۔ ایک مضبوط درخت کی طرح جسے تیز ہوا بھی ہلا نہیں سکتی۔ تم پر کوئی مصیبت کیوں نہ آئے جب تم کسی سے بُری طرح بات کرتے ہو، بُرا مزاج دکھاتے ہو تو لوگوں کو تم صرف ایک کمزور آدمی لگو گے۔

زندگی صرف وہ قیمتی ہے جو آپ دوسروں کیلئے جئیں۔ وہ زندگی جو انسان نے صرف اپنے لئے جی وہ کیا زندگی۔۔۔ زندگی وہ جئیں جس سے دوسروں کا فائدہ ہو دوسروں کی زندگی بہتر ہو۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایسا نہیں ہے کہ میں ذہین ہوں مجھ میں اور دوسروں میں فرق یہ ہے کہ میں مسائل کے ساتھ دوسروں سے زیادہ وقت گزارتا ہوں۔لوگ کسی بھی پرابلم کے ساتھ اس وقت تک رہتے ہیں جب تک وہ اُسے حل کرتے ہوئے تھک نہیں جاتے۔ میں اس وقت نہیں تھکتا جب تک وہ مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔

امن دنیا میں کبھی بھی زبردستی نہیں لایا جا سکتا کسی کو بھی آپ زبردستی نہیں بتا سکتے۔کہ امن قائم کرو۔دنیا میں امن صرف چیزوں اور مسائل کو سلجھانے اور ایک دوسرے کی باتوں کو سمجھنے سے آئے گا میں کبھی بھی مستقبل کے بارے میں نہیں سوچ پاتا ہوں میرے سوچنے سے پہلے وہ مستقبل حال بن جاتا ہے زندگی ایک بائسیکل چلانے کی طرح ہے آپ کو زندگی میں بیلنس رکھنے کے لئے اِس کو چلاتے رہنا ضروری ہے اِس میں آگے بڑھتے رہنا ہوتا ہے۔

البرٹ کے خطوں سے کئی ایسی باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں جن سے ہم یقین کر سکتے ہیں کہ البرٹ یہ جانتے تھے کہ وہ پیدائشی طور پر بہت زیادہ ذہین انسان نہیں ہیں لیکن یہ جان کر بھی اُنہوں نے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہاری۔دو دونی چار نہ کر پانے پر ہی اُنہوں نے اپنی زندگی کی گروتھ ختم نہیں کر دی وہ آگے بڑھتے رہے کبھی ہار نہیں مانی اگر آپ کی زندگی کا بھی کوئی دو دونی چار غلط ہے اور آپ اُس سے ہار مان بیٹھے ہیں تو شاید آپ نے اپنے اندر کے اُس انسان کو کھوجنے کی کوشش نہیں کی جو آنے والے کل میں آئن اسٹائن بن سکتا تھا۔

K

ڈھونڈتا پھر رہا ہوں تجھے

اگر تم مجھے اِس گھڑی میں دیکھ کر بتا دو کہ کیا بجا ہے تو میں تمہیں بھی ایسی ہی گھڑی لا کر دوں گا، میں کوئی تین چار سال کا تھا اور میرے سامنے ابو کے گہرے دوست مجیب عالم بیٹھے یہ سوال کر رہے تھے، میرے پاس ڈیجٹل گھڑی تھی لیکن سوئی والی گھڑی میں وقت دیکھنا ڈیجٹل واچ سے مشکل ہوتا ہے اِسی لئے مجیب انکل مجھے چیلنج کر رہے تھے اپنے ہاتھ میں بندھی گولڈن رنگ کی سوئی والی گھڑی میں ٹائم دیکھنے کے لئے "2.45 pm" میں نے ذرا گھبراتے ہوئے کہا۔وہ وقت میرے لئے امتحان تھا ''ایک گھڑی'' کا جس کو پاس کر لینے پر مجھ کو میری زندگی کی پہلی سوئی والی گھڑی ملتی۔مجیب انکل مسکرائے۔یعنی میرا جواب صحیح تھا۔

تین دِن بعد مجیب انکل میرے لئے چمکتی ہوئی سلور ڈائل کی سوئی والی گھڑی لائے بیٹا یہ صرف گھڑی نہیں۔۔۔یہ وہ وقت ہے جو تمہارا ہے اِسے کبھی ضائع نہ کرنا اسے بھرپور گزارنا، یہی ''وقت'' دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہے۔میں تین سال کا بچہ شاید اِس قیمت کی گہرائی سے زیادہ صرف گھڑی لے کر خوش تھا۔کل اِسکول میں دوستوں کو یہ گھڑی دکھاؤں گا اس سے زیادہ آگے کے وقت کو میرا ذہن سوچنے کو تیار نہیں تھا۔

کچھ سال گزرے اور میں سات آٹھ سال کا ہو گیا۔ایک دِن مجیب انکل نے مجھ سے کہا کہ انسان کو زندگی میں اپنی ہر خواہش ہر تمنا کو پورا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ یہ وقت اگر گزر جائے تو پھر پچھتاوے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا اسی لئے جب تک سانس ہے اپنی ہر تمنا کو تکمیل تک پہنچانے کی کوشش ضرور کرنا۔ میں بچہ تھا اور کچھ ہی دِن پہلے بقرعید گزری تھی اِسی لئے میں نے مجیب انکل سے ایک خواہش کا اظہار کر دیا۔ ''مجھے ایک بکرا چاہیے جو میں آپ کے گھر کے آنگن میں باندھوں گا۔ اپارٹمنٹ میں امی کہتی ہیں بکرا نہیں رکھا جا سکتا۔''

''مگر تم اُس سے کھیلو گے کیسے اگر وہ میرے گھر میں ہو گا؟''

میں نے کہا ابو کے ساتھ ویک اینڈ پر آ جایا کروں گا۔

مجیب انکل شاید میری خواہش پوری کرنا چاہتے یا پھر میرا دِل رکھنا چاہتے تھے، دو ہفتے بعد جب میں ویک اینڈ پر اُن کے گھر گیا تو سچ مچ اُن کے آنگن میں بکرا بندھا ہوا تھا تم اِس سے آج اور کل دِل بھر کر کھیلو، میں دونوں دن مجیب انکل کے گھر گیا اور خوب کھیلا پھر وہ بکرا چلا گیا۔ میں نہیں جانتا وہ بکرا کہاں سے آیا اور کہاں چلا گیا لیکن ایک بات مجیب انکل نے مجھے سمجھا دی کہ اگر آپ کسی کی خواہش پوری کر سکتے ہیں ۔۔۔آپ کے بس میں کسی کیلئے کچھ بھی کرنا ہے تو ضرور کریں۔

ہماری اور ابو کے دوستوں کی فیملیز اکثر ویک اینڈ پر گھومنے جاتیں پارک، فن لینڈ، پکنک۔ بہت مزہ آتا، اسی طرح کہیں جاتے وقت ہم روڈ پر کنسٹرکشن کی وجہ سے پھنسے ہوئے تھے۔ مجیب انکل نے ایک مزدور کی طرف اشارہ کر کے کہا دیکھ رہے ہو اِس دھوپ میں سڑک کوٹتے مزدور کو شاید یہ کئی سالوں سے یہی کام کر رہا ہے۔ کتنی محنت کرتا ہو گا نا یہ سارا دن۔ شاید یہ جو آس پاس آفسوں میں لوگ کام کرتے ہیں اُن سے کہیں زیادہ پھر بھی اتنی محنت کے صلے میں اِسے کتنے کم پیسے ملتے ہیں۔ محنت آپ کسی بھی ڈائریکشن میں کر سکتے ہیں انسان کو خود اور دوسروں کو اس محنت سے کتنا فائدہ پہنچتا ہے یہ محنت نہیں۔ ڈائریکشن طے کرتی ہے اِسی لئے زندگی میں جب تم کامیابی کے سفر پر نکلو تو ہمیشہ اپنی ڈائریکشن کا خیال رکھنا۔

مجیب انکل ۔۔۔''مجیب عالم'' پاکستان کے وہ اسٹار سنگر جنہوں نے اپنی ٹین ایجز میں ہی شہرت کی بلندیاں چھو لی تھیں، ستمبر 1948ء میں پیدا ہونے والے مجیب عالم نے پاکستان کی سب سے بڑی فلموں میں سے ایک فلم چکوری 1968ء کی ریلیز پر اُس کے گانے ''وہ میرے سامنے تصویر بنے بیٹھے ہیں'' سے راتوں رات شہرت پا لی جس کے لئے انہوں نے نگار ایوارڈ بھی جیتا، ستر کی دہائی میں بے شمار سپر ہٹ گانے گائے جس میں سے کئی لوگ آج بھی سنتے اور گنگناتے ہیں۔

مجیب عالم نے فلموں میں ساڑھے سات سو سے زیادہ گانے گائے ہیں 1970ء اور اُس کے بعد بننے والی فلموں میں اُن کا ایک نہیں بلکہ کئی گانے سپر ہٹ ہوئے جیسے فلم شمع اور پروانہ میں تین سپر ہٹ گانے تھے۔ ''دل جب تیری یاد میں گھبرائے گا''، ''میں تیرا شہر چھوڑ جاؤں گا'' اور ''میں تیرے اجنبی شہر میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں تجھے۔''

اگر پاکستانی فلموں کی تاریخ دیکھی جائے تو مجیب عالم کا نام مقبول ترین گلوکاروں میں سرفہرست ہے لیکن اِس سب کے باوجود بچپن میں ہر ویک اینڈ پر اُن سے ملنے پر کبھی احساس نہیں ہوا کہ وہ کتنے بڑے اسٹار ہیں مجیب عالم ایک سنگر، اسٹار سے پہلے اچھے انسان تھے۔ وہ اچھا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اِنسان جو کسی بھی اسٹار سے بڑا ہوتا ہے۔ وہ گھنٹوں مجھ سے میری دلچسپی کی باتیں کرتے۔۔۔ اُن باتوں میں کہیں اس بات کی جھلک نہیں ہوتی کہ وہ کتنے بڑے اسٹار ہیں وہ ''میں'' کے بجائے زندگی میں آگے بڑھنے اور وقت کی اہمیت سمجھنے کی بات کرتے۔

کوئی دس سال پہلے ہم پاکستان سے امریکہ شفٹ ہو رہے تھے اور اسی کی تیاری میں مصروف تھے۔ کئی سال سے میری ملاقات مجیب عالم انکل سے نہیں ہوئی تھی، لیاقت ہاسپٹل کے سامنے سے میں اور ابو ایک دِن گزر رہے تھے ابو نے ڈرائیور سے گاڑی لیاقت ہاسپٹل کے گیٹ میں لینے کو کہا۔

''ابو ہم ہاسپٹل کیوں جا رہے ہیں؟''

''مجیب عالم یہاں داخل ہیں اُن کی طبیعت کافی خراب ہے۔'' ابو نے جواب دیا۔

میں کئی سال بعد مجیب عالم انکل سے ملا وہ بہت تکلیف میں تھے بات بھی زیادہ نہیں کر رہے تھے صرف ایک بات کہی اُنہوں نے مجھ سے۔

''یار میں نے اپنی صحت کا خیال نہیں رکھا زندگی میں تم ضرور رکھنا۔''

ہم تھوڑی دیر اُن کے پاس بیٹھے اور پھر جانے کیلئے کھڑے ہو گئے۔ مجیب عالم نے جاتے جاتے روک کر کہا۔ ''ارے وقت کیا ہوا ہے؟''

میں نے جیسے ہی گھڑی کی طرف دیکھا۔ بچپن کے کئی لمحے پلک جھپکتے سامنے آ گئے۔ وہ سب ہی اچھی باتیں جو مجیب عالم انکل نے مجھے کئی سال پہلے بتائی تھیں یاد آ گئیں۔

''2.45 pm'' یہی کہا تھا میں نے اور مجیب عالم انکل مسکرا دیئے۔ ٹھیک وہی وقت جسے کئی سال پہلے بتانے پر مجھے زندگی کی پہلی گھڑی ملی تھی۔ اُس دِن مجیب انکل نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ تم نے ٹائم صحیح بتایا۔ شاید اُنہیں یقین ہو گیا تھا کہ میں وقت کی اہمیت سمجھ گیا ہوں۔

لوگوں کے اِس دنیا سے چلے جانے کے بعد گزرتا وقت اُنہیں ''ماضی'' کا نام دے دیتا ہے سوائے اُن لوگوں کے جو اپنی زندگی میں اِس وقت کی قدر کرنا سیکھ لیتے ہیں۔ یہ ہے وہ سچ جو مجھے مجیب عالم انکل نے بتایا تھا۔

K

سچے خواب

جولائی اکتیس 2010ء کو نیویارک کے ایک کونے میں جہاں بل کلنٹن کی بیٹی چیلسی کلنٹن کی شادی ہو رہی تھی وہیں ٹھیک اُسی وقت نیویارک کے دوسری طرف ہماری کتاب ''میرا ایک خواب ہے'' کی تقریب رونمائی جاری تھی۔ ہماری طرف کے اُوباما تک کو تو چیلسی کی شادی کا بلاوا آیا نہیں پھر ہم کیسے بلاوا نہ ملنے پر شکایت کر سکتے ہیں۔ بس تھوڑا بُرا یہ لگا کہ ہیلری کلنٹن نے ابھی کچھ ہی دِن پہلے اپنے پاکستان کے دورے پر کہا تھا کہ وہ ہمارا خیال رکھیں گے اتنی اپنائیت سے دیئے گئے بیان سے لگا ''اپنوں'' کو شادی میں ضرور بلائیں گی لیکن ہمارے ساتھ بھی ہیلری اور بل نے وہی سلوک کیا جو جیہ اور امیتابھ بچن نے ابھیشک کی شادی میں شاہ رخ اور دلیپ کمار کے ساتھ کیا تھا یعنی ہمیں شادی کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلاوا نہیں آیا۔

بل کا بلاوا آ بھی جاتا تب بھی ہم شہر میں ہونے کے باوجود شریک نہیں ہو پاتے کیونکہ اُس دِن ہمارے کالموں کے تیسرے مجموعے کی تقریب رونمائی کا بھی نیویارک میں چرچا تھا۔ سنا ہے شادی میں بل کلنٹن نے مائیکل جیکسن کی طرح بریک ڈانس کر کے بھی سب کو دکھایا۔ اب وہ کتنا مائیکل کی طرح ڈانس کر پائے یہ تو ہم کو کبھی پتہ نہیں لگ پائے گا لیکن یہ ڈانس نہ دیکھ پانے کا ہم کو بالکل غم نہیں ہے کیونکہ جس وقت بِل اپنی نوجوان پیڑھی کو ناچ ناچ کر دکھا رہے تھے اُسی وقت ہمارے ملک کے کئی بڑے نام ہماری کتاب کے فنکشن میں پاکستان کیلئے ایک بہتر کل کی تصویر بنا رہے تھے۔

مارٹن لوتھر کنگ کی مشہور زمانہ تقریر ''I have a Dream'' میں اُنہوں نے کہا تھا کہ میرا خواب ہے کہ میری قوم کے لوگ بھی اُن قوموں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلیں جن کا شمار بہتر قوموں میں ہوتا ہے۔ کل میری قوم کے لوگ بھی بہتر پوزیشن پر کام کریں۔ دنیا بھر میں اچھے کاموں کے لئے مشہور ہوں۔ ایک دِن ایسا آئے گا کہ ہم میں سے بھی کوئی امریکہ کا صدر بنے گا۔ ایک ناممکن خواب لیکن چالیس سال بعد مارٹن کا خواب سچ ہو گیا۔ کچھ ایسی ہی باتیں کرتی ہے میری نئی کتاب بھی۔۔۔ یہ اُن ناممکن سے خوابوں کو حقیقت بنتا دیکھنے کی بات کرتی ہے جس کے بارے میں سننے والا ہر شخص یہی کہے گا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔

پاکستان بھی دنیا کی سب سے طاقتور قوموں میں سے ایک ہو لوگ ہمارا ملک چھوڑنے کی بات نہ کریں بلکہ دوسرے ملکوں کے لوگ انگلینڈ، امریکہ کی طرح پاکستان آنا چاہیں تا کہ اُنہیں پاکستان میں ایک بہتر زندگی مل سکے۔ ہمارے ڈاکٹرز، انجینئرز، سائنسدانوں اور ٹیچرز کو دنیا بھر میں مانا جائے۔ دوسرے ملک جانے کیلئے ویزا مشکل نہ ہو بلکہ ویزا ہو ہی نہ۔۔۔ ہماری کرنسی کی ویلیو بھی ڈالر اور یورو جیسی ہو۔۔۔ اِسکول کالج یونیورسٹی سے لے کر نوکری ہو یا پھر کرکٹ کا میدان ہر چیز میرٹ پر ہو۔۔۔ ہر شخص کو اُس کا حق ملے کوئی سڑک پر کھڑا ہو یا گھر میں سو رہا ہو اُسے اطمینان ہونا چاہیے کہ وہ اپنے شہر، اپنے ملک اور اپنے گھر میں محفوظ ہے۔ ہمارا پاکستان وہ پاکستان ہو جو علامہ اقبال اور قائداعظم کے خوابوں میں تھا یا پھر اُس سے بھی بہتر، کہتے ہیں کہ جوانی میں انسان اکثر ''کے ٹو'' کی چوٹی جیسے اونچے خوابوں کے پہاڑ بناتا ہے پھر عمر کے پکے ہوتے اور تجربہ آتے اُسے عقل آ جاتی ہے۔ وقت گزرتا ہے کے ٹو چھوٹا ہوتا جاتا ہے اور بالوں میں سفیدی آتے آتے وہ آسمان کو چھو لینے والے خواب زمین پر لینڈنگ کر چکے ہوتے ہیں، مجھے لگتا تھا میری کتاب جو کے ٹو سے بھی زیادہ اُونچے خوابوں کی بات کرتی ہے اُسے رونمائی کے دِن مجھ سے بہت زیادہ تجربہ رکھنے والے عالم فاضِل لوگ تلخ حقیقت دکھائیں گے۔

اسٹیج پر قمر علی عباسی اور نیلوفر عباسی نے کہا اُنہیں اپنے بیٹے پر یقین ہے اور ہر اُس بیٹے پر جو اپنے ملک اور ماں میں فرق نہیں کرتا اُن کی دعائیں ہر اُس نوجوان کے ساتھ ہیں جو اپنی قسمت کے تیز سمندر کو کوشش کی کشتی میں سوار ہو کر سر کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر خالد مقبول صدیقی سابق وفاقی وزیر جو خود ہمارے ملک کے نوجوانوں کیلئے مثال ہیں۔ کہتے ہیں ''خواب کبھی مرتے نہیں۔۔۔ خواب ایک پیڑھی سے دوسری پیڑھی تک پہنچتے ہیں۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شفقت تنویر جو کہ پاکستانی کمیونٹی اور سیاست کا ایک قد آور نام ہے نے کہا کہ ''میں خود کو اِس کتاب کے خوابوں سے جڑا محسوس کرتا ہوں۔۔۔ہم بھی بچپن میں پاکستان میں رہنے والے دوسرے بچوں کی طرح دوپٹی کی چپل پہن کر گلی میں کرکٹ کھیلتے تھے اور پاکستان کو مضبوط بنانے کے خواب دیکھتے تھے آج بھی وہ خواب ہمارے دِل و ذہن میں موجود ہیں ہم اپنی نوجوان قوم کو ہر وہ موقع فراہم کرنا چاہتے ہیں جس سے وہ ہمارا کل بہتر کریں۔''

رؤف صدیقی وزیر ٹریڈ اینڈ انڈسٹریز (سندھ) نے اسٹیج پر آ کر محفل کو چار چاند لگا دیئے اُنہوں نے کہا کہ ''میں نے اپنی مصروفیات کے باوجود آج پاکستان جانے کا پلان اِس لئے ملتوی کر دیا کیونکہ میں ایک نوجوان لکھنے والے کی حوصلہ افزائی کر سکوں اُنہوں نے گھر سے چودہ ہزار میل دور بیٹھے پاکستانیوں کو یہ احساس دلایا کہ بکھرے ہونے کے باوجود ہم سب کے دِل ایک دوسرے سے کتنے قریب ہیں۔اُنہوں نے کہا کہ خواب دیکھنا مت چھوڑو۔پاکستان بنانے سے آج تک ہر کامیابی ہمیں ایک خواب دیکھنے اور اُسے پالنے سے ہی ملی ہے۔

کونسل جنرل آف پاکستان جناب ایس۔اے بابر ہاشمی نے کہا کہ ''ہم ہر اُس شخص کے ساتھ ہیں جو پاکستان کو آگے بڑھانا چاہتا ہے۔ہمیں آج میں مل کر اپنے کل کو بہتر بنانا ہے۔''

نارتھ امریکہ میں موجود منجھے ہوئے رائٹرز، شاعر، بزنس مین اور سیاستداں ایک اک کر کے اسٹیج پر آئے اور۔۔۔ہر شخص نے ایک ہی بات پر زور دیا ''خواب دیکھو اپنے پاکستان کے لیئے۔ہمیں اُمید ہے اپنی آنے والی نسل سے۔۔۔ہماری نئی نسل کے ہر خواب کی تعبیر کے لئے ہماری دعائیں اُن کے ساتھ ہیں، کسی بھی اسٹیج پر آنے والے نے ہمیں بریک ڈانس کر کے نہیں دکھایا لیکن اپنے کئی کئی جملوں سے مجھ میں ایسا جوش بھر دیا جو کیا ہی کوئی بریک ڈانس بھر پائے گا۔

اِس شام کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ اِنسان جو بھی خواب دیکھے جو بھی چاہے ممکن ہو سکتا ہے۔

□□K□□

سوچ کیا رہے ہو؟

ہم آپ کو ایک ہفتے میں دس پاؤنڈ وزن کم کرنے کا آسان سا طریقہ بتائیں گے نہ کھانے میں کوئی کمی نہ ہی کوئی ورزش اور نہ ہی کسی تکلیف سے گزرنا پڑے گا۔ایک ہفتے میں دس ہزار روپے کی ''چھوٹی سی'' فیس ادا کریں اور آپ کی زندگی میں کئی بھاری ''مشکلوں'' کا خاتمہ اور زندگی خوبصورت ہو جائے گی۔

ایسے اشتہارات آپ نے یقیناً اخبار، میگزین اور ٹی۔وی پر دیکھے ہوں گے اور کبھی نہ کبھی سوچا بھی ہو گا کہ اِس اشتہار کے مطابق سچ میں یہ جادو ہونا ممکن ہو، پچھلے کافی سالوں سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے، ٹی۔وی پر آنے والے اشتہار کچھ یوں ہوتے ہیں کہ ایک صاحب جو بہت زیادہ موٹے ہوتے ہیں اُنہیں اسکرین پر دکھایا جاتا ہے۔پریشان اور وہ کسی نہ کسی طرح اپنے وزن کی وجہ سے شرمندہ ہو رہے ہوتے ہیں یا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو وہ ٹریڈمل پر بھاگنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں یا پھر وزن کرنے والی مشین پر کھڑے اُلٹے سیدھے منہ بنا رہے ہوتے ہیں۔

ٹریڈمل اور وزن کی مشین دکھانے کے بعد جب وزن سے پریشان حضرت کی زندگی میں کوئی آس نہیں ہوتی تو اُن کی زندگی میں ایک ''بوتل'' آ جاتی ہے، زمین سے آپ کے پاؤں لڑکھڑا دینے والی بوتل نہیں بلکہ آپ کو ''ہلکا'' کرنے والی بوتل، اسکرین پر وہائٹ کوٹ پہنے ایک ڈاکٹر صاحب ہوتے ہیں جیسے وہ ٹی۔وی سے باہر آ جائیں گے اور جس کے بعد وہ کوئی ہارٹ سرجری کرنے جا رہے ہوں لیکن نہیں یہ دِل والے نہیں بلکہ وہ ڈاکٹر ہیں جو آپ کے لئے اُن تین خواہشات پورا کرنے والے ''جن'' کا کام کریں گے جس کا انتظار دنیا کے بیشتر لوگ ساری زندگی کرتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب ہی وہ جن ہیں یعنی ذریعہ ہیں جواب ایک بوتل کی مدد سے بھاری صاحب کی جیب اور جسم دونوں ہلکا کریں گے، اسکرین پر اب ڈاکٹر صاحب ایک ہاتھ میں بوتل لئے اور دوسرے سے پریشان صاحب کو ایسے شاباشی دیتے نظر آتے ہیں جیسے ابھی ابھی ''یہ دنیا یہ محفل میرے کام کی نہیں'' سوچنے والے صاحب نے میٹرک پاس کیا ہوا اچھی طرح شاباشی دینے کے بعد ڈاکٹر صاحب بوتل ''وزن کے دیو داس'' کے سامنے بڑھاتے ہیں اور پھر۔۔۔ جادو۔

ڈاکٹر صاحب سچ مچ بوتل کے جن ہیں، بوتل دیتے ہی اگلے سین میں موٹے صاحب غائب یعنی اُن کی یہ دنیا یہ محفل میرے کام کی نہیں والی دُعا قبول اور ایک دوسرے صاحب جو پہلے والے صاحب سے وزن میں ہی نہیں عمر میں بھی کافی کم ہیں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اُسی طرح کھڑے نظر آتے ہیں۔ اِن صاحب کا جسم دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تین چار سال سے باقاعدہ ورزش کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بہت شفقت سے نئے صاحب کی طرف دیکھنے کے بعد کیمرے میں مسکرا کر کہتے ہیں کہ ''دیکھا ہم نے کیا کیا؟ فوراً رابطہ کریں۔۔۔ اور ہم آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی کریں گے۔''

اسکرین پر۔۔۔ پھر دو نئی تصویریں یعنی ایک طرف اشتہار میں گزر جانے والے صاحب نمبر ون جو نہ جانے کہاں غائب ہو گئے اور دوسری طرف دو نمبر کے صاحب اور ساتھ ہی بڑا بڑا لکھا ہوا ''ایک ہفتے میں دس پاؤنڈ کم، آخر میں ڈاکٹر صاحب کی تصویر جس کے نیچے اُن کے گھر، موبائل اور کلینک کے نمبر لکھے ہوتے ہیں اور ساتھ ہی آواز۔۔۔ ''سوچ کیا رہے ہیں۔۔۔ فوراً فون اُٹھائیں اور کال کریں۔''

چاہے کوئی ماڈرن ملک ہو یا بیک ورڈ یہ ڈاکٹر صاحب ہر قد، نسل اور زبان میں ہر جگہ دستیاب ہیں حیرت انگیز طور پر بہت سے لوگ اشتہار دیکھ کر بغیر سوچے فون اٹھا لیتے ہیں اور ایک بھاری رقم دے کر وہ چورن جیسی چیز ڈاکٹر صاحب سے خرید لیتے ہیں جو آپ کے جسم میں جا کر بھوک نہ لگنے میں مدد کرے گی، جسم کو انرجی کے لئے کیلوریز کی ضرورت ہوتی ہے، کھانا نہ ملنے کی صورت میں جسم مسلز سے انرجی حاصل کرے کی کوشش کرتا ہے جس سے پہلے تو آپ کا واٹر ویٹ کم ہوتا ہے پھر دو چار پاؤنڈ اور کم ہو جاتے ہیں، تیس روپے کلو ملنے والے چورن کے کچھ چمچے آپ کو دس ہزار میں بیچنے اور آپ کے چار پاؤنڈ کم ہو جانے پر ڈ۔ڈ۔ ڈاکٹر صاحب آپ کے لئے شاہ رخ خان ہو جاتے ہیں یعنی آپ کے لئے سپر اسٹار۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آج ہم ڈاکٹر صاحب کی دوکان بند کریں گے اور بغیر کسی خرچے کے ''دونمبری وزن'' کم کرنے کے بجائے آپ کو وزن کم کرنے کے بالکل صحیح طریقے بتائیں گے، آپ جتنا بھی وزن سے متعلق ریسرچ پڑھ لیں یا جتنے بھی طریقے آزمالیں۔ چاہے جتنی بھی تھیوریز آجائیں اور انسان طب میں جتنی بھی ترقی کیوں نہ کرلے سچ مچ میں صحیح طرح وزن کم کرنے کا ایک اور صرف ایک ہی سیدھا طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جتنی کیلوریز آپ دِن میں لیتے ہیں اُس سے زیادہ جلائیں اور مستقل یہ کرتے رہیں اور بس۔

شاید یہ طریقہ سن کر آپ کا دِل ٹوٹ گیا ہو کیونکہ ہم کو عادت ہوگئی ہے کہ ینہ کپور کو دیکھ کر یہ سوچ لینے کی کہ اِس نے ضرور کوئی مشکل سی سرجری کروائی ہوگی یا پھر ہر بار کسی فٹ شخص کو دیکھ کر اُن جادوگروں ڈاکٹر یا بوتل والے جن کا خیال جب کہ سچ یہ ہے کہ جو لوگ مستقل طور پر اپنا وزن کنٹرول کر پاتے ہیں اُن کی زندگی کا فارمولا صرف اور صرف وہی آسان سا طریقہ ہے جو ہم نے آپ کو بتایا ہے۔۔۔یعنی جتنا کھائیں اُس سے زیادہ جلائیں۔

اِنسان اپنے موٹاپے کے ساتھ سب سے بڑی غلطی بھوکا رہ کر کرتا ہے اِس وقت بھی آپ کے ایک کلومیٹر کے اندر اندر کم سے کم پچاس خواتین ایسی ہیں جو ڈائٹنگ کر رہی ہیں یعنی کچھ نہ کھانا جس کی وجہ سے کچھ حد تک وزن اس لئے کم ہو جاتا ہے کہ آپ کمزور ہو رہے ہیں جب کہ آپ کے جسم کو صحیح طرح چربی گلانے کے لئے انرجی کی ضرورت ہے جیسے اچھے تیل کے بغیر گاڑی صحیح طرح نہیں بھاگے گی اُسی طرح آپ کی باڈی بھی کوئی کام صحیح طرح نہیں کرے گی اگر اُس کو کھانے کے طور پر انرجی نہ ملے۔

فلمسٹار رہتک روشن اِس لئے پتلے ہیں کہ وہ دِن میں چھ بار کھاتے ہیں لیکن صِرف ''صحت افزا کھانا'' سبزی پھل اور بہت کم تیل وغیرہ وغیرہ۔ آپ کے جسم کو مستقل تھوڑی تھوڑی تعداد میں انرجی ملے تو وہ آپ کو وزن کم کرنے میں مدد دیتی ہے ساتھ ہی کسی نہ کسی طرح کی ورزش لازمی ہے آپ نے ضرور سنا ہوگا کہ ہر انسان کو سات گھنٹے ضرور سونا چاہیے۔ غلط ہے یہ تھیوری ہر انسان مختلف ہوتا ہے کسی کے لئے پانچ گھنٹے کی نیند کافی ہے جب کہ کسی کیلئے آٹھ گھنٹے بھی کم ہیں، اِسی طرح ہر انسان کے جسم میں کلیوریز جلانا اور کھانے سے کیلوریز جمع کرنے کی سائیکل بھی مختلف ہوتی ہے۔

زندگی میں صرف وہی انسان کامیاب ہوتا ہے جو مقصد کی طرف محنت کرتا ہے، زندگی میں کچھ ایڈجسٹمنٹ اور محنت آپ کو مستقبل میں وہ کامیابی دکھا سکتی ہے جس کا آپ تصور بھی نہیں کرتے لیکن اگر آپ محنت کرنے سے گھبراتے ہیں تو پھر سوچ کیا رہے ہیں فوراً فون ملائیں اور ڈاکٹر صاحب سے بات کریں۔

□ □ K □ □

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شروع سے شروع کرتے ہیں

اگر آپ کو ایک کاغذ پر پنسل کی مدّد سے سیدھی لائن بنانی ہو تو آپ ایک بار کوشش کریں گے۔ نہیں بنتی تو اُسے مٹا کر پھر سے لائن بنائیں گے اور اگر پھر بھی آپ کی لائن سیدھی نہیں ہوئی تو پھر ایک اور کوشش بس کچھ اسی طرح کی کوششیں ہو رہی ہیں پاکستان ایجوکیشن کے ساتھ ہم بار بار ایجوکیشن سسٹم کی سیدھی لائن بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب حکومت کو لگتا ہے کہ نہیں یہ سسٹم صحیح نہیں بنا تو پھر اُسے پوری طرح مٹا کر پھر بنایا جاتا ہے۔ یہ سب پچھلے ساٹھ سال سے چل رہا ہے اور یہ بدلاؤ اُس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک لائن سیدھی۔ ہمارا مطلب ہے جب تک یہ ایجوکیشن سسٹم پوری طرح صحیح نہیں ہو جاتا۔

پنجاب حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ اِس وقت کے ایجوکیشن سسٹم کو بدل کر ایک نئی شکل دی جائے گی جس میں ایک بورڈ آف گورنس کو پنجاب کے چھبیس (26) کالجوں کے فیصلے کرنے کے سارے اختیارات دے دیئے جائیں گے یعنی کہ وہ کالجز جو ابھی تک صِرف حکومت کے انڈر آتے تھے اب اُنہیں ایک گورنس باڈی سُپر وائز کرے گی اِس خبر کے آتے ہی پنجاب کے کئی کالجوں کے طلباء، فیکلیٹیز، اور ٹیچرز سخت پریشان ہیں۔ ٹیچرز اور فیکلٹی کو یہ پریشانی ہے کہ نئی ایڈمنسٹریشن رولز ریگولیشن میں بدلاؤ لائے گی تو طلباء کو فکر ہے کہ فیس نہ جانے کتنی بڑھ جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

اِس خبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دِن پہلے ''JAC''، یعنی جوائنٹ ایکشن کمیٹی جس میں پنجاب کے مختلف کالجز کے طلباء سمیت پروفیسرز اینڈ لیکچررز ایسوسی ایشن (پی پی ایل اے) شامل ہے۔ اِنہوں نے صوبائی گورنمنٹ کے خلاف ریلی نکالی نہ صِرف یہ بلکہ پیپلز پارٹی اور پی ایم ایل (ق) نے بھی اِس فیصلے کی مذمت کی، بابر اعوان کے بیان کے مطابق اُن کی پارٹی اِس اقدام کی سخت مذمت کرتی ہے۔ سکے کو پلٹتے ہیں یعنی اُن لوگوں کا نکتہ نظر جانتے ہیں جنہوں نے اس گورنس باڈی کو بنانے کے بارے میں سوچا تو اُن کے مطابق پاکستانی ایجوکیشن سسٹم کو بین الاقوامی معیار پر پہچان نہیں مل رہی، ہمارے طلباء کو باہر داخلہ لینے میں زیادہ سے زیادہ مشکلات درپیش ہو رہی ہیں، نہ صرف یہ بلکہ جب کوئی پاکستانی باہر، ملازمت کیلئے درخواست دیتا ہے تو وہ بے شک جاب کے قابل ہوتا ہے مگر دوسرے ملک کے لوگوں سے صِرف اس لئے پیچھے رہ جاتا ہے کیوں کہ اُس کی کالج کی ڈگری کو بیرون ملک کوئی جانتا نہیں ہے، سمجھتا نہیں ہے۔

یہ کوئی پہلی بار نہیں ہے کہ ہمارے ایجوکیشن سسٹم کو پوری طرح بدل دینے کا پروپوزل رکھا گیا ہو 2002ء میں ہائر ایجوکیشن سسٹم کی بنیاد پڑی تھی جس سے کچھ حد تک چیزیں بہتر بھی ہوئی ہیں لیکن پچھلے آٹھ سالوں میں کیا بہتر ہوا ہے ہمارے ایجوکیشن اسٹینڈرز میں سوال یہ ہے۔

ایک بات جو سب سے پہلے سمجھنے والی ہے کہ کسی بھی طرح کے ایڈمنسٹریشن بدلاؤ سے کبھی بھی ہمارا ایجوکیشن معیار بہتر نہیں ہو سکتا۔ آپ چاہے کتنے ہی منظّم امتحانات منعقد کریں ہر طرح کے کاغذی کام کو بالکل درست طریقے سے کمپوٹر سے کروالیں اُس سے یقیناً ریکارڈز رکھنے اور غلطیوں کے کم اِمکان ہوں گے لیکن اِس سے تعلیمی معیار کیسے بہتر ہوگا؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر ہم چھبیس تعلیمی اداروں کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو شاید اُن سب کا کسی ایک گورنس باڈی کے آپریٹ کرنے سے تعلیمی معیار کا بہتر ہونا مشکل ہے۔

ہم نے پاکستان اور امریکہ کے بہترین کالج اور یونیورسٹیز سے تعلیم حاصل کی اور دونوں ملکوں کے تعلیمی انداز اور ماحول سے اچھی طرح واقف ہیں، کئی لوگ یہ نہیں جانتے کہ بیشتر پاکستان میں موجود طلبا امریکن اسٹوڈنٹس سے زیادہ ذہین اور علم رکھنے والے ہیں، تو پھر کیا ہیں وہ کچھ باتیں جن سے ہم اتنے پیچھے اور امریکن ایجوکیشن سسٹم اتنے آگے ہے۔

سب سے پہلے میرٹ، امریکہ کے کالجز میں ہر چیز کی چابی میرٹ ہے کسی طرح کا کوئی کوٹہ، پیسہ یا سفارش نہیں چلتا اگر آپ ہونہار ہیں چاہے آپ غریب عورت کے بن باپ کے بیٹے ہیں جیسے اُبامااور بل کلنٹن تو آپ کو آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا، اگر آج آپ کمزور ہیں لیکن ہمت ہے تو کل آپ کے صدر بننے کے راستے میں کوئی نہیں آئے گا کوئی گھرانہ ہو۔۔۔کیسا رنگ ہو، کوئی زبان بولتے ہوں۔محنت کر کے اگر آپ دِل سے پڑھتے ہیں اچھے نمبر لاتے ہیں تو آپ کی ٹیوشن مفت، آپ کے کھانے پینے رہنے سب کا خرچہ یونیورسٹی اُٹھائے گی۔

تعلیم کا مطلب ہے سیکھنا ڈگری حاصل کرنا نہیں۔ ہماری پاکستانی فلموں میں ہیرو کی ماں اُس وقت خوش ہوتی ہے جب ہیرو کہتا ہوا آتا ہے کہ ماں۔ میں پاس ہوگیا۔ یہ نہیں کہ ماں میں تعلیم یافتہ ہوگیا، امریکہ میں نوے فیصد طلباء کالج میں یہ سوچ کر داخلہ لیتے ہیں کہ مجھے زندگی میں کس چیز سے دلچسپی ہے میں کیا سیکھنا چاہتا ہوں، اگر آپ کے قدم مضبوط ہوں تو زندگی ہر قدم پر آپ کے لئے نئی راہیں بناتی جاتی ہے۔

ٹیچرز طلباء کے تعلقات اچھے اور دوستانہ ہونے ضروری ہیں۔ میں نے آج تک کسی امریکن ٹیچر کو کلاس روم میں کسی طالب علم کے کپڑوں یا صورت شکل پر تنقید کرتے نہیں دیکھا یا پھر کبھی بھی عمر، رنگ یا کلچرل فرق پر کوئی تبصرہ کرتے سنا ہے۔

زیادہ تر ٹیچرز کسی بھی قسم کی ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے بجائے اپنے طالب علموں کے ساتھ مل کر کام کرنا پسند کرتے ہیں کلاس کے پہلے دِن بیشتر ٹیچرز اپنے آفس، موبائل اور یہاں تک کہ کچھ تو اپنے گھر کا نمبر طلبا کو دے دیتے ہیں تا کہ اُنہیں احساس ہو کہ وہ ہمیشہ اُن کے ساتھ ہیں یہ صرف وہ ٹیچر نہیں ہیں جو کلاس میں آ کر لیکچر دیتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

طلباء اپنے کورس خود چنتے ہیں آپ کو ایم بی اے کرنے کیلئے پندرہ کورس کرنے ہیں تو آپ کوئی بھی کورس کسی بھی سمیسٹر میں لے سکتے ہیں آپ کو کالج اتنا اعتماد دیتا ہے کہ آپ اپنے لئے صحیح فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ساتھ ہی کالج میں پڑھنے والے اسی فیصد اسٹوڈنٹس کہیں نہ کہیں نوکری ضرور کرتے ہیں تا کہ وہ اپنی فیس کا کچھ حصہ اور دیگر اخراجات پورے کر سکیں۔ اِس سے اُن میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے کالج میں غیر نصابی سرگرمیوں کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے اسٹوڈنٹس کلب سارے سال مختلف Events کرواتے رہتے ہیں۔

ہمارے ذہین طلباء سسٹم کے نیچے دب کر امریکن طالب علم سے زندگی میں کامیابی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں اگر ہم بھی اِن کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو انتظامیہ نہیں بلکہ تعلیم کی طرف برتاؤ بدلنا پڑے گا اور ہاں حکومت کو اگر کچھ بدلنا ہی تو ہماری تعلیم کے بجٹ کو بدلیں جو کہ یونائیٹڈ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نیشنز ڈیلوپمنٹ رپورٹ 2010ء کے مطابق صرف 2.9% ہے جب کہ کینیا اور گھانا جیسے ترقی پذیر ملک میں یہی ایجوکیشن بجٹ ہم سے زیادہ ہے یعنی پانچ اور سات پرسنٹ۔

□□K□□

شیلا کی جوانی

واہ۔ واہ کیا ڈانس کیا ہے کترینہ کیف نے اِس گانے پر۔۔۔ کترینہ نہیں تو کرینہ یا پھر پریانکا کی تعریفوں کی گونج ہوتی ہے ہر دوسرے پاکستانی گھر میں۔ آج کل جب بھی کسی ہندوستانی نئی فلم کو ریلیز کے دِن ہی ''پائرٹ'' کر کے پاکستان کے ہر بڑے شہر کے کیبل ٹی۔ وی پر دکھایا جارہا ہوتا ہے۔

واہیات شاعری والی عجیب وغریب موسیقی پر بنے گانے اور اُن گانوں پر بالی وڈ ہیروئنز کے ڈانس والی فلمیں جب بھی ریلیز ہوتی ہیں تو ہر جگہ اُس ہیروین کی تعریفوں کے پُل باندھے جارہے ہوتے ہیں۔ وہ پُل جو اگلے بے تال کے گانے عرف آئٹم نمبر آنے تک نہیں گرائے جاتے۔

پاکستان کے ہر بڑے چھوٹے شہر میں کپڑے کی دوکانیں ہوں یا پھر ہیئر ڈریسنگ سیلون ہر جگہ ''شیلا'' کی تصویریں لگی ہوتی ہیں۔ شیلا یعنی تازہ ترین بالی وڈ فلم کی ہیروین آپ چاہے قد میں چھوٹی یا لمبی، پتلی موٹی وزن میں جوانی آنے میں وقت ہے یا پھر وقت آپ کی جوانی بہت پیچھے چھوڑ چکا ہو آپ کا مسئلہ کچھ بھی ہو لیکن دوکانوں میں لگی تصویریں آپ کو یقین دلا رہی ہوتی ہیں کہ بیس کلو وزن زیادہ ہونے کے باوجود آدھا انچ بال کٹوا لینے سے آپ کے میاں کو بھی یقیناً آپ شیلا یعنی کیترینہ کیف لگیں گی۔ ہاں شاید اُتنی ہی کترینہ کیف جتنے میاں بیچارے اکشے کمار لگتے ہیں۔

سونیا گاندھی نے کہا تھا ہم پاکستان پر کلچر کے ذریعے قبضہ کر چکے ہیں۔ ہماری فلمیں ہمارے گانے اُن کے گھر اور لائف اسٹائل کا حصہ بن چکی ہیں، سونیا نے غلط کہا تھا صرف فلمیں ہی نہیں ٹی۔ وی بھی، ہمارے اور اُن کے ٹی۔ وی ڈراموں میں صرف ایک ''بندیا'' کا فرق رہ گیا ہے۔ ہمارے ٹی۔ وی پر آپ کو خواتین بندیا لگائے نظر نہیں آتیں ورنہ ہر چیز ہم نے انڈیا کی ایسی کاپی کی ہے جو کیا ہی چائنا کسی الیکٹرونک کی کرتا ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ بندیا کا نقطے برابر فرق بھی ہمارے ٹی۔ وی ڈراموں میں جلد ہی ختم ہو جائے گا۔

کچھ مہینے پہلے ہم پاکستان کے ایک اسٹوڈیو میں بیٹھے تھے جہاں ایک پرائیوٹ ٹی۔ وی چینل کے لئے انٹرویو ریکارڈ کیا جارہا تھا۔ انٹرویو ایک بڑے ڈرامہ ڈائریکٹر کا تھا۔ انٹرویو لینے والے ہوسٹ نے پوچھا پاکستان میں اتنے ڈائریکٹرز ہیں پھر ہم اپنی پاکستانی فلمیں کیوں نہیں بناتے؟ وہ فلمیں جن میں پاکستان کے کلچر کو پروموٹ کیا جائے جس میں لوگ انڈیا کی نہیں اپنی چیزوں کو پسند کرنا سیکھیں۔ ڈائریکٹر صاحب نے بڑے کمال کا جواب دیا وہ فرماتے ہیں ''ایک پکچر ہاؤس کے باہر فلم لگی'' کا بورڈ لگا ہو۔ اور نیچے ہماری فلم ''پھجنی'' کا لگا ہو تو کون جائے گا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہماری پھجنی دیکھنے۔

ڈائریکٹر صاحب کا مطلب تھا کہ ہم انڈیا جیسی بڑی فلم کبھی نہیں بنا سکتے۔

اگلے کچھ دِن تک بار بار کسی بھی انڈیا کی فلم کے ذکر یا ٹی۔وی پر نظر آنے پر ہم کو اپنے ''پھجنی ڈائریکٹر صاحب'' کا خیال آتا رہا۔ یہی ڈائریکٹر اور انہی جیسے ان گنت دوسرے بھی وجہ ہیں کہ کیوں نہیں ہم مقابلہ کر پاتے انڈیا کی فلموں کا، امیتابھ بچن کے گھر والے اگر تقسیم کے بعد بھی فیصل آباد میں ہی رہتے اور دلیپ کمار، راج کپور یا شاہ رخ کے گھر والے پشاور نہ چھوڑتے تو یہ لوگ کبھی اسٹار نہیں بنتے اِس لئے نہیں کہ اِن میں اتنا بڑا اسٹار بننے کا ٹیلنٹ نہیں ہوتا بلکہ اِس لئے کہ جب یہ کسی پاکستانی ڈائریکٹر کے پاس جاتے تو وہ اُن سے کہتا ''چھوڑو یار۔۔۔فائدہ کیا پھجنی بنانے کا۔'' نہ جانے ہمارے کتنے دلیپ کمار، امیتابھ بچن اور شاہ رخ خاں پھجنی ڈائریکٹرز نے ضائع کر دیئے۔

عدنان سمیع خاں نے جب پاکستان میں کہا کہ میں دنیا میں سب سے تیز ''کی بورڈ'' بجا سکتا ہوں تو پاکستان نے اُن سے کہا چلو دوپہر چار بجے ٹی۔وی پر بچوں کا پروگرام جو کوئی نہیں دیکھتا ہے اُس میں بیٹھ کر بجاؤ۔ کچھ دِن عدنان نے چار بجتے ہی بجانا شروع کر دینے والا شو کیا اور پھر اپنی قسمت بچانے کے لئے انڈیا چلے گئے۔ وہاں سے دنیا بھر میں شہرت کمائی، اِسی طرح سالوں سے پاکستان میں موجود علی ظفر بھی اپنی قسمت کو ''تیرے بن پاکستان'' کہتے انڈیا جا چکے ہیں۔

انسان آگے بڑھتا ہے کوشش سے آگے مقابلہ بڑا ہو تو آپ کو مزید سخت ہو کر کرنا پڑتا ہے، جو چیز ہمارے کھلاڑی اور سیاستداں نہیں کر سکتے وہ ہمارے ڈائریکٹرز کر سکتے ہیں یعنی انڈیا کو اپنے دِلوں اور گھروں سے نکالنے کا کام جس میں وہ فلموں کے ذریعے پاکستانیوں کو پاکستان کی اپنی کہانیوں میں دلچسپی پیدا کروائیں تا کہ لوگ اپنے دو سال کے بچے کے شیلا کی جوانی گانے کے ہر Step آنے پر فخر کرنے کے بجائے بچے کو کسی بہتر چیز کے سوچنے کا موقع دیں۔

ہمارے زیادہ تر پھجنی ڈائریکٹرز اِس لئے مقابلہ نہیں کریں گے کہ مقابلہ مشکل ہے۔ میاں عدنان احمد ایک ایسے پاکستانی فلم ڈائریکٹر ہیں جنہیں نہیں لگتا کہ ہماری کوئی بھی کوشش چھوٹی ہوگی۔ شاید اس لئے کیوں کہ اگر کسی بھی چھوٹی کوشش میں بڑی محنت ڈال دیں تو وہ چھوٹی نہیں رہتی۔

میاں عدنان نے پچھلے سال Heal نامی ایک شارٹ فلم بنائی ہے چوبیس منٹ کی یہ فلم ایک عظیم نامی بچے کے اطراف گھومتی ہے۔ عظیم پاکستان افغانستان کے بارڈر پر رہتا ہے اور ایک سانحے کے بعد گاؤں کے واحد ٹیچر جب ہر اُمید کھو بیٹھتے ہیں تب عظیم اُنہیں واپس اُمید دلوانے میں مدد کرتا ہے کیوں کہ عظیم جانتا ہے کہ تعلیم ہماری واحد اُمید ہے۔

Heal فلم پہلے ایک سال میں کئی بڑے انٹرنیشنل ایوارڈ جیت چکی ہے۔

انگلینڈ، امریکہ ہر جگہ بڑے بڑے فلم میکرز نے اِس فلم کی تعریف کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان میں بھی میاں عدنان کی پذیرائی کی جائے ورنہ وہ بھی کچھ دِن میں اِنڈیا کا راستہ ناپیں گے اور ہم ہر اُس پاکستانی ڈائریکٹر سے کہنا چاہتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم صرف پھجنی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بنا سکتے ہیں کہ دوڑنے سے پہلے ذہن میں خود کو ہارا ہوا محسوس کرنے والا کبھی نہیں جیتتا۔

آپ ''پھجنی'' ہی سہی بنانے کی کوشش تو کریں ہم یقین دلاتے ہیں پاکستان کے عوام شیلا کی جوانی کو نو نو نو۔۔۔نو کہتے آپ کی پھجنی کو گجنی سے بھی زیادہ سُپر ہٹ بنائیں گے۔

کوئی ایک سرا پکڑنے کی کوشش کرے تو ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری پاکستانی فلموں کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا صِرف پاکستان ہی میں نہیں ہم دنیا بھر میں فلموں کے ذریعے پاکستان کی بہتر شناخت کروا پائیں گے۔

□ □K □ □

صرف پاکستان میں

اِس وقت دنیا کی ہر بڑی طاقت کا فوکس پاکستان پر ہے وجہ؟ وجہ ہے اُن کے اندر کا ڈر پاکستان سے، ٹھیک ہے مانا کہ پاکستان میں ہر چیز صحیح نہیں ہے اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن پر ہم آج نہیں تو کل قابو پا ہی لیں گے لیکن پاکستان سے باہر رہنے والے دوسرے ملکوں کے لوگ اور یہاں تک کہ بیرون ملک پاکستانی بھی آج انٹرنیشنل پریس کی وجہ سے پاکستان سے ضرورت سے زیادہ ڈرنے لگے ہیں، انٹرنیشنل میڈیا کو لگتا ہے کہ پاکستان میں دہشت گردی کے ٹریننگ کیمپس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے سانحے ہر جگہ ہوتے ہیں لیکن جب بھی پاکستان میں چھوٹی سی چوری بھی ہو جائے تو وہ یقیناً ''دہشت گردوں'' کا کام ہوتا ہے اور پاکستان کی بدنامی بین الاقوامی سطح پر شروع ہو جاتی ہے۔ جب دنیا دیکھے، ہر بات سمجھنے والے بیرون ملک پریس رپورٹرز ایسی باتیں کرتے ہیں تو ہمیں خود پر نہیں اُن پر حیرت ہوتی ہے۔

ہماری بھی عادت ہوگئی ہے بات شروع نہیں ہوئی اور اپنے ملک کی بُرائی شروع اگر ہماری ذہانت کم ہے اور داخلہ کسی اچھے کالج میں نہیں ہوا تو یہ ملک کی غلطی ہے جہاں نوکری ملی بس کر لی اور کام میں دلچسپی نہیں لی تو آگے نہ بڑھ پانا بھی ملک کی غلطی، اپنا خیال نہیں رکھا اور بیمار ہو گئے تو یقیناً وہ بھی ملک کی غلطی سوسائٹی ہم بناتے ہیں اور اِس کا صحیح نہ ہونا بھی ملک کی غلطی۔ اپنے سسٹم کو درست کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ سوچا بھی نہیں شاید۔ اور سسٹم کی خرابی ملک کی غلطی۔

دو دوست مل کر ابھی ڈھنگ سے بیٹھے بھی نہیں ہوتے کہ ملک سے جڑی کسی نہ کسی چیز کی ٹانگ کھینچنے لگتے ہیں آج ہمیں کوئی ایسا چاہیے جو ہمارے نوجوانوں کو سمجھائے کہ چیزوں کا تجزیہ یا تنقید کرنے سے بہتر ہے کہ جو صحیح نہیں لگتا اُسے درست کرنے کی کوشش کرو۔

پاکستان میں دس برائیاں ہیں تو دس اچھائیاں بھی ہیں۔ بہت کچھ ہے ہمارے پاکستان میں۔۔۔ ایسا جو دنیا میں اور کہیں نہیں ہے۔ ایک ایک چیز کے بارے میں لکھنے لگیں تو پورا اخبار بھی کم پڑے گا اِس لئے آج ہم پاکستان کی صِرف کچھ ایسی چیزوں کی بات کریں گے جو اس کی خصوصیت ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دنیا کا سب سے بڑا گلیشیئر پاکستان میں ہے، اِس کے شمالی علاقے کو بے شک دنیا کا حسین ترین خطہ قرار دیا جا سکتا ہے اگر آپ کو پہاڑی علاقے میں گھومنے کا شوق ہے تو نیپال میں واقع مشہور زمانہ ہمالیہ کو بھول جائیں جو حسن آپ کو پاکستان کے ایک گلیشیئر میں ملے گا وہ اور کہیں نہیں ہے۔ پاکستان کے اِنتہائی شمالی مغربی علاقے میں واقع کریگی گلیشیئر دنیا کا سب بڑا گلیشیئر مانا جاتا ہے۔

پاکستان میں واقع ہنزہ ویلی نے اپنے حسن کی وجہ سے وہاں لوگوں کو آنے پر مجبور کیا ہے لیکن یہ علاقہ دنیا کے لئے صرف اس وقت کھلا جب شاہراہ قراقرم کھلی 1986ء میں، اُس سے پہلے نہ ہی کوئی یہاں آتا تھا اور نہ ہی اِس علاقے سے کوئی باہر جاتا تھا اِس لئے یہاں ایک ایسی زبان بولی جاتی ہے جس کا حوالہ دنیا میں کہیں اور نہیں ملتا۔ اِس زبان کا نام ہے ''بروساشکی'' اِس زبان کا تعلق بھی دنیا میں کہیں اور نہیں ہے۔

''ناگا پربت'' دیکھنے والا نظارہ ہے دور تک پھیلی ہوئی پہاڑیاں۔ ناگا پربت ساؤتھ فیس ''پوپل'' کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ دنیا کی سب سے اُونچی پہاڑی ہے۔ یہ زمین سے چار ہزار چھ سو فیٹ (4600) اُونچائی پر ہے اگر ناگا پربت کی کل اونچائی زمین کے اوپر اور نیچے سے ملا کر ناپی جائے یعنی دریائے سندھ سے تو ناگا پربت کوئی سات ہزار فٹ اونچا ہے۔

گرینڈ ٹرانگو دنیا کی سب سے بڑی Cliff ہے جس کی چوٹی کی اونچائی تیرہ سو چالیس میٹر ہے۔ یہ بھی پاکستان میں واقع ہے۔

دنیا کا سب سے عجیب وغریب قبیلہ بھی پاکستان میں موجود ہے، کیلاسا (Kalasa) نامی یہ قبیلہ پاکستان کے ایسے جنگلوں میں رہتا ہے جہاں کسی کا بھی باہر سے اندر جانا ممکن نہیں۔ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اِس کے باوجود بھی اِس قبیلے میں ایک ایسے مذہب کو مانا جاتا ہے جو اسلام کے ظہور سے پہلے کا ہے اور اِن لوگوں کے طور طریقے بہت زیادہ پرانے یورپین طور طریقوں رسم ورواج سے ملتے جلتے ہیں۔ موجودہ دور سے بچھڑے قبیلوں میں کیلاسا دنیا کا سب سے عجیب اور حیرت انگیز قبیلہ ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی مسجد یعنی فیصل مسجد بھی پاکستان میں ہے۔ 1976ء میں مکمل ہونے والی یہ مسجد اتنی بڑی ہے کہ اِس میں اِسلام آباد کے تمام لوگ ایک ساتھ باجماعت نماز پڑھنا چاہیں تو پڑھ سکتے ہیں۔

پاکستان میں واقع شمالی مغربی علاقے چترال کو رقبے میں کم ہونے کے باوجود یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہاں بیک وقت تیرہ زبانیں بولی جاتی ہیں رقبے اور زبان کے حساب سے اگر دیکھا جائے تو یہ دنیا کا سب سے زیادہ ملٹی کلچرل خطہ ہے۔

پاکستان میں دنیا کے سب سے زیادہ رفیوجی آباد ہیں۔ 1979ء سے شروع ہونے والے اس سلسلے کے بعد تقریباً دس ملین رفیوجی پاکستان آ چکے ہیں جو کہ اپنی طرز کا عالمی ریکارڈ ہے۔

دنیا کی سب سے اونچی سڑک جو دو ملکوں کی سرحدوں کے بیچ واقع ہے وہ پاکستان اور چائنا کے درمیان ہے، قراقرم روڈ پر واقع سب سے اونچا پوائنٹ خنجراب پاس ہے۔ اِتنی اونچی پکی سڑک دو ملکوں کے درمیان دنیا میں کہیں نہیں پائی جاتی۔

حیرت انگیز طور پر دنیا کی سب سے بڑی آٹو میٹک کنال کے ذریعے کھیتوں کو پانی دینے کا سسٹم بھی پاکستان میں ہے، یہ سسٹم دریائے سندھ پر انحصار کرتا ہے اور اسے انگریزوں کے زمانے میں لگایا گیا تھا پھر اِس کے بعد 1960ء میں اِسے اَپ ڈیٹ کیا گیا تھا لیکن اب وہ کسی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

استعمال میں نہیں آتا اور آج وہ صرف ایک پرانی زنگ آلود مشین ہے۔

اگلی بار جب کبھی آپ اپنے دوستوں رشتے داروں کے ساتھ بیٹھیں اور پھر کوئی آپ کو یہ گنوانے لگے کہ کیا نہیں ہے پاکستان میں تو آپ یقیناً اُنہیں جواب میں یہ بتا سکتے ہیں کہ پاکستان کے پاس وہ کچھ ہے جو دنیا میں کسی اور کے پاس نہیں کئی ایسی چیزیں ہیں جو ہم کو عام سے خاص بناتی ہیں، دنیا کا واحد ملک ہے پاکستان جو ایک مذہب کی بہتر پریکٹس کے لئے وجود میں آیا تھا۔ ہم مذہب کی پابندی کر سکیں اِس لئے دوسرا ملک بنانا ہے۔ اِس کی مثال اِنسانی ہسٹری میں کوئی اور نہیں ملتی۔

ایک پاکستانی ملک سے باہر آتا ہے بغیر کِسی کی مدد کے گھر گاڑی بینک بیلنس سب بنا لیتا ہے ایسی ایک نہیں کئی مثالیں ملتی ہیں یعنی ہم محنتی لوگوں کی قوم ہیں پھر کیوں ہم ملک کی کچھ بُری باتوں کو بہتر بنانے کے بجائے اُس سسٹم سے بہت جلد ہار مان لیتے ہیں!

K

فیس بک کے بعد

یہ بات اب تک سب ہی لوگ جان گئے ہیں کہ پاکستان وہ واحد ملک تھا جس نے سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹ فیس بک کو کچھ پہلے اِس لئے پورے ملک سے بین کر دیا تھا کیونکہ اُس سائٹ پر ایک ایسا گروپ بنایا گیا تھا جس پر ہمارے مذہب کے بارے میں غلط بات کی جا رہی تھی۔

سب مسلمان ساتھ تھے ایک اسلامی آواز تھی کہ مئی اکیس کو فیس بک کو Ban کیا جائے اور پاکستان کی اتھارٹیز نے فیس بک پوری طرح سے انٹرنیٹ اور موبائل فون پر سے بلاک کر دیا۔ ایسا نہیں تھا کہ دنیا کے دوسرے حصوں کے مسلمان خاموش تھے جگہ جگہ جلوس نکلے نعرے لگے فیس بک کے خلاف بینر تھامے دنیا کے سب ہی چھوٹے بڑے ملکوں کے شہروں میں مسلمان جلوس نکالتے نظر آئے لیکن پاکستان دوسرے ملکوں سے اِس لئے ایک قدم آگے تھا کیونکہ کسی بھی دوسرے اِسلامی ملک نے آفیشلی فیس بک کو بین نہیں کیا۔ اتحاد ہو تو ہم جیسا اِس بارے میں کئی لوگوں کی طرح ہم نے بھی لکھا ہے۔

کچھ دِن گزرے لوگوں نے فیس بک پھر استعمال کرنا شروع کر دیا ایک ایک کر کے پاکستان میں انٹرنیٹ مہیا کرنے والی کمپنیوں نے بھی یہ بین ہٹا دیا اِسی بیچ پاکستان میں ایک نئے طرح کے سوشل نیٹ ورک کی پیدائش ہوگئی۔ یہ سائٹس خود کو اِسلامی سوشل نیٹ ورکس کہتی ہیں اور تقریباً فیس بک جیسی ہی لگتی اور کام کرتی ہیں۔ فیس بک کے مسلم ممبرز خاص طور سے پاکستانیوں کو یہ احساس دِلایا جا رہا ہے کہ فیس بک استعمال کرنے کو غلط سمجھنے سے زیادہ ضروری اِن نئی سائٹس کو استعمال کرنا ہے۔

یقیناً اگر آپ فیس بک یا کم سے کم ای میل استعمال کرتے ہیں تو آپ کو پچھلے کچھ دِنوں میں ایک بڑی تعداد میں وہ ای میلز آئی ہوں گی جن

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں کئی نئی سوشل سائٹس پر آپ کے دوست آپ کو دعوت دے رہے ہیں۔ آج ہم ان نئی سوشل خاص مسلمانوں کیلئے سائٹس کے بارے میں بات کریں گے۔

یہ نئی سوشل ورکنگ ویب سائٹس میں سے ایک کھولنے پر جب ہم نے یہ پتہ لگانے کی کوشش کی کہ اِن سائٹس کو بنانے والے کون لوگ ہیں اور ہمیں ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ سائٹس کیوں جوائن کرنی چاہیے تو پتہ چلا کہ اِس سائٹ کو بنانے والے کچھ پاکستانی لڑکے ہیں جن کے مطابق اُنہوں نے دو تین دِن میں ہی یہ پوری سائیٹ بنالی تا کہ اِسے جلد از جلد لانچ کر سکیں۔ یقیناً یہ سچ ہوگا لیکن ساتھ ہی اُنہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اِس سائیٹ کو پانچ منٹ دیکھ کر کوئی کمپوٹر پروفیشنل اندازہ لگا سکتا ہے کہ اِس سائیٹ کی پوری بیک بون اُسی کمپوٹر پروگرام پر بغیر اجازت کے لکھی گئی ہے جس کا اصلی مالک فیس بک ہی ہے۔

فیس بک سے خود کو موازنہ کرتی یہ ویب سائٹ کہتی ہے کہ فیس بک کو سالوں لگے تھے پوری طرح کام کرنے میں اور وہ کئی سال صرف ایک ٹیسٹ سائٹ تھی جو 98-1997ء کے بیچ کئی سال کی جدوجہد کے بعد مکمل طور پر کام کے قابل ہوئی نہ جانے یہ انفارمیشن اِس نئی سائیٹ بنانے والوں کو کہاں سے ملی کیونکہ فیس بک کبھی بھی ایک ٹیسٹ سائٹ نہیں تھی۔ وہ ایک اسٹوڈنٹ سائٹ تھی جسے صرف ہارورڈ یونیورسٹی کے طالب عالم استعمال کر سکتے تھے لیکن عام پبلک نہیں اور فیس بک سائٹ 1998ء میں نہیں فروری چار 1994ء میں متعارف کروائی گئی تھی۔

ہماری سائیٹ کے پندرہ دِن میں تین لاکھ سے زیادہ ممبر بن گئے ہیں جب کہ فیس بک کے پہلے ہفتے میں صرف تین ہزار ممبرز تھے، یہ دعویٰ کر رہی ہے یہ نئی سوشل سائٹ۔ تین سو ممبرز ہوں یا تین لاکھ اِس کی تصدیق کوئی بھی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ تین لاکھ کا ہندسہ کسی باہر کی آڈٹ کمپنی نے نہیں دیا بلکہ سائیٹ کے مالک خود یہ دعویٰ کر رہے ہیں ساتھ ہی فیس بک کے پہلے مہینے کے ممبرز کی تعداد کی گنتی سے مقابلہ کرنا اِس لئے غلط ہے کہ فیس بک کو پہلے ہفتے میں صرف ہارورڈ کے طلباء ہی استعمال کر سکتے تھے اور کوئی نہیں۔

یہ نئی سائیٹ یہ بھی دعویٰ کرتی ہے کہ لانچ کے فوراً بعد اس سائیٹ پر عزرائیلی عہدے داروں اور سی آئی اے نے حملے کرنے شروع کر دیئے تا کہ یہ سائیٹ نہ چلے اِس کے باوجود سائیٹ کے مالکان نے ہمت نہیں ہاری۔ واحد طریقہ یہ جاننے کا کہ کون آپ کی سائیٹ سے جڑ رہا ہے وہ ہوتا ہے سائیٹ سے جڑنے والے کا IP ایڈریس، کسی سائیٹ پر Connect ہوتے وقت اپنا IP چھپا لینا کوئی بہت مشکل کام نہیں ہے آج کمپوٹر استعمال کرنے والا بچہ بچہ یہ کر سکتا ہے یہ بات ہضم نہیں ہوتی کہ سی آئی اے جیسی بڑی ایجنسی کے کمپوٹر آپریٹرز اِس سائیٹ پر attack کریں گے اور اپنی IP چھپائیں گے نہیں تا کہ سب کو پتہ چل جائے کہ سی آئی اے اٹیک کر رہی ہے صرف سائیٹ پر حملہ نہیں بلکہ مالکان اور سائیٹ کے پروگرامرز کو دھمکیوں والے فون بھی آئے ہیں کہ سائیٹ بند کرو ورنہ اچھا نہیں ہوگا یعنی سی آئی اے ایجنٹس اور عزرائیلی ایجنٹس کا جب اِن سائیٹس پر اٹیک سے دِل نہیں بھرا تو وہ سائیٹ کے مالکان کے لاہور کراچی کے لوکل نمبروں پر فون کر کے دھمکیاں بھی دینے لگے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نئی سائیٹ کے حساب سے انٹرنیٹ پر اِن کی رینکنگ بیس ہزار اور دوسری پاپولر سائیٹس سے نیچے ہے اِس کے باوجود اُنہیں یقین ہے کہ دنیا کی تیسرے نمبر کی مشہور ترین ویب سائٹ ''فیس بک'' کو اِن سے بہت خطرہ ہے اسی لئے فیس بک نے اِس سائیٹ کو انٹرنیٹ سے Ban کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

''ہم کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے مگر ہم ہار نہیں مانیں گے۔۔۔جیت ہماری ہوگی۔۔۔ہم مل کر دشمن کو ختم کریں گے اِس لئے آپ ہماری سائیٹ جوائن کریں۔'' یہی کچھ اُس سائیٹ کا خلاصہ ہے جو خود کو مسلمانوں کے لیے نئی سوشل سائیٹ فیس بک کا بدل بتاتے ہیں اور اپنا بزنس ماڈل مسلمانوں کے جذبات پر جمانا چاہتے ہیں۔ بے شک فیس بک غلط تھا اور ہم اپنے مذہب کی خلاف ورزی کرنے والے کو کسی بھی قیمت پر صحیح نہیں سمجھ سکتے لیکن آپ کے جذبات کو استعمال کر کے خود فیس بک کا آئیڈیا کاپی کر کے آپ کو ایسی سائیٹ کو جوائن کرنے کو مجبور کیا جارہا ہو جس کے بزنس کا سارا منافع اُس کے مالکان کو جارہا ہو۔کہاں سے اِسلام کی جیت ہے سمجھ میں نہیں آیا۔

K

کراچی پریس کلب

سو سال سے زیادہ پرانی کراچی کے ایک شور شرابے والے مصروف علاقے کے بیچ کھڑی وہ ایک عمارت۔۔۔ہمیں اندر جانے پر ان گنت کہانیاں سناتی ہے، کراچی پریس کلب پہنچنے پر آج کی تیز رفتار سرور شہید روڈ پر پارکنگ ملنا ناممکن بات ہے لیکن گزرے ہوئے کل کی اسی اینگل روڈ پر پریس کلب کے باہر کھڑے آپ گھنٹے میں سڑک پر کتنی گاڑیاں گزریں آرام سے گن سکتے تھے۔ یہ بات ہے 1958ء کی جب اِس وکٹورین اسٹائل بلڈنگ میں پاکستان کے پہلے پریس کلب یعنی کراچی پریس کلب کی بنیاد پڑی۔

کراچی پریس کلب کے پہلے صدر آئی ایچ برنی تھے جب سے شروع ہونے والے اِس کلب کی ممبر شپ کا سلسلہ جاری ہے نوسو سے زیادہ ممبرز میں شہر کے سارے ہی بڑے جرنلسٹوں کے علاوہ تعلیمی اِداروں سے تعلق رکھنے والے، بزنس مین اور پبلک سروسز کے لوگ شامل ہیں۔ پرنس کریم آغا خاں، ڈاکٹر عبدالسلام سے جہانگیر خان اور عمران خان تک سب ہی کراچی پریس کلب کی ممبر شپ کی لسٹ میں شامل ہیں۔

کلب کے اندر جاتے ہی چاروں طرف دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اِس دنیا کے تیزی سے بدلتے ماحول کا اثر اِس کلب پر نہیں پڑا، مضبوط عمارتوں کے سامنے وقت کمزور ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کلب میں لگی پچاس سال پرانی تقریبات کی تصویریں وقت کے کمزور ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔ یہ تصویریں کل کی سی لگتی ہیں۔

کئی سال پہلے میں اپنے والدین کے ساتھ گاڑی میں جارہا تھا۔ابو ہم کہاں جارہے ہیں؟''

''کراچی پریس کلب۔'' ابو نے جواب دیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہر بچے پر فرض ہوتا ہے کہ پورا جواب ملنے کے باوجود اُس جواب میں سے ایک نیا سوال نکالیں، میں نے یہ فرض نبھاتے ہوئے پوچھا۔ ''کراچی پریس کلب کیا؟''

ابو نے جواب دیا۔ ''بیٹا شہر کے تمام جرنلسٹ اور بڑے رائٹرز اِس کلب کا حصہ ہیں۔''

خوشی تھی کہ میں ایک ایسی جگہ جا رہا ہوں جہاں موجود ایک ایک شخص ہزاروں لاکھوں لوگوں کیلئے خبروں، انفارمیشن اور علم کا ذریعہ بنتا ہے، تقریباً دو ہزار گز پر اِس پریس کلب کی چہار دیواری میں ہر سو علم پھیلا ہے۔

وہ اونچی چھت والا ابراہیم جلیس آڈیٹوریم اور اُس کا چھوٹا سا دروازہ جس میں گزرنے کے بعد کئی لوگ بڑے بن گئے۔ وہ کینٹین کی میزوں پر قہقہوں کی گونج میز پر رکھی ہر باقر خانی کو ملک بھر کی اچھی بری، سیاسی، کرپشن، تفریح ساری جانکاری دینے کے بعد ہی کھایا جاتا، بحث کرنے والے چاہے ایک دوسرے سے کتنا بھی اختلاف کیوں نہ کر رہے ہوں یا پھر ٹیبل پر بیٹھے چاروں کے چاروں صحافی مختلف اخباروں سے تعلق رکھتے ہوں لیکن ہر شام پھر مل بیٹھنا اور اُن کا ایک ہی چینک سے چائے پینا بتاتا ہے کہ کراچی پریس کلب کے ممبر دِل سے ایک دوسرے کے کتنے قریب ہیں، جہاں دنیا بھر کے رپورٹرز ایک دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں وہیں کینٹین میں بیٹھے کراچی پریس کلب کے ممبرز پر اُس ''دشمنی'' کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔

وہ بچپن میں چھپن چھپائی کھیلتے پریس کلب کو اچھی طرح دیکھ لینے کے بعد میں جانتا ہوں اگر بڑے ہونے پر مجھے بھی ایک اچھا رائٹر بننا ہے تو میں پھر کراچی پریس کلب ضرور آؤں گا وہ لوگ جو کراچی پریس کلب کا حصہ ہیں اُن کے پاس علم کا خزانہ ہے اور اُنہیں الفاظ پر عبور ہے۔ میں بھی اِس خزانے کا حصہ بننا چاہتا تھا کیونکہ کوئی بھی ایسا بڑا رائٹر اور جرنلسٹ نہیں ہوگا جو اِس کلب نہ آیا ہو۔

کئی سال گزر گئے وقت اور قسمت نے مل کر ہمیں دنیا کے دوسرے کونے میں سیٹل کر دیا، پچھلے مہینے میں کراچی میں تھا۔ شہر بدل گیا۔ لوگ بدل گئے۔ سوچ بدل گئی۔ نہیں بدلا تو وہ کراچی پریس کلب نہیں بدلا جس سے کئی سال پہلے ہمارے چھپن چھپائی کھیلتے ملاقات ہوئی تھی۔

قمر علی عباسی اور نیلوفر عباسی پاکستان کا اثاثہ ہیں اور میری خوش قسمتی کہ میرے والدین بھی دسمبر 14، 2009ء کو اِن کے اعزاز میں لٹریری سوسائٹی آف کراچی پریس کلب نے ایک شام کا اہتمام کیا۔ میں پھر ایک بار اُس بلڈنگ میں داخل ہوا جو آپ کے گزرے ہوئے کل کو ماضی نہیں ہونے دیتی، کچھ ہی دیر پہلے تو میں یہاں دوسرے بچوں سے چھپنے کیلئے جگہ ڈھونڈ رہا تھا پلٹنے پر ایسا لگا کئی سال لمحوں میں گزر گئے۔

''وجاہت صاحب۔ اِس طرف سے۔'' یہی آواز آئی تھی جس کے بعد آڈیٹوریم کے چھوٹے سے دروازے سے گزر کر میں خود کو بڑا محسوس کرنے لگا۔

''جس عباسی کو آپ سننے آئے ہیں میں وہ عباسی نہیں ہوں۔'' یہی کہتے میں نے اپنی مختصر سی تقریر ختم کی تھی، لیکن میرے پاس بہت کچھ تھا کہنے کو، مقصود یوسفی، موسیٰ کلیم اور اذکار حسین جنہوں نے اِس محفل کا اہتمام کیا تھا سب سے پہلے میں اُن کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ نہ وہ یہ فنکشن کرتے نہ میں پریس کلب کا حصہ بنتا اُس شام۔ یہ وہ جوہری ہیں جنہیں ہیروں کی صحیح پہچان ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ جس دِن یہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لوگ مجھے میری کتابوں کے ذریعے پرکھیں اُنہیں اِس ''عباسی'' میں بھی کہیں نہ کہیں نیلوفر اور قمر ضرور نظر آئیں۔

رضوان صدیقی جتنا اچھے سوچتے اور بولتے ہیں اُتنا ہی اچھا لکھتے بھی ہیں لفظوں کی روانی اور درست استعمال کوئی اُن سے سیکھے۔ قمر علی عباسی کے بہت پرانے دوست ہی نہیں میرے سامنے وہ شخص کھڑا تقریر کر رہا تھا جس کے پاس سینکڑوں کتابوں کا علم اور کئی سالوں کا تجربہ ہے جن سے پاکستان کے کئی لوگوں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ایک کے بعد ایک بہترین شخصیات اِظہار خیال کر رہی تھیں، وکیل انصاری نیویارک کی ادبی محفلوں کی جان ہیں اُن کے اِس فنکشن میں شامل ہونے سے یہ احساس ہو رہا تھا جیسے یو ایس اے کے سارے ہی پاکستانیوں کی نمائندگی وہاں ہو رہی ہے۔ اُنہوں نے اپنے مدھم لہجے اور آسان الفاظ میں بہت مشکل بات کہہ دی کہ ہم پاکستان اور اُردو کا نام ہمیشہ روشن رکھیں گے چاہے ہم کہیں بھی ہوں دنیا میں۔

راشد نور جو کہ نظامت کر رہے تھے مقررین کے بارے میں گہری معلومات رکھتے تھے۔ ''صرف یہ بہت اچھے اسپیکر اور جرنلسٹ'' کہہ کر نہیں بلکہ ہر ایک کی شخصیت کے بارے میں پورا پورا انصاف کرتے، ولی رضوی، یوسف خان، مقصود یوسفی سب ہی نے گزرے کل آج اور آنے والے کل کے بارے میں ایسی باتیں کیں کہ لگا زندگی میں سب بہت اچھا ہے اور دنیا میں کچھ بُرا نہیں اور ہے بھی تو سب اچھا ہو جائے گا کیونکہ اِس قوم کے پاس ایسے مثالی لوگ موجود ہیں۔

عبدالحمید چھاپرا جیسے سینئر جرنلسٹ بھی اِن میں شامل ہیں جو کئی بار کراچی پریس کلب کے صدر رہ چکے ہیں، یہ سب ان سے محبت کرتے ہیں اور جن کی ہر شام آج بھی۔ کراچی پریس کلب میں گزرتی ہے۔

اِنسان کو سب سے زیادہ جس چیز سے خوشی محسوس ہوتی ہے اُسے آپ چھو نہیں سکتے یعنی ''احساس'' لیکن کراچی پریس کلب کو اُس احساس کو قید کرنا آتا ہے، وہ شیلڈ اور اجرک جو اُس دِن قمر علی عباسی اور نیلوفر عباسی کو کراچی پریس کلب کی لٹریری سوسائٹی کے عہدے داران نے پیش کی آج وہی اجرک اور شیلڈ کراچی پریس کلب سے ہزاروں میل دور ہمارے گھر میں رکھی یہ ثابت کرتی ہے کہ کراچی پریس کلب فاصلوں کو دوریوں کی بندش میں باندھ کر رشتے نہیں توڑتا۔

□ □ K □ □

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کل ہمارا ہے

میں ایک عام پاکستانی شہری ہوں، میری عمر سترہ سال ہے اور میں پاکستان کا آنے والا کل ہوں میرے والد کسی بڑے عہدے پر فائز نہیں ہیں نہ ہی ہمارے پاس کوئی جائیداد یا جاگیر ہے نہ ہی میرے خاندان کے کسی بڑے آدمی سے کوئی تعلقات ہیں۔ میں وہ عام لڑکا ہوں جس سے آپ سڑک سے گزرتے بس میں لٹکتے یا کسی لائبریری سے ہاتھ میں کچھ کتابیں تھامے نکلتے کبھی بھی مل سکتے ہیں، میری اِس کے علاوہ کوئی پہچان نہیں ہے کہ میں پاکستان کا مستقبل ہوں۔ میرے والد کی طرح کئی پاکستانی دِن بھر محنت کرتے ہیں تاکہ وہ مجھے یعنی اپنی اگلی نسل کو وہ تعلیم دے سکیں جس کی وجہ سے میں اپنا اور اپنے ملک کا آنے والا کل بہتر کروں گا۔

کچھ دِن پہلے ایک انگریزی ٹی۔ وی چینل پر پروگرام آ رہا تھا جس میں مختلف ملکوں اور قوموں کی یوتھ کی کامیابیوں سے متعلق بات چیت ہو رہی تھی۔ ''بائیس سال کے امریکن نے فیس بک ڈاٹ کام بنا کر چار بلین ڈالر کمائے تو جرمنی کی ایک لڑکی نے اپنی لوکل کمیونٹی کی مدد سے اُنہیں پانچ ملین کما کر دیئے۔ انڈیا کے ٹین ایج لڑکے نے سرجری میں کمال کر دیا اور چائنا کا ٹین ایجر دنیا کے بہترین پروگرام کمپوٹرز میں سے ایک ہے اور آئرلینڈ کی لڑکی دنیا کی سب سے تیز ایتھلیٹ ہے۔''

مقابلہ اِنسان کو وہ کچھ کرنا سکھاتا ہے جو وہ خود بھی نہیں سوچتا۔ آپ کا کسی سے مقابلہ ہو تو آپ اپنے آپ کو بہتر سے بہتر کام کرنے کے لئے تیار کرتے جاتے ہیں۔

میں بھی اپنے ملک کا نام روشن کروں گا کوئی ایسا کام کروں گا جس سے میرے ملک کا نام پوری دنیا میں جگمگائے یا پھر اسپورٹس میں آپ کچھ کر دکھاؤں گا کہ میرے ملک کا نام سنہرے حروف میں لکھا جائے، اِنسان جب نوجوان ہوتا ہے۔۔۔ وہ دنیا میں سب کچھ کر گزرنا چاہتا ہے۔۔۔ کے ٹو جتنے اُونچے خواب ہوتے ہیں اُس کے۔ یہ ٹی۔ وی پر نظر آنے والے میرے ہی عمر کے دوسرے ملکوں اور قوموں کے نوجوان۔ مجھ سے بہت زیادہ ذہین تو نہیں ہوں گے۔ میں بھی اِن کے مقابلے پر کھڑا ہوں گا۔ میرا دِل بار بار مجھ سے یہ کہہ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد چینل بدلا اور میرا سچ میرے سامنے آ گیا مقامی ٹی۔ وی چینل پر نیوز آ رہی تھی کہ سیالکوٹ میں دو بھائیوں منیب اور مغیث جن کی عمریں چودہ اور سترہ سال تھیں شہر کے لوگوں نے ڈنڈے مار مار کر اُنہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نیوز کاسٹر نے نیوز بتانے کے بعد حادثے کی وہ ویڈیو دکھائی جو اُس وقت کسی نے اپنے موبائل فون سے بنائی تھی، چودہ سالہ منیب کی لاش کے برابر سترہ سالہ مغیث زندہ سلامت بیٹھا تھا جسے لوگ ڈنڈوں سلاخوں اور پتھروں سے بری طرح مار رہے تھے۔ وہ سترہ سالہ مغیث نہیں تھا۔ وہ میں تھا صرف میں ہی نہیں میری طرح کا ہر پاکستانی نوجوان تھا وہ جو صرف ایک عام پاکستانی ہے۔ میں مغیث کو نہیں جانتا لیکن اِتنا ضرور جانتا ہوں کہ اُس نے کوئی ایسی غلطی نہیں کی ہوگی جس کی ایسی بے رحمانہ سزا دی جاتی۔ کیا ہے میرا مستقبل اس ملک میں جہاں ایک نوجوان کو شک کی بنا پر سارے شہر کے سامنے سڑک پر جان سے مار کر پولیس کے سامنے۔۔۔ اُلٹا لٹکا دیا جاتا ہے۔ کتنی محنت کتنی آس کتنی اُمید ہوتی ہے ایک نوجوان کے ساتھ جڑی۔ اُس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے ماں باپ کی۔۔۔ ہر نوجوان پاکستانی کی ماں کی وہ آس دم توڑتی تھی ہر بار جب مغیث کو وہ ڈنڈا مارا جاتا تھا۔

غلطی اِنسان سے ہوتی ہے لیکن اُس کی سزا دینے کے لئے قانون نافذ ہے۔ وہ قانون جو اُس وقت ہاتھ باندھے کھڑا تھا جب پاکستان کے مستقبل کو ڈنڈے مار مار کر قتل کیا جا رہا تھا۔ میں بھی ایک عام نوجوان ہوں اپنے ملک میں کچھ بھی بہتر کام کرنے کیلئے میں نے قدم اٹھایا اور مجھ سے جانے ان جانے میں کوئی غلطی ہوگئی تو کیا مجھ سے بھی یہی سلوک ہوگا؟ مغیث کی ویڈیو میں اُسے ہر عمر کا شخص مار رہا تھا ہر وہ شخص جو آج کی پاکستانی سوسائٹی بناتا ہے۔ کیا میرے یا پھر کسی اور نوجوان کے ساتھ سوسائٹی یہی سلوک کرے گی اگر میں کوئی غلطی کر جاؤں۔

اگلے کئی دِن تک یہ دِل دہلا دینے والی ویڈیوز مختلف ٹی۔ وی چینلز پر چلتی رہیں۔ ویڈیو سینسر کر کے دکھائی جا رہی تھی لیکن پھر بھی سینسر کے باوجود ایک نوجوان کی بے بسی اپنی زندگی کی آخری سانسیں لیتی۔ اِس بے رحم سوسائٹی کے ہاتھوں دم توڑتی صاف نظر آ رہی تھی۔ بار بار مجھ سے یہ ٹی۔ وی اور اخبار کہتا کہ تم اِس سوسائٹی میں کچھ نہیں کر سکتے جہاں تم جیسے نوجوان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جا سکتا ہے اِس ویڈیو کے چلنے سے میں ہی نہیں میرے جیسے لاکھوں عام گھروں میں رہنے والے پاکستانی نوجوان۔ عملی زندگی میں پہلا قدم اُٹھانے سے ڈرنے لگے۔ یہ ڈر ہار جانے سے نہیں تھا۔ یہ ڈر ہے اِس بات کا کہ کہیں میں نے کوئی غلطی نہ کر دوں ورنہ میرا انجام بھی یہ سوسائٹی ایسا ہی نہ کرے۔

ہر چیز پرانی ہو جاتی ہے سوائے دِل میں لگے زخموں کے اُن دونوں بھائیوں کے واقعے کو کافی وقت گذر گیا لیکن پاکستان کے یوتھ کے دِلوں میں اُس مار کا خوف اور زخموں کی تکلیف اب بھی تازہ ہے۔

کئی سیاستداں اور میڈیا کے لوگ اُن بھائیوں کے گھر گئے۔ جو ہر حادثے کے بعد پاکستان میں ہوتا ہے وہی اِس سانحے کے ساتھ بھی ہوا۔۔۔ یہ بس ایک خبر بن کر رہ گئی کچھ دِن ٹی۔ وی پر چرچا ہوا اور پھر غائب۔ اِن دکھائی گئی خبروں میں سب بڑے لوگوں نے اپنا اپنا نظریہ عوام کے سامنے پیش کیا لیکن کسی ایک شخص نے بھی یہ نہیں کہا کہ اِس کا اثر جو آج کی یوتھ پر پڑے گا اُس کا کچھ کرنا چاہیے پھر سے پاکستانی یوتھ میں وہ جذبہ آنا چاہیے جہاں وہ دنیا کے ہر میدان میں مقابلے کے لئے خود کو تیار کرے کیونکہ آج کی یوتھ ڈر گئی ہے۔ اپنی سوسائٹی سے اپنے آنے والے کل سے۔

کچھ دِن پہلے کراچی شہر میں اُمید کی ایک کرن جاگی، کراچی آرٹس کونسل میں یوتھ فیسٹول 2010ء کا آغاز ہوا جہاں شہر کے بڑے بڑے لیڈرز آئے اور یوتھ کی بہتری کے لئے بات کی۔ اس فیسٹول میں پینٹنگ، فوٹو گرافی، ڈبیٹ، شارٹ فلمز، سنگنگ اور فیشن ڈیزائینگ کے مقابلے ہوئے۔

ہمارا مسئلہ صرف دہشت گردی سے لڑنا نہیں ہمارا مسئلہ ہمارا آنے والا کل بھی ہے۔ وہ کل جو ہماری یوتھ کے ہاتھوں میں ہے پھر سب ہم کو کیوں بھلائے بیٹھے ہیں؟ یوتھ فیسٹول میں ڈھائی ہزار لڑکے لڑکیوں نے حصہ لیا۔ میں اُن میں نہیں تھا اور نہ ہی میری طرح کے لاکھوں دوسرے عام نوجوان لیکن اخبار اور ٹی۔ وی پر آنے والی جھلکیوں اور پہلے دن موجود عوام کے لیڈرز کی باتوں سے آج کے نوجوان میں یہ احساس ضرور جاگا ہے کہ اِس نہ نظر آتے اندھیرے کل میں اب بھی کہیں نہ کہیں روشنی کی کوئی اُمید باقی ہے اور اسی لئے کل ہمارا ہے۔

□ □ K □ □

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہاں ہیں ہمارے چمپیئن

پاکستان اِنڈیا کی تاریخ کا سب سے بڑا میچ مہالی میں کھیلا جارہا تھا۔ یہ تھا ورلڈ کپ 2011ء کا سیمی فائنل وہ میچ جو آج تک ہوئے کسی بھی سیمی فائنل یا فائنل سے زیادہ اہم میچ تھا۔ دونوں ٹیموں کے سپورٹرز اپنی اپنی ٹیموں کیلئے دعائیں کررہے تھے۔ اسٹیڈیم میں موجود سب ہی لوگوں میں بہت جوش وخروش تھا۔ اسٹیڈیم میں بیشتر لوگ اِنڈیا سے تھے اور اِنڈین ٹیم کو سپورٹ کررہے تھے۔ طرح طرح کی ٹوپیاں کپڑے اور ہاتھوں میں بینرز۔۔۔ ہر بینر پر کسی نہ کسی طرح انڈین ٹیم کی تعریف۔۔۔ کچھ لمحوں کو بار بار دکھائے گئے کئی بینرز میں سے ایک بینر پر لکھا تھا۔ ''ہندوستان سے زیادہ بہترین کھلاڑی اور فلمیں بنانا کسی کو نہیں آتا۔''

اِنڈیا کی ٹیم نے محنت کی اور ورلڈ کپ جیت لیا۔ اِنڈیا کے عوام کے لئے یہ جیت سنہری یاد بن گئی اور ہم پاکستان میں اِس ورلڈ کپ کی تلخ یاد کو بھلانے میں لگ گئے وقت کے ساتھ اِنسان کے زخم بھر ہی جاتے ہیں۔ مہینہ گزر گیا اور ورلڈ کپ کی چوٹ بھی کچھ بھری بھری سی محسوس ہونے لگی۔ اب ایک ایک بال یاد نہیں رہی بس سیمی فائنل کی چیدہ چیدہ باتیں یاد ہیں۔ وہ بھی وقت کے ساتھ ہم بھول ہی جائیں گے۔ کئی دِن گزر گئے ہیں پھر بھی بار بار اُس بینر کا خیال آتا ہے جس پر لکھا تھا کہ ''ہندوستان سے زیادہ بہترین کھلاڑی اور فلمیں بنانا کسی کو نہیں آتا۔''

جب جب بینر کا خیال آیا پلک جھپکنے پر گزرے ہوئے زمانے کے کئی پاکستانی چمپئن ذہن میں آئے جن کا مقابلہ اِنڈیا سمیت دنیا کا کوئی بھی دوسرا کھلاڑی نہیں کرسکتا، حنیف محمد، جاوید میانداد، عمران خان، روشن خان، جہانگیر خان، جان شیر خان، سمیع اللہ، اصلاح الدین۔ اِس طرح کے کئی پاکستانی کھلاڑی وہ ورلڈ کلاس اسپورٹس مین جو ریٹائر تو ہوگئے لیکن اُن کے فینز اُنہیں آج تک یاد کرتے ہیں۔

کہاں ہیں آج ہمارے یہ عمران خان اور جہانگیر خان۔۔۔ کیوں نہیں بن رہے ہیں چمپینز آج پاکستان میں۔۔۔ ہاں مانا کہ ہم اِنڈیا جیسی بڑی فلمیں نہیں بنارہے ہیں۔ وہ فلموں کی دوڑ جس میں کبھی ہم آگے تھے اور کبھی ہندوستان۔ اُس میں 1970ء کے بعد ہم بہت پیچھے رہ گئے لیکن دِل یہ ماننے کو تیار نہیں ہے کہ پاکستان اِنڈیا سے بہتر کھلاڑی نہیں پیدا کررہا۔

کیوں نہیں بن رہے ہمارے یہاں چمپئنز؟ اِس بڑے سوال کا جواب ہمیں کچھ دِن پہلے ایک اخبار کی چھوٹی سی خبر سے ملا۔

پاکستان ایشیئن جونیئر اسنوکر چمپئن شپ سے باہر ہوگیا ہے۔ کسی اور ملک کے کھلاڑی نے ہمارے پلیئرز کو ہرادیا۔ اِس لئے نہیں بلکہ اِس لئے باہر ہے کیونکہ ہماری حکومت اپنی ٹیم کو چمپئن شپ میں بھیجنے کے لئے فنڈز نہیں دینا چاہتی اور یہ کہانی یہیں، یعنی جونیئر اسنوکر چمپئن شپ پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ہمارے وہ اسنوکر پلیئر جو اپنی کرکٹ ٹیم کو اِنڈیا کے ہاتھوں سیمی فائنل میں ہارتا دیکھ چکے ہیں اور یہ سوچ کر بیٹھے ہیں کہ جلد ہی ہونے والے اِنڈیا میں ایشیئن اسنوکر چمپئن شپ میں جاکر اِنڈیا کو مزہ چکھائیں گے اب یہ کام صرف اپنے خوابوں میں کرسکتے ہیں کیوں کہ اُس ٹورنامنٹ میں بھی حکومت سے کوئی اُمید نہیں ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اِسنوکرایسوسی ایشن کے صدر عالمگیر انور کے مطابق ہمارے دو ہونہار کھلاڑی حمزہ اکبر اور آغا بلاول کو ایران میں ہونے والی جونیئر چمپئن شپ میں نہیں بھیجا جارہا کیوں کہ پاکستان اسپورٹس بورڈ نے اُن کے لئے فنڈز ریلیز نہیں کئے۔ اِسنوکرایسوسی ایشن نے اِس ٹورنامنٹ کو شروع ہونے سے چھ ہفتے پہلے ''پی ایس بی'' سے چار لاکھ روپے مانگے تھے جس پر حکومت کی جانب سے ٹورنامنٹ سے کچھ دِن پہلے اُنہیں جواب ملا کہ ڈھائی لاکھ روپے کا اِنتظام تو ہوگیا لیکن باقی ڈیڑھ لاکھ نہیں مل سکتے جس کے نتیجے میں پاکستان جونیئر چمپئن شپ میں حصہ نہیں لے پایا۔ انٹرنیشنل اسنوکرز ایسوسی ایشن بھی حیران ہے کیوں کہ پاکستان کے اچانک آخری منٹ نہ آنے سے اب اُنہیں میچز کا شیڈول بھی بدلنا پڑے گا۔ ساتھ ہی ہر جگہ یہ خبر بھی عام ہوگئی کہ پاکستانی پلیئرز اس لئے نہیں آئے کہ پاکستانی حکومت نے اُنہیں ٹورنامنٹ میں شرکت کیلئے فنڈز ہی نہیں دیئے۔

وہ جھنڈا جو پاکستانی اسنوکر فیڈریشن نے ایران بھیجا تھا تاکہ ہمارا جھنڈا بھی دوسرے ممالک کے جھنڈوں کے ساتھ لہرا سکے۔ وہ جھنڈا واپس پاکستان بھیج دیا گیا ہے، کیا لگتا ہے آپ کو۔۔۔ یہ وہ ہونہار کھلاڑی جو شاید پاکستان کیلئے ٹرافی جیت کر لاتے اور اپنے وطن کا نام روشن کرتے آئندہ کھیلنا چاہیں گے اسنوکر؟

کچھ دِن بعد انڈیا میں ایشیئن اسنوکر کپ ہونے والا ہے اور ہمارے تین کھلاڑی انڈیا جانے کے لئے تیار ہیں جن میں سے محمد سجاد پچھلے سال فائنل تک پہنچ گئے تھے لیکن اسنوکر ایسوسی ایشن کے صدر کو ڈر ہے کہ کہیں ایشیئن کپ کا حال بھی جونیئر کپ کی طرح نہ ہو ہمیں یقین ہے کہ تینوں ہی پلیئرز مہمالی کا میچ نہیں بھولے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ موقع ہے پاکستان کے پاس جیت کے ساتھ اپنا جھنڈا بلند کرنے کا اِنڈیا میں۔۔۔ لیکن ہماری حکومت شاید پھر وہی کرے کیوں کہ اِس ٹورنامنٹ کے لئے اسنوکر ایسوسی ایشن نے حکومت سے پانچ لاکھ روپے کے فنڈز مانگے ہیں لیکن حکومت کے اہل کاروں نے پھر سے وہی کیا یعنی اُنہوں نے کہا ڈھائی لاکھ روپے کا اِنتظام ہوگیا ہے۔ ڈھائی لاکھ کا نہیں ہوا۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ وہی ڈھائی لاکھ ہیں جو کچھ دِن پہلے تک جونیئر چمپئن شپ کیلئے تھے مگر ملے نہیں یہ سب چیزیں دیکھتے ہوئے اسنوکر ایسوسی ایشن نے حکومت سے کہا ہے کہ ڈھائی لاکھ کا چیک دے دیں باقی رقم کا اِنتظام ہم کہیں اور سے کرنے کی کوشش کریں گے جس کے بعد حکومت کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا اور اب سب کو اِنتظار ہے کہ حکومت سمجھے کہ عوام کے لئے کتنا ضروری ہے اپنے کھلاڑیوں کی تصویریں اخبار کے پہلے صفحے پر دیکھنا جس میں شہ سرخی ہو کہ ''پاکستان۔۔۔ اِنڈیا میں چمپئن شپ جیت گیا۔''

شاید اِنڈیا سے بھی ہمارا پاک پرچم بھیج دیا جائے گا ہمارے ہونہار کھلاڑی پھر شاید پاکستان کی نمائندگی نہیں کر پائیں گے اور شاید وہ کھلاڑی جو پاکستان کے لئے کئی ٹرافیاں لا سکتے تھے ہمیشہ کے لئے اسنوکر کھیلنا چھوڑ دیں گے۔

وہ ملک جہاں اسکواش کے چمپئنز پیدا ہوتے تھے اب وہاں حکومت کہتی ہے کہ اگر اسکواش کھیلنے کا شوق ہے تو پہلے کچھ جیت کر لاؤ پھر ہم آپ کو کسی بھی طرح کی مدد اُس کھیل کے سلسلے میں کرنے کی سوچیں گے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہمارا سسٹم آج ہمارے اسپورٹس مین کو بھی کھا گیا ہے ہمارے یہاں آج بھی چمپئنز پیدا ہوتے ہیں لیکن سسٹم اُنہیں ضائع کر دیتا ہے اور ایسے حالات بنا دیتا ہے کہ وہ نہ کھیلنے پر مجبور ہو جائیں۔

اُس دِن مہالی کے اُس بینر کا جواب ہم یہاں دینا چاہتے ہیں، دھونی کو آج صِرف ایک ٹی۔وی کمرشل کرنے کے پندرہ کروڑ مل رہے ہیں۔وہ پندرہ کروڑ جو پاکستانی حکومت پاکستانی اسپورٹس پر خرچ کرے تو ہم ہر اسپورٹس میں دو درجن دھونی کھڑے کر سکتے ہیں۔

□ □ K □ □

کہاں جائیں گے آپ

کوئی دس سال پہلے کی بات ہے ہم اپنے دوستوں کے ساتھ نیو جرسی کے نیوآرک ایئرپورٹ پر کھڑے دیکھ رہے تھے کہ وہاں سیکورٹی کتنی کم یعنی نام کی ہے، جانے والے کو باہر سے ہی ٹاٹا کر کے نہیں بلکہ امریکہ میں آپ ایئرپورٹ کے کافی اندر تک اپنے دوستوں، رشتے داروں کو چھوڑنے جا سکتے ہیں اور دس سال پہلے تو یہ حال تھا کہ اگر تھوڑا ارش ہو اور آپ تھوڑی سی کوشش کریں تو جانے والے کو جہاز کے اندر تک چھوڑ آئیں جہاز میں جانے والے کی اسکینگ ڈور سے ہلکی سی چیکنگ اور بس۔

نائن الیون کا سانحہ پیش آیا اور چیزیں بدل گئیں، سب سے پہلے تو اگر آپ مسلمان تھے اور جہاز پر سفر کر رہے ہوتے تو ایئرپورٹ والوں سے زیادہ تکلیف جہاز میں بیٹھے لوگوں کو ہوتی جیسے ٹیک آف سے پہلے مسلمان لڑکوں کو جہاز سے اِس لئے اُتار لیا جاتا کہ دوسرے مسافروں کو اُن سے ڈر لگ رہا ہوتا۔دس سال گزر گئے ہیں اور ایئرپورٹ پر اب چیزیں بہتر ہیں یعنی لوگوں نے جہازوں میں ہم سے ڈرنا کچھ کم کر دیا ہے، نائن الیون کے بعد امریکن ایئرپورٹس پر چیکنگ کے نئے Devices نصب کئے گئے ہیں اور ہاں یہ سچ ہے کہ کبھی کبھی رینڈم چیکنگ کے لئے مسلمان نوجوانوں کو ہی لائن سے نکالا جاتا ہے اِس کے باوجود آج ایئرپورٹس پر حالات اتنے برے نہیں ہیں۔

دو ہفتے پہلے پاکستان سے واپس آتے وقت نیویارک کے جے ایف کے ایئرپورٹ پر تیس سیکنڈ امیگریشن اور دس سیکنڈ کسٹم پر رُکے کسی بھی کاؤنٹر پر کچھ پوچھا نہیں گیا بس ہر بار گورے نے گھور کر دیکھا جس کے جواب میں ہمارے گھورنے پر اُنہیں یقین ہو گیا کہ ہم اُن کے ہی آدمی ہیں اور ہمیں جانے دیا یہ تو امریکہ آنے کا حال تھا جس میں گورے نے گھورا بھی لیکن امریکہ سے آپ کہیں باہر جا رہے ہوں اور گھر سے منہ پر ٹیپ لگا کر بھی جا رہے ہوں تو منزل پر پہنچے تک ٹیپ اتارنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

یعنی امریکن ایئرپورٹس پر باہر جاتے وقت کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوتی ہے، چلیئے اب پاکستان سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پاکستان سے آپ بیرون ملک جا رہے ہوں تو ایئرپورٹ تو دور کی بات ہے آپ کو ایئرپورٹ سے دور سڑک پر ہی روک لیا جاتا ہے۔دور سے کراچی کا جناح ٹرمنل نظر آ رہا ہوتا ہے اور سڑک کے بیچوں بیچ ڈرائیور بریک لگاتا ہے وجہ۔۔۔ چیکنگ۔۔۔ چیکنگ اِس لئے کہ جو سڑک ایئرپورٹ کی طرف جا رہی ہے اُس کو ہم سے کوئی خطرہ نہ ہو۔۔۔ ''کہاں جائیں گے آپ؟ گاڑی کو گھیرے ہوئے پولیس والوں میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے ایک سوال کرتا ہے، اب جھوٹ بولنے کا چانس اس لئے نہیں تھا کہ وہ روڈ صِرف ایئرپورٹ ہی جاتی ہے اِس لئے فوراً بتادیا ''جی ایئرپورٹ۔'' پولیس والے کو لیکن انٹرنیشنل معلومات چاہئے تھیں۔

''لیکن ایئرپورٹ سے کہاں جائیں گے؟''

''جی۔۔۔امریکہ'' پھر وہ سوال جس کا کئی سال پہلے ہمیں ڈر تھا کہ والدنہ پوچھ لیں کہ ''امریکہ کیوں جارہے ہو؟''

سڑک کے بیچوں بیچ کھڑے پولیس والے نے ہمیں ایسی شک کی نظر سے دیکھا کہ ہمیں بھی خود پر شک ہونے لگا۔ اِس کے علاوہ بار بار پوچھ گچھ کرنے والے پولیس آفیسر اپنا پورا منہ گردن سمیت گاڑی کے کھلے شیشے سے اندر ایسے ڈالتے کہ لگتا یہ بغیر دروازہ کھولے اندر آنے والا کرتب کر کے دکھائیں گے خیر جب ٹکٹ دیکھ لینے کے بعد پولیس والوں کو شک ہم پر کچھ کم ہوا تو اُنہوں نے ہمیں ایئرپورٹ کی طرف جانے دیا۔

ہم بہت ہی متاثر تھے ایئرپورٹ سے پہلے ہی ساری چیکنگ ہوگئی۔ اب ایئرپورٹ پر آسانی ہوگی لیکن یہ معاملہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا والا تھا۔ ''کہاں جائیں گے؟''

ایئرپورٹ کے دروازے پر کھڑے سیکورٹی گارڈ کے بس کنڈکٹر والے سوال سے ہم اِس لئے حیران تھے کہ وہ دروازہ صرف ایئرپورٹ کے اندر ہی جاتا تھا تو یقیناً ہم ایئرپورٹ کے اندر ہی جارہے تھے، ہمارے جواب ''ایئرپورٹ'' سے وہ زیادہ مطمئن نہیں نظر آیا اور فوراً ہمارے ٹکٹ کے تمام صفحے پلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ وہ ٹکٹ جس پر آج تک ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا لکھا ہے اس میں نجانے گارڈ نے کیا دیکھا اور ہمیں اندر جانے دیا۔

ایئرپورٹ کے دروازے میں داخل ہوتے ہی ایک ٹیبل نما کاؤنٹر کے سامنے کئی صحت مند حضرات کچھ کسٹم جیسے یونی فارم میں ایسے لائن بنائے کھڑے تھے جیسے کسی کشتی کے میچ کے شروع ہونے کا انتظار کررہے ہوں۔ اُسی طرح دو اور میزوں پر کچھ بے چارے مسافروں کے سامان کی چیکنگ ایسے کی جارہی تھی جیسے اکثر رشتے دار ''میرے لئے کیا لائے؟'' والی چیکنگ گھر پہنچنے پر کرتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ ہمارے سامان کے ساتھ بھی کشتی لڑی جاتی سامنے کھڑے آفیسر نے پوچھا ''کہاں جائیں گے سر۔''

سمجھدار کو اشارہ کافی ہوتا ہے اس لئے ہم نے بغیر زیادہ اسمارٹ بنے سیدھا جواب دے دیا۔ ''نیویارک'' جسے سنتے ہی کسٹم آفیسر نے وہی سڑک پر کھڑے پولیس آفیسر والا سوال کیا۔ ''کیا کرتے ہیں نیویارک میں آپ۔'' ہماری آنکھوں میں خوشی کے آنسو آتے آتے رہ گئے۔ کمال ہے پاکستان میں تو لوگ اپنا کام نہیں کرتے اور یہ کسٹم آفیسر وہ کام بھی کررہے ہیں جو نیویارک پہنچنے پر امریکن امیگریشن کا ہے۔ آنکھوں میں آنسو نہیں آئے شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ ہمارا سامان نہیں کھولا گیا۔

نارکوٹکس والے اِس کے فوراً بعد اپنی ٹیبل لگائے ایسے بیٹھے تھے جیسے اِتوار بازار کی دوکانیں برابر برابر لگی ہوتی ہیں اُن کا کام یہ بات یقینی بنانا ہوتا ہے کہ کوئی بھی شخص ہمارے ملک سے کسی بھی طرح کی ڈرگس باہر نہ لے جاسکے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''کیا ہے آپ کے پاس؟'' ہمیں لگا یہی سوال کریں گے وہ لیکن نہیں۔ سوال تھا۔ ''کہاں جائیں گے آپ؟''

''جی امریکہ۔'' جس کے بعد سامان اِس لئے نہیں کھولا گیا کیونکہ نارکوٹکس والوں کو اچھی طرح پتہ ہے کہ امریکہ والوں کے پاس بہترین آدمی، مشینیں اور کتے ہیں ڈرگ اسکینگ کے لئے پھر وہ کیوں پاکستان میں ایک ایک چیز کھول کر اپنا وقت برباد کریں۔

آگے چلنے پر باڈی سرچ۔۔۔ گھڑی والٹ کوائن سب نکال کر جب ہم سیکورٹی بوتھ سے نکلے تو سامنے کھڑے ایک شخص نے اوپر سے نیچے تک ہمیں دبانا شروع کر دیا۔۔۔ کیوں؟ ۔۔۔ سیکورٹی ۔۔۔ اِس کمال کی چیکنگ کے دوران گارڈ نے ہمارے کان میں ہلکے سے کہا۔ ''کہاں جائیں گے؟'' یقیناً ہمارے چین کہنے سے بھی اُس کی صحت اور نوکری پر کوئی فرق نہیں پڑتا پھر بھی مسلمان ہونے کی وجہ سے ہم نے اُس سے سچ بولا اور بتا دیا نیویارک۔

سامان چیکنگ کے بعد اب پاکستان امیگریشن کی باری، جہاں کاؤنٹر پر بیٹھی محترمہ نے گھما گھما کر پوچھا۔ ''کہاں جائیں گے؟''

افسوس ہر گھومے ہوئے سوال کا ہر بار ایک سیدھا سا جواب تھا۔ ''نیویارک۔'' امیگریشن کے بعد ایک بہت لمبی واک اِتنا چل کر لگا شاید نیویارک پیدل ہی آ جائے گا۔ نیویارک آتا اِس سے پہلے ہی پھر سے باڈی سرچ، سیکورٹی گارڈ نے بورڈنگ کارڈ اچھی طرح جانچنے کے بعد ہم سے پوچھا۔ ''کہاں جائیں گے؟''

ہم گھبرا گئے فوراً بورڈنگ کارڈ دیکھا لکھا تو نیویارک ہی تھا لیکن آفیسر کو ہمارا بورڈنگ کارڈ وہ نکاح نامہ لگا جس پر لکھا ہونا کافی نہیں ہوتا منہ سے بھی قبول کرنا ہوتا ہے۔ ہم نے فوراً نیویارک کو آفیسر کے سامنے قبول کر لیا۔

جہاز کے گیٹ کے سامنے بیٹھے ہم سوچ رہے تھے کہ آج تک ایسی زبردست چیکنگ نہیں ہوئی جہاں ایئرپورٹ آنے سے پہلے ہی سب پوچھنے لگتے ہیں۔ ''کہاں جائیں گے؟''

ہم کہیں بھی جائیں اِس سے سیکورٹی کو کوئی فرق نہیں پڑتا نہ ہی یہ سمجھ میں آیا کہ جن لوگوں کا کام امیگریشن نہیں ہے اُن کا یہ سوال اِتنی بار پوچھنے کا ایک فائدہ؟ اِسی سوچ میں ہماری بورڈنگ اناؤنس ہوگئی اور ہم پاکستان، کراچی اور ایئرپورٹ کو الوداع کہہ کر چل دیئے۔ گیٹ پر کھڑے حضرت نے بورڈنگ کارڈ دیکھا آدھا پھاڑ کر ہمیں دیکھا اور مسکرا کر پوچھا۔

''کہاں جائیں گے آپ؟''

□□K□□

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیوں ضروری تھا جیتنا

اکتیس سالہ، تین سو بیس ون ڈے کھیل چکے شاہد آفریدی۔۔۔ ویسٹ انڈیز کی کرکٹ سیریز کھیلنے کو تیار ہو گئے ہیں۔
پچھلے ڈیڑھ مہینے سے ہونے والے ورلڈ کپ کے سیمی فائنل ہار جانے کے بعد اِنڈیا سے واپس آ کر آفریدی نے اپنے گھر پر کی گئی پریس کانفرنس میں پوری پریس کے سامنے کہا تھا کہ وہ غور کر رہے ہیں اور اُنہیں نہیں لگتا کہ وہ جلد ہی ہونے والی ویسٹ انڈیز سیریز میں کھیلیں گے۔۔۔ وجہ پوچھنے پر اُنہوں نے کہا تھا کہ وہ نئے لڑکوں کو موقع دینا چاہتے ہیں اور مقامی طور پر بہت اچھی کرکٹ کھیلی جا رہی ہے۔

ایک رپورٹر نے جب اُن سے پوچھا کہ اِنڈیا سے ہارنا انہیں کیسا لگا؟ تو آفریدی دفاعی انداز میں اُلٹا سوال پوچھنے لگے کہ کیوں اِنڈیا سے ہارنے میں کیا ہے؟ رپورٹرز میں سے جب کسی نے اُنہیں یہ یاد دِلایا کہ اِنڈیا سے ہم دو جنگیں لڑ چکے ہیں اور ہمارے تعلقات کبھی بھی صحیح طرح بحال نہیں ہو پائے ہیں تو آفریدی نے فوراً جواب دیا کہ ہمارے گھروں میں تو ہر وقت ہندوستانی ڈرامے چلتے رہتے ہیں۔ شادی بیاہ میں بھی ہندوستانیوں کی طرح ہی ناچ گانا کرتے ہیں تو پھر اُن سے ایک میچ ہار گئے تو کیا ساتھ ہی اِس بارے میں مزید کوئی سوال نہ ہو اس لئے آفریدی نے یہ بات کہہ کر معاملہ ختم کر دیا کہ اِنڈیا سے جیتنا اِتنا ضروری نہیں ہے۔ آئندہ اِنشاءاللہ بڑی بڑی ٹیموں کو ہرائیں گے۔

سیمی فائنل ورلڈ کپ کرکٹ کا میچ مہالی میں ہوا۔۔۔ ہزاروں ہندوستانی چاہے وہ ایک عام شخص تھا۔ صدر یا عامر خان جیسا فلم اسٹار سب خاموش کھڑے تھے اور ہمارا قومی ترانہ بج رہا تھا۔ ایک عجیب سی طاقت تھی وہاں لگ رہا تھا جیسے ہمارا ترنہ وہاں امن کا پیغام لے کر آیا ہے۔

اِسٹیڈیم میں موجود لوگوں کے علاوہ لاکھوں ہندوستانی اور پاکستانیوں نے جو ٹی۔ وی پر میچ دیکھ رہے تھے سوچا ہوگا کہ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات بہتر ہونے چاہئیں، کرکٹ کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے جو ہمیں جوڑ کر ایک میدان میں لا کھڑا کر دیتی ہے۔
ہندوستانی ڈرامے فلمیں ہم اپنے گھروں میں دیکھتے ہیں شادیوں میں ناچ گانا بھی اپنے گھروں میں ہی کرتے ہیں۔ انڈیا کی تفریحی انڈسٹری سے محظوظ تو ہو جاتے ہیں لیکن دِل سے انہیں قبول نہیں کرتے لیکن یہ وقت کہ جب پورا ہندوستان اور پاکستان ایک میدان میں موجود تھا۔

ہمارے لئے جیتنا اِس لئے ضروری تھا کیونکہ ہم یہی سماں ہندوستان کے سب سے بڑے شہر ممبئی میں بھی بنا پاتے۔ پورا ہندوستان ایک بار پھر ہمارے ساتھ ''پاک سرزمین'' پر کھڑا ہوتا۔ کئی اور لوگ دونوں طرف یہ محسوس کرتے کہ ہم ''امن'' حاصل کر سکتے ہیں۔ ساتھ ہی اگر ہم فائنل ممبئی میں جیتتے تو ہماری ٹیم کا ہر لڑکا اِنڈیا سمیت پوری دنیا کے پریس کے سامنے ہندوستان پاکستان کے امن کی بات کر سکتا تھا جس سے دنیا کو یہ اندازہ ہوتا کہ پاکستان ایک امن پسند ملک ہے جو اپنے سب سے بڑے خوشی کے موقع پر بھی ہندوستان پاکستان کے بیچ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

امن کی بات کر رہا ہے۔ یہ میچ اِس لئے جیتنا ضروری تھا کیوں کہ جیتنے سے ہم دنیا تک امن کا وہ پیغام پہنچا سکتے تھے جو پچھلے دس سال سے پہنچانے میں ناکام رہے ہیں۔

ایک عجیب سماں تھا ہندوستان کے ہر شہر کی سڑکوں پر ورلڈ کپ جیتنے پر ایسا سماں جو شاید پہلے کبھی نہیں ہوا۔ کیا حیدر آباد کیا دِلی کیا آگرہ، آپ کسی بھی شہر میں ہوں لوگ سڑکوں پر نکلے اپنی گاڑیوں میں خوشیاں منا رہے تھے۔ ناچ گا رہے تھے چاہے وہ امیتابھ بچن جیسے بڑے فلمسٹار ہی کیوں نہ ہوں وہ بھی اپنی گاڑی کی چھت پر بیٹھے اِس جیت کا مزہ لے رہے تھے۔ کسی مذہب کسی کاسٹ سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ اُس رات ہندوستان کے ہر شہر میں ہر کوئی صرف ''انڈین'' تھا۔ شاید اس ''ایکتا'' کی اِتنی ضرورت ہندوستان کو نہیں تھی جتنی ہم کو ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ جس دِن سیمی فائنل کھیلا جا رہا تھا اُس دِن اگر پاکستان کی گلیوں میں بھی نکل کر ڈھونڈتے تو کہیں ہم کو بلوچی، سندھی، پنجابی، پٹھان نہیں ملتا۔ ملتا تو صرف ایک پاکستانی ملتا جس کے ہر جذبے میں صرف پاکستان ملتا وہ بیرون ملک رہنے والا پاکستانی جو خود کیلئے کبھی صبح چار بجے نہیں اُٹھا۔ اُس دِن اپنے پاکستان کے لئے اُٹھا تھا۔ بڑے بڑے ریسٹورنٹس، پبلک مقامات میں موجود تھے لوگ پاکستان بھر میں۔ کسی ایک کے دِل میں بھی یہ خیال نہیں آیا کہ اِتنے لوگ جمع ہیں کہیں کوئی بم بلاسٹ نہ ہو جائے۔ نہ ایسا ہوا کیونکہ اُس دن وہاں سب پاکستانی تھے۔۔۔ سب ایک تھے۔۔۔ یہ موقع کتنے برسوں بعد آیا تھا جب ہم سب کی سوچ صرف ایک پاکستانی کی سوچ تھی سیمی فائنل ختم ہوا اور ہم سب پھر سے سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان ہو گئے۔ ہمیں جیتنا اِس لئے ضروری تھا کیوں کہ اگر ہم سیمی فائنل جیت جاتے تو ہم کچھ دِن اور پاکستانی ہی رہتے۔ ساتھ ہی جب ہم فائنل جیت کر سڑکوں پر نکلتے اور ایک دوسرے کو گلے لگاتے تو شاید ہم ہمیشہ کے لیے ''پاکستانی'' ہو جاتے۔ سیمی فائنل کی آخری گیند سے قوم کی بند مٹھی کھل گئی۔

ساری قوم ایک ساتھ مل کر سیمی فائنل کے لئے دعائیں کر رہی تھی۔ وہ قوم جس نے پورے ملک کی بہتری کے لئے کئی بار دعائیں کی ہیں اور پچھلے کچھ سالوں میں اُنہیں صرف مایوسی ہی ملی ہے۔ بجلی پانی سے لے کر نوکری تک ہم نے ہر چیز کو اپنی بری قسمت کا حصہ سمجھ لیا ہے وہ قسمت جس پر اب دعاؤں کا بھی کچھ اثر نہیں پڑتا۔

اِس بری قسمت کو زندگی کا حصہ مان لینے والے پاکستانی نے ایک بار پھر دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تھے ہمارا جیتنا اِس لئے ضروری تھا کہ اگر ہم جیت جاتے تو اس پاکستانی کا دِل کہیں نہ کہیں یہ ضرور مان لیتا کہ اُس کی دعاؤں میں اب بھی اثر ہے۔ اب بھی اُمید ہے کہ وہ خود کمزور ہو کر بھی کچھ بدلنے کی قوت رکھتا ہے، پاکستانی کھلاڑیوں نے اچھا نہیں کھیلا۔ اگر بالنگ بُری تھی تو بیٹنگ اُس سے بھی زیادہ بری، فائنل میں سری لنکا کا ایک کھلاڑی سو بناتا ہے تو انڈین کپتان اِس پریشر کو اپنے اسپورٹس مین اسپرٹ میں شامل کر کے اپنے ملک کو اکیا نوے رنز بنا کر جتواتا ہے۔ وہی انڈیا جو تینتیس رنز پر دو اہم وکٹیں کھو چکا تھا سہارا پا لیتا ہے کیوں کہ انڈین پلیئرز جانتے ہیں کہ وہ کسی بھی حال میں میچ ہار نہیں سکتے چاہے سری لنکا کتنا ہی اچھا کیوں نہ کھیلے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہمارا سیمی فائنل اِس لئے جیتنا ضروری تھا کیونکہ اِنڈیا وہ میچ اچھا نہیں کھیل رہا تھا اور ہمارے پلیئرز کے پاس کوئی وجہ نہیں ہونی چاہیے سوائے اِس کے کہ وہ بھی اچھا نہیں کھیلے۔

آفریدی نے اپنی پریس کانفرنس میں کہا تھا میں دو دِن سے سویا نہیں ہوں۔۔۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔۔۔ جب سو کر اٹھوں گا تو کچھ سمجھ آئے گا۔

سو کر اٹھے تو اُنہوں نے یہ بیان دیا کہ ''نہیں نہیں کسی نوجوان کو یہ موقع نہیں مل رہا۔ میں خود جاؤں گا ویسٹ انڈیز۔'' کیونکہ اب آفریدی کی آنکھیں کھل چکی ہیں۔ ہم اِنتظار کریں گے اُن کے بیان کا کہ اُنہیں بھی احساس ہو گیا ہے کہ یہ میچ ہماری قوم کے لئے جیتنا سچ مچ ضروری تھا۔

K

گولی مار بھیجے میں

کئی سال پہلے ہندوستان میں ایک گانا سننے میں آیا تھا ''کھائی کے پان بنارس والا۔'' بہت مشہور ہوا اور آج تک لوگوں میں مقبول ہے۔ لیکن یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ گانا اصل میں امیتابھ بچن پر پکچرائز ہونے سے دس سال پہلے دیو آنند کی ایک فلم کے لئے بنایا گیا تھا۔ دیو آنند نے یہ کہہ کر گانا ریجیکٹ کر دیا تھا کہ گانے کے بول پبلک کے لئے معیاری اور مناسب نہیں ہیں اِسی طرح قادر خان جنہوں نے پہلی بار ہندی فلموں میں ''امرا کبر انتھونی'' میں اسٹریٹ لینگوج متعارف کی تھی۔ اِس سوچ میں تھے کہ شاید لوگوں کو اِس طرح کی زبان پسند نہیں آئے گی یہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ آگے چل کر بالی وڈ کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ وقت بدلا اور اسّی کی دہائی کے آخر میں ''بھائیوں'' کی فلمیں بننی شروع ہو گئیں۔ بھائیوں کی مطلب دو بھائی پروڈیوسر اور ڈائریکٹر مل کر فلم بنا رہے ہیں والی بھائیوں کی فلم نہیں بلکہ گینگسٹر زعرف ''بھائیوں'' کی فلمیں جس میں ہیرو ''ٹپوری'' یعنی سڑک پر بڑا ہوا ان پڑھ جاہل ہوتا ہے جس کو نہ چلنے کی نہ کپڑے پہننے کی نہ ہی بولنے کی تمیز ہوتی ہے نہ اِس ہیرو کو کوئی غلط کام غلط لگتا ہے۔ ہاں فلم کے آخر میں یہ پولیس کے ہاتھوں پکڑا یا مارا ضرور جاتا ہے لیکن پوری فلم میں یہ جم کر مزے کرتا ہے اور ہر وہ کام کرتا ہے جسے کچھ سال پہلے فلم بین بالکل پسند نہیں کرتے تھے اور آج کئی نوجوان اسے اپنا ''آئیڈیل'' مانتے ہیں۔ بھائیوں والی فلم کا ایک دم سے رجحان ہونے کی تیزی سے وجہ تھی ڈان داؤد کی زندگی کی کہانی۔

ڈان داؤد ایک پولیس کانسٹبل کے بیٹے تھے جو شہر میں دوسرے ہزاروں لڑکوں میں سے ایک تھے۔ داؤد نے کچھ ہی سالوں میں شہر میں منظّم طریقے سے کرائم پھیلا دیا لوگ ڈر کے مارے ''ہفتہ'' یعنی اپنی حفاظت کے لئے داؤد کے گروہ کو پیسے دیتے۔ کہانی بالکل فلموں جیسی تھی جہاں ایک غریب لڑکا شہر کا کنگ بن گیا۔

1984ء ڈان داؤد پولیس کے وارنٹ جاری ہو جانے کے بعد ملک سے فرار ہو کر ہانگ کانگ چلے گئے لیکن یہ ہمارے (یہ فلم میں بڑے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیروکی) فلمی ہیرو کے بُرے انجام جیسا exit نہیں تھا۔

ملک چھوڑنے کے بعد ڈان داؤد مزید پھولے پھلے جس کی وجہ تھی فون۔ اب ڈان داؤد فون کے ذریعے اپنے سارے کام ہانگ کانگ میں بیٹھ کر کرتے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر آپ انڈین فلمیں دیکھتے ہیں تو کوئی نہ کوئی فلم آپ نے ایسی ضرور دیکھی ہوگی جس کی کہانی ڈان داؤد کی کہانی جیسی ہوگی جیسے فلم ''کمپنی'' یا پھر ''ونس اپان اے ٹائم اِن ممبئی'' فلموں میں تو کام کرنے والے ہیرو کا انجام تین گھنٹے میں ہی بُرا ہو جاتا ہے لیکن ڈان داؤد کا اِتنے سالوں میں ایک بال بھی بانکا نہ ہوا اِس کی وجہ تھی اپنی سیکورٹی کی صحیح پلاننگ رکھنا۔ ''ڈان کو پکڑنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔'' 1975ء میں امیتابھ نے اور 2007ء میں شاہ رخ خان نے یہ ڈائیلاگ فلم میں بولا لیکن اِس پر عمل ڈان داؤد نے کیا۔

دِن کے حساب سے درجنوں دشمن بنا کر بھی ڈان داؤد پولیس یا دشمن کے ہاتھوں نہیں آئے۔ اب ایسا نہیں ہے کہ ڈان کو مشکلوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ کئی سال ہانگ کانگ میں رہنے کے بعد جب خطرہ بڑھا تو ڈان داؤد دوبئی شفٹ ہو گئے۔

دوبئی مواقعوں کی زمین ہے لوگوں سے پہلے ڈان داؤد نے سمجھ لیا اور وہ اپنا سارا سامان سمیٹ کر دوبئی لے آئے کئی سال دوبئی میں رہ کر ڈان داؤد اب غائب ہو گئے۔ نہیں نہیں۔ اُنہیں کچھ نہیں ہوا۔ بس لوگوں کو اب یہ پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟

دوبئی جاؤ تو میزبان جیسے جھمیرہ بیچ یا ایمرلٹس مال لے کر جاتے ہیں تو اُسی طرح ڈان کا بڑا سا کالے رنگ کا گھر بھی دکھاتے ہیں۔ گھر تو وہیں ہے مگر ڈان کہاں ہے؟

سنا ہے پچھلے کچھ سالوں سے ڈان کراچی میں رہتا ہے کئی کہانیاں ہیں اِس بارے میں۔ اِنڈیا کو پکا یقین ہے کہ ڈان کراچی میں ہی ہے۔ لیکن پاکستانی حکومت کا اِس بارے میں کچھ کہنا نہیں ہے۔۔۔ کون ڈان؟ کِس کا ڈان والا جواب دیا گیا ہے۔ ہمیشہ ہماری طرف سے اِنڈیا کے پوچھنے پر۔۔۔ اگر آپ کراچی صرِف وزٹ کر رہے ہیں تو ہر علاقے میں ایک گھر ضرور ایسا ہوگا جو لوگ آپ کو دکھا کر کہیں گے کہ ''یہ ڈان داؤد کا گھر ہے'' ہماری حکومت کو سچ مچ جیسے اُسامہ بن لادان کہاں رہتے ہیں کا نہیں پتہ تھا ویسے ہی ڈان داؤد کا ٹھکانہ نہیں پتہ ہے، بقول رحمان ملک کہ ہمارے پاس اب اتنی فوج تو ہے نہیں کہ گھر گھر جا کر تلاشی لے۔

چلیئے ہم نے مان لیا کہ اُسامہ تھے اور داؤد بھی پاکستان میں ہیں لیکن نہ ہی اُسامہ اور نہ ڈان داؤد نے پاکستانی شناختی کارڈ یا پھر راشن کارڈ کیلئے پاکستان کے کسی شہر میں اپلائی کیا۔ تو پھر بے چاری حکومت کا کیا قصور ہے ہماری حکومت کا اگر اُنہیں نہیں پتہ کہ یہ دونوں لوگ کہاں ہیں۔۔۔ اِتنا بڑا بارڈر ہے ہمارا کوئی بھی کسی وقت بھی کہیں سے آ جائے تو اِس کا جوابدہ ہم حکومت یا بارڈر سیکورٹی کو کیوں ٹھہراتے ہیں؟

اِنڈیا کے مطابق ڈان داؤد کلفٹن کے علاقے میں بیس ہزار اسکوائر فٹ کے گھر میں رہتے ہیں جس کو پاکستانی رینجرز اور پولیس ہر وقت گارڈ کر کے رکھتی ہے یہ خبر بہت دِنوں سے اِنڈین میڈیا میں عام ہے اب اگر یہ بات سچ ہے تو بھی ڈان داؤد نے اِس بارے میں کبھی کوئی خاص فکر نہیں کی۔ اُنہیں اپنی سیکورٹی پر پورا یقین ہوگا اِسی لئے ڈان داؤد کی بڑی بیٹی کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی اور اُس کے بعد چھوٹی کی بھی اور اُن کی فیملی میں سے کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا۔ لیکن آج جب اُن کے بیٹے معین کی شادی ہونے جا رہی ہے تو جشن کے سارے پلان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک دم کینسل کر دیئے گئے ہیں اور شادی سادگی سے کی جائے گی یعنی مسجد میں نکاح۔

اتنے سالوں سے کراچی میں خود کو محفوظ سمجھنے والے ڈان داؤد کو پہلے تو ۳ مئی کو جھٹکا لگا جب اُنہوں نے سنا کہ دنیا کے ''موسٹ وانٹیڈ'' شخص اُسامہ بن لادن کو امریکہ والے چپ چاپ مار کر ساتھ لے گئے اور پاکستان میں سب سوتے رہے۔ رات تھی بھائی اب سوتے نہیں تو کیا کرتے ہماری نیند کا فائدہ اُٹھانے والوں نے ڈان داؤد کا کانفیڈنس ہمارے اوپر سے اٹھالیا اُس کے بعد پی این ایس مہران کے واقعے نے تو جیسے آخری کیل ٹھونکنے کا کام کیا۔

دو اچھی خبریں ہیں اور ایک بُری۔ پہلی اچھی خبر کہ ہم نے تین ہفتے میں وہ کر دکھایا جو اِنڈیا تیس سال میں نہیں کر پایا یعنی ڈان داؤد کے دِل میں ڈر پیدا کرنا۔ دوسری اچھی خبر یہ ہے کہ ڈان داؤد کا انجام بھی اگر اُسامہ جیسا ہی ہوا تو کم سے کم ڈان والے ہیرو کی فلمیں بننا بند ہو جائیں گی۔ بُری خبر یہ ہے کہ آج پاکستان میں کوئی محفوظ نہیں داؤد جیسا ڈان تک نہیں۔

□ □ K □ □

ہمارے دو چہرے

کچھ سال پہلے فیس بک (Face Book) آیا اور ہماری زندگیاں بدل دیں ایسا نہیں تھا کہ یہ کوئی پہلی سوشل نیٹ ورکنگ سائیٹ تھی اِس سے پہلے آرکٹ، مائی اسپیس جیسی کئی اور بھی سائٹس لوگوں کے روزمرہ معمول کو بدلنے میں کامیاب ہوئی تھیں خصوصاً مائی اسپیس (My Space) جس نے امریکہ کے اسکول کالجوں میں پڑھنے والے طلبا میں راتوں رات مقبولیت پالی ہر بات اُسی کے حوالے سے کی جاتی بچے اسکول کے سبق سے لے کر اپنی سوچ اور گھر کے حالات تک مائی اسپیس پر لکھتے۔ یہ سب شروع ہوا 2001ء کے آس پاس جب امریکہ میں ڈائل اَپ اِنٹرنیٹ تیزی سے ختم اور ہر جگہ مستقل اِنٹرنیٹ عام ہو رہا تھا لیکن بچوں کے مائی اسپیس استعمال کرنے پر بڑوں کو کافی اعتراض تھا۔ اِس سے بچے بگڑ جائیں گے اپنی ساری زندگی اِس طرح کھول کر انٹرنیٹ پر نہیں رکھ دینی چاہیے یہی سب تاثرات تھے لوگوں کے سوشل نیٹ ورکنگ کے سائٹس کے بارے میں اور پھر فیس بک آ گیا۔

فیس بک 2005ء میں آیا اور اِس پر امریکہ میں رہنے والے بڑے وہی کرنے لگے جو وہ مائی اسپیس پر بچوں کو کرنے سے کئی سال سے منع کر رہے تھے۔ اپنے پل پل کا حال سنانا۔ ''میں گھر سے باہر جا رہا ہوں، میں بینک میں ہوں، میں آفس میں بور ہو رہا ہوں سے لے کر اپنے گھر کے اندر باہر بیوی بچے کتے بلی ہر ممکنہ چیز کی تصویر جو وہ لے سکتے لے کر ڈال دیتے۔

فیس بک کی مقبولیت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ جس وقت وہ آیا اُس وقت تک سب ہی انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کے پاس انٹرنیٹ کا مستقل کنکشن تھا اِس کے علاوہ دوسری وجہ یہ تھی کہ اِسے ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک گریجوٹ نے بنایا تھا اور پہلے کچھ مہینے تک فیس بک کو صرف

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گریجوٹ کالج اسٹوڈنٹس ہی جوائن کر سکتے تھے فیس بک استعمال کرنے والوں کو لگا کہ یہ مائی اسپیس یا آرکٹ سے زیادہ محفوظ ہے کیونکہ اس کے ممبرز کالج گریجوٹ ہیں بچے نہیں۔

فیس بک جنگل کی آگ کی طرح دنیا بھر میں پھیل گئی کوئی گانا ہو یا فیشن ہم پاکستان میں کسی بھی نئے ویسٹرن انداز کو اپنانے میں دیر نہیں لگاتے۔ مغرب میں مقبولیت پانے کے بعد پاکستان میں بھی فیس بک نے آرام سے لوگوں کے گھروں میں رکھے کمپوٹر اسکرین پر اپنی مستقل جگہ بنالی۔

کچھ ہی مہینوں میں لوگ ایک دوسرے سے ''تم فیس بک پر ہو کیا؟'' پوچھنے کے بجائے ''کیا تم فیس بک پر نہیں ہو؟'' کہہ کر حیران ہونے لگے اگر کوئی بھی کمپوٹر استعمال کرنے والا شخص غلطی سے یہ کہہ دے کہ میرا فیس بک پر اکاؤنٹ نہیں ہے۔

اگر امریکہ میں رہنے والے ہر دس منٹ میں بتا سکتے ہیں کہ وہ نوکری پر گئے ہیں یا بور ہو رہے ہیں تو کیا ہم پاکستان میں رہنے والے اُن سے کسی طرح بھی پیچھے رہ سکتے ہیں۔ پاکستان میں فیس بک تیرہ سال سے اسی سال کی عمر کے بیچ تقریباً چھ ملین لوگ استعمال کرتے اور چاہے آپ کی زندگی میں کسی کو دلچسپی ہو یا نہ ہو پھر بھی اِن چھ ملین لوگوں میں سے بیشتر لوگ دِن میں کئی کئی بار پوری دنیا کو یہ بتاتے کہ وہ اِس وقت کیا کر رہے ہیں اور کیا سوچ رہے ہیں، فیس بک پر آپ اپنے پیج پر اپنی تصویر ڈالتے ہیں اپنی پسند کے گانوں کے Links پسندیدہ مضامین اپنی زندگی کے بارے میں مختلف چیزیں اور اپنی روزمرہ کی سوچ، دنیا کا ہر انسان آپ کو صرف آپ کے نام سے فیس بک پر تلاش کر سکتا ہے لیکن آپ کی تصویر اور نام کے آگے مزید آپ کی تفصیلات جاننے کیلئے اُس کو آپ کا ''دوست'' بننا ضروری ہے۔

ہم پاکستانی ایک دوسرے کی کاٹ کرنے اور ایک دوسرے کی غلطیاں نکالنے کے لئے مشہور ہیں ''اس نے کیسے کپڑے پہنے ہیں'' سے لے کر اس کے بال کتنے برے لگ رہے ہیں۔ اس کی گاڑی کا رنگ تو دیکھو، بات تو کرنی آتی نہیں ہے اِسے اور فلسفہ جھاڑ رہے ہیں۔'' اکثر ایسے جملے دو دوست تیسرے کی غیر موجودگی میں اُس کے بارے میں کہتے گلیوں کالجوں دفتروں اور ریسٹورینٹس میں نظر آتے ہیں اور فیس بک سے ہم کو ایک دوسرے کی غلطیاں نکالنے کی ایک نئی راہ مل گئی۔

فیس بک پر ایک شخص کے اگر سو دوست ہیں تو یقیناً اُن سو میں سے بھائی بہن، اماں ابا، چاچا چاچی، ماما مامی کو چھوڑ کر باقی اسّی کو کسی نہ کسی بات پر اعتراض ضرور ہوتا ہے۔

''میں گھر سے باہر جا رہا ہوں۔'' لکھتے ہی فوراً کسی کا اُس پر Comment آجاتا ہے کہ ''ارے اِتنی گرمی میں کیوں باہر جا رہے ہو؟'' رات کو دوستوں کے ساتھ تفریح کر رہا ہوں کا جواب ''باہر کیوں ہو رات میں حالات خراب ہیں۔'' کسی ٹی۔ وی شو کی تعریف کوئی بے چارہ غلطی سے لکھ دے تو اُس کے نیچے درجنوں تاثرات ''تم نے کہاں سے دیکھ لیا وہ ٹی۔ وی شو جب کہ شہر میں لائٹ ہی نہیں تھی۔''

پاکستان میں فلمیں نہ ہی زیادہ بنتی ہیں نہ ہی زیادہ چلتی ہیں لیکن پھر بھی لاکھوں لوگوں کو فلم اسٹار بننے کا شوق ہے اور یہ اندازہ آپ کو اکثر فیس بک پر پوسٹ کی گئی تصویروں کو دیکھ کر ہو جاتا ہے جگہ جگہ طرح طرح کی عجیب اسٹائل میں کھنچوائی تصویریں لوگ ہر روز فیس بک پر لگاتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں اور باقی فیس بک کے اُن کے دوست اُن پر کمنٹس کرتے ہیں۔ ''تم کتنی اچھی لگ رہی ہو کتنی کیوٹ اسمائل ہے تمہاری یہ پک تو میری فیورٹ ہے۔''

جہاں تصویر پر ایسے کمنٹس ہوتے ہیں دِل ہی دل میں کمنٹس دینے والا اکثر یہ بھی سوچ رہا ہوتا ہے کہ ''دیکھو تو یہ تصویر میں کتنا اسٹائل مار رہی ہے۔ یہ تو خود ہی اپنے موبائل سے کھینچ کر ڈال دیتی ہے کوئی کام نہیں ہے جو روز فیس بک پر پکچر پوسٹ کرتی ہے۔''

میرے پسندیدہ گانے پر کمنٹ ''یہ گانا تو بہت پرانا ہے'' یا پھر ''تم نے فیس بک پر کیوں انجانے لوگوں سے دوستی کی ہوئی ہے؟''

اِسی طرح کی باتیں ہم پاکستانی صبح سے شام تک ایک دوسرے کی فیس بک پر کرتے رہتے ہیں چھ ملین میں سے زیادہ تر پروفائل دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستانی اپنا بہت زیادہ وقت فیس بک پر گزار رہے ہیں اور بات بات میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ لیکن مئی بیس 2010ء میں پاکستان اور بیرون ملک رہنے والے پاکستانیوں نے یہ ثابت کر دیا کہ جتنا ایکا ہم میں ہے کسی اور قوم میں نہیں ہے کوئی بھی چیز ہماری زندگیوں پر کتنی ہی حاوی کیوں نہ ہوگئی ہو وہ ہمارے ایمان اور مذہب کے بارے میں غلط بات کریں گے تو ہم سب الگ الگ ہونے کے باوجود ایک ہیں۔ کسی بھی پاکستانی نے بیس مئی کو فیس بک اِستعمال نہیں کیا چاہیے وہ یو۔ کے میں تھے آسٹریلیا میں یا پاکستان میں۔ ہم سب خاموش تھے لیکن سب کی ایک ہی آواز تھی اور وہ آواز سچائی ہے جس کو منوانے کیلئے ہم کو کسی بھی دوسری قوم پر چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فیس بک دنیا کو ہر کسی کا صرف ایک چہرہ دکھاتا ہے وہ چہرہ اکثر جس میں ایک پاکستانی دوسرے پاکستانی سے لڑ رہا ہے۔ مئی بیس 2010ء کو ہم پاکستانیوں نے دنیا کو اپنا دوسرا چہرہ دکھایا جس میں ہم کچھ اور نہیں صرف ایک چہرہ۔۔۔ ایک پاکستانی ہیں۔

K

ہم کریں تو چوری

آج بھی مجھے یاد ہے جب ہم پہلی بار امریکہ آئے تھے۔ ایئرپورٹ پر قدم رکھتے ہی لگا ہم نئی دنیا میں آ گئے۔ یہ بات ہے 1991ء کی۔ نہ کوئی ٹیررسٹ نہ اِسلامک ملٹینٹ جیسی اصطلاحات تھیں اُس وقت، پاکستان سے آنے والی فلائٹس سے خطرہ آم اور اچار سے تھا'' ٹیررسٹوں'' سے نہیں۔ پاکستان سے لوگ یہاں اتنے انجان تھے کہ پاکستان کا نام کسی کو بتاؤ تو وہ یہاں چار بار پوچھتا تھا۔ ''واٹ؟''

''جی۔۔۔ وہ پاکستان جو اِنڈیا سے آزاد ہوا تھا 1947ء میں۔''

''او۔۔۔ اِنڈیا۔۔۔ یس آئی نو اِنڈیا۔'' اور گورے کے منہ سے اِنڈیا کا نام سن کر ہم مطمئن ہو جاتے تھے کہ چلو اِنڈیا تک تو پہنچ گیا۔ آگے سے رائٹ جائے گا تو پاکستان مل ہی جائے گا۔

سب سے پہلے ایئرپورٹ پر پہنچ کر دو چیزیں محسوس ہوئیں ایک تو یہ کہ امریکہ میں بہت زیادہ موٹے لوگ رہتے ہیں۔ لوگ موٹے ہر جگہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتے ہیں مگر ہم نے اِتنے موٹے پہلے نہیں دیکھے تھے۔ خیر اِس موٹا پے پر کسی اور دِن بات کریں گے اور دوسرا یہ کہ امریکن قانون کے بہت پکے ہیں یہاں کوئی بھی اگر بغیر اجازت آ جائے یا پھر اپنے ویزے سے زیادہ رہ جائے یا پھر ایسے علاقے میں چلا جائے جہاں جانے کی اُسے اجازت نہ ہو۔ تو اُس شخص کو یا تو سزا دی جاتی ہے یا فوراً ڈی پورٹ کر دیا جاتا ہے یعنی زبردستی واپس اپنے ملک بھیج دیا جاتا ہے۔

شکل سے اچھے خاندان کا لگنے والا اپنے کپڑوں اور انداز سے یقیناً وہ پڑھا لکھا پاکستانی لڑکا بار بار ہم سے مخاطب ہو رہا تھا۔ ہم اپنے پورے خاندان کے ساتھ نیویارک کے ایئر پورٹ جے ایف کے ایک ایسے کمرے میں بیٹھے تھے جہاں ہر امیگریشن پر آنے والا اِس لئے بیٹھا ہوتا ہے کہ اپنی فنگر پرنٹنگ کروا سکے اُسی چھوٹے سے کمرے میں کئی اور بھی لوگ مختلف وجوہات سے موجود ہوتے ہیں۔ اِن میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو امریکہ سے ڈی پورٹ کئے جا رہے ہوتے ہیں۔

آپس میں جڑی ہوئی کرسیوں پر اپنے پورے خاندان کے ساتھ ہم قطار کی آخری کرسی پر بیٹھے تھے اور ہم سے کوئی دس بارہ فٹ کے فاصلے پر سامنے والی اِسی طرح کی کرسی پر وہ شخص بیٹھا تھا جس کا ذکر ہم یہاں کر رہے ہیں شاید اِس شخص نے اپنے آنے والے کل کو بہتر بنانے کیلئے بہت محنت کی تھی لیکن اُس کے ہاتھوں اور پیروں میں پڑی بیڑیاں اُس کی تقدیر کی وہ کہانی سنا رہی تھیں جو اُس نے سوچی نہیں تھی۔

''بھائی صاحب۔۔۔ میری بات سنیئے پلیز۔'' یہی کہا تھا اُس نے مجھ سے مخاطب ہونے کیلئے۔

ذہن میں ہزاروں سوال۔۔۔ ہم اُس عمر میں تھے جب ہمارے فیصلے ہم نہیں ہمارے والدین کیا کرتے تھے۔ اگر میں نے بات کر لی تو شاید امی ابو ناراض نہ ہو جائیں یا پھر ہو سکتا ہے ہمارے امیگریشن پروسیس میں مشکل ہو جائے۔ میرے کانوں پر ہیڈ فون لگے تھے مگر اُس وقت گانے نہیں بج رہے تھے۔ میں نے یوں ظاہر کیا جیسے میں گانے سن رہا ہوں واک مین پر اور مجھے کوئی آواز نہیں آ رہی۔۔۔ ''بھائی میرا یہ خط پوسٹ کر دیں گے؟ میں بھی آپ کی طرح پاکستانی ہوں۔'' اُس نے سب کی نظروں سے بچ کر ایک پرچہ مجھے دینے کے لئے آگے بڑھایا۔ مگر میں دوسری طرف دیکھ رہا تھا اور اُس طرف دیکھتا رہا۔۔۔ اور کچھ دیر بعد اُس کی اپنی آواز ہم تک پہنچانے کی آس ٹوٹ گئی۔

کچھ دیر بعد دو پولیس آفیسر اور ایک امیگریشن آفیسر اُسے اٹھا کر کہیں اور لے گئے۔ جاتے جاتے اُس کے ہاتھوں سے صفحے کو لے کر سامنے رکھے ڈسٹ بن میں پھینک دیا، ہر طرف کیمرے لگے ہوئے تھے اور ہر طرف یو۔ ایس آفیشلز ہماری ہمت نہ ہوئی کہ کچرے سے خط اُٹھا لیں پھر ہماری فنگر پرنٹنگ کی باری آ گئی اور ہم کچھ منٹوں میں اُس کمرے سے چلے گئے۔

آج تک یہ بات ہم نے کسی سے نہیں کہی لیکن ہزاروں بار اُس لڑکے کا خیال آیا ہے نہ جانے کس کو بھیجنا چاہتا تھا وہ خط۔۔۔ نہ جانے کتنی دیر سے وہاں بیٹھا تھا اور کس طرح لکھا تھا وہ خط۔۔۔ شاید اپنی ماں کو کوئی پیغام یا اپنی بیوی بچوں کو کوئی خبر، نہ جانے آگے اُس کا کیا ہوا؟ اور نہ جانے کیا ہوتا ہے اُن ہزاروں نوجوان لڑکوں کا جو غیر قانونی طریقے سے امریکہ آ جاتے ہیں اپنے کل کو بہتر بنانے۔

کچھ دِن پہلے خبر آئی کہ لاراڈو امریکہ میں رہنے والے باون سالہ کنسٹرکشن ورکر گیری بروکس پاکستان کے جنگلوں میں ایسے علاقے میں پکڑے گئے جو افغانستان کے بارڈر سے ملتا ہے اور جہاں کسی کا بھی جانا سخت منع ہے پاکستانی پولیس نے پوچھا کہ وہ وہاں کیا کر رہے ہیں؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جس پر گیری بروکس نے بتایا کہ وہ اُسامہ بن لادن کو مار کر نائن الیون کا بدلہ لینے آئے ہیں۔ پولیس کو لگا کہ گیری مذاق کر رہے ہیں لیکن تلاشی لینے پر کہانی کچھ اور تھی۔

گیری بروکس سچ مچ اُسامہ بن لادن کو پکڑنے آئے تھے جس کا ثبوت اُن کے پاس سے نکلی پستول، خنجر اور رات میں دیکھ پانے والے گوگلز تھے۔ ظاہری بات ہے اُسامہ کو پستول دکھا کر اگر گیری کہیں گے۔ ''چلو۔۔۔ شاباش امریکہ چلو۔۔۔ ہم بدلہ لیں گے۔'' تو یہ کام تھوڑا مشکل تھا۔۔۔ ایک تو گیری امریکہ کے عام شہری ہیں اور کسی کو بھی امریکہ لے جانا چاہیں تو اُنہیں اُس شخص کا ویزا چاہیے۔ اُسامہ کا ویزا وغیرہ لگوانے میں کئی مشکلات آتیں۔ اوپر سے گیری اُسامہ کو پکڑنے کے بعد پاکستان میں کہاں رکھتے۔ وہ تو خود جنگلوں میں چھپتے پھر رہے تھے اِس لئے گیری کے بقول وہ اُسامہ سے نائن الیون کا بدلہ لینے یعنی اُنہیں مارنے پاکستان کے ایسے علاقے میں موجود تھے جہاں جانا سخت منع ہے۔

گیری کو باعزت طریقے سے واپس امریکہ بھیج دیا گیا۔ پاکستان کا اِس بارے میں کچھ کہنا نہیں تھا کیونکہ جب امریکہ کی بات آ جاتی ہے تو کہتا صرف امریکہ ہے۔ کئی جگہ امریکن اخباروں اور نیوز چینلز میں گیری کا نام آیا۔ کچھ نے اُن کا مذاق اڑایا لیکن کچھ نے اُن کے لیے بڑی اچھی باتیں کیں۔ ''کیا محبِ وطن شہری ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔

گیری کی خبر پڑھ کر پھر ایک بار 1991ء میں ایئر پورٹ پر بیٹھے اُس پاکستانی کا خیال آ گیا جو امریکہ آیا تھا صرف محنت کرنے اور شاید Over Stay کی وجہ سے مجرموں کی طرح اُس دن وہاں ہتھکڑیاں پہنے بیٹھا تھا اور یہاں ایک امریکن پاکستان کے ''ہائی الرٹ ایریا'' میں قتل کے مقصد کے لئے غیر قانونی گھومتا ہوا ملتا ہے تو امریکہ کو یہ جرم نہیں۔۔۔ مذاق لگتا ہے۔

□ □ K □ □

ہم ہیں پاکستانی

نیویارک سٹی کو دنیا کا سب سے بڑا پارٹی کیپٹل مانا جاتا ہے یہاں ہر ہفتے جس طرح نوجوان دھوم مچاتے ہیں دنیا کے کسی بھی دوسرے شہر سے اِس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، ہر ویک اینڈ پر دنیا کی سب قومیتوں کے نوجوان مین ہٹن نیویارک کے بارہ میل کے جزیرے پر اپنے دوستوں کے ساتھ تفریح کرتے نظر آتے ہیں ہم نوجوان یعنی پاکستانی بھی اکثر اِن پارٹیز کا حصہ ہوتے ہیں۔ یہاں پارٹی کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ آپ شراب کے نشے میں دھت کسی کم روشنی والے زور سے میوزک بجتے کلب میں ناچ رہے ہوں بلکہ پارٹی یا صرف تفریح کرنے سے مراد ہے اپنے دوستوں کے ساتھ باہر اچھا وقت گزارنا۔

دنیا کے دوسرے علاقوں میں رہنے والے لوگوں کو شاید یہ لگتا ہوگا کہ نیویارک میں ماحول بہت کھلا ہے جو کہ کافی حد تک صحیح بھی ہے لیکن دنیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی کئی باقی جگہوں کی نسبت کم یعنی مقابلتاً نیویارک دنیا کے بہت سے ماڈرن ملکوں کے بڑے شہروں سے زیادہ کنزرویٹو ہے یہاں اکیس سال سے کم عمر کے لوگوں کو رات دس بجے کے بعد کئی ایسی جگہیں ہیں جہاں داخلہ نہیں دیا جاتا۔ اکیس سال سے کم عرم لوگوں کو شراب پینے کے لئے ہر بار شناختی کارڈ دکھانا پڑتا ہے۔

آپ بہت ماڈرن کپڑے پہننا پسند کرتے ہوں یا حجاب آپ کو اِس بارہ میل کے جزیرے پر کئی ایسی جگہیں مل جائیں گی جہاں آپ اپنی سوچ کے لوگوں اور ماحول میں انجوائے کر سکتے ہیں۔ نیویارک میں کئی کالج ہونے کی وجہ سے اکثر اچھے موسم میں سڑکوں سے پیدل گزرتے یا کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھے مختلف قومیتوں کے نوجوان نظر آتے ہیں، فرنچ، عربی، چائنیز، پاکستانی ہر بیک گراؤنڈ کے لوگ ایک ساتھ بیٹھے ہوتے ہیں۔

کل کوئی ڈاکٹر بنے گا کوئی انجینئر یا پھر ایم بی اے کر کے بزنس مین لیکن آنے والے ''کل'' کی تیاری میں جٹے یہ لوگ ''آج'' ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارتے دنیا اور اُس میں رہنے والے مختلف طرح کے انسانوں کے متعلق سیکھ رہے ہوتے ہیں مین ہٹن میں یہ ملٹی کلچرل ماحول کئی سالوں سے چلا آ رہا ہے اور وہاں موجود سب ہی لوگ اس ماحول سے بہت مطمئن ہیں علاوہ پاکستانی طالب علموں اور نوجوان پروفیشنلز کے۔

ستمبر گیارہ آیا اور سب بدل گیا۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ بُش نے سانحے کے کوئی بیس منٹ بعد ہی مسلمانوں کو قصوروار ٹھہرا دیا تھا لیکن پھر کچھ دِنوں مہینوں اور سالوں میں جس طرح پاکستان کا نام جگہ جگہ اور طرح طرح کے دہشت گرد حملوں سے جوڑا جانے لگا کسی بھی دوسرے مسلمان ملک کو اِس صورتحال کا سامنا نہیں کرنا پڑا انٹرنیٹ پر پاکستان کے بارے میں خبریں سرچ کرو تو ہر دوسری خبر ''پاکستان کی وجہ سے دہشت گردی'' کے عنوان سے ہوتی ہے وہ گورا جو دس سال پہلے خبریں پڑھتے ہوئے پاکستان کا نام لیتے کئی بار اٹکتا تھا اب پاکستان کے چپے چپے سے پاکستانیوں سے زیادہ واقف ہے۔

ہاں یہ سچ ہے کہ پاکستان ایک مشکل وقت سے گزر رہا ہے پاکستان میں یقیناً ایسے لوگ موجود ہیں جو دنیا کو پاکستان کا غلط امپریشن دے رہے ہیں لیکن وہ پاکستان کی اکثریت نہیں ہیں۔ یہ پاکستانی ایک پرسنٹ ہوں دو یا پانچ۔ پھر بھی پاکستان کی اکثریت نہیں بناتے ہیں عام پاکستانی (جو اکثریت میں ہیں) بالکل وہی سوچ رکھتا ہے جو کسی بھی اور ملک کا امن پسند شہری رکھتا ہوگا لیکن افسوس ہمارے ملک کا نام واشنگٹن پوسٹ ہو یا آسٹریلیا ٹائمز ہر کوئی بری وجوہات کی وجہ سے لکھ رہا ہے۔

مین ہٹن کا علاقہ جہاں ہر ویک اینڈ وہ لوگ مل جاتے ہیں جو آنے والے کل میں دنیا بھر میں پھیل کر بڑے بڑے کام کریں گے آج کا ہونہار پاکستانی نوجوان اپنے آپ کو اُن کے درمیان عجیب پوزیشن میں محسوس کرتا ہے آنے والے کل میں کوئی کسی ملک کا صدر بنے گا تو کوئی بہت بڑا انٹرنیشنل کھلاڑی لیکن آج یہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے دنیا کو ہلکے پھلکے انداز سے لیتے ہیں، 2001ء سے پہلے بھی پاکستان کا ذکر آتا تو وہاں کی میوزک ثقافت اور کلچر پر بات ہوتی لیکن پچھلے دس سالوں سے جہاں کوئی پاکستانی نوجوان دوسری قوموں سے تعلق رکھنے والے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے وہاں پاکستان کا ذکر آتے ہی گفتگو کا رخ دہشت گردی کی طرف چلا جاتا ہے۔

شکاگو نیویارک ڈیلس یا پھر لاس اینجلس ہر جگہ موجود پاکستانی ایک عام امریکن کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم میں سے بیشتر وہی سوچ رکھتے ہیں جو ایک عام امن پسند شہری رکھتا ہے ہم اِسکولوں میں یونیورسٹیز، کالجوں اور آفسوں میں مختلف موقعوں پر امریکن کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک پاکستانی اچھا اِنسان ہوتا ہے ہم اُس مسلمان ملک کے شہری ہیں جس کی بنیاد کسی نفرت پر نہیں بلکہ امن پر رکھی گئی تھی۔

امریکہ میں رہنے والے کسی پاکستانی کا پانچ سال کا بچہ اِسکول سے گھر آ کر کہتا ہے کہ اسکول میں کسی نے کہا ہے کہ تم Terrorist ملک سے ہو تو اُس کی ماں اُسے سمجھاتی ہیں کہ تم اپنے سلوک سے بتاؤ کہ وہ غلط ہیں پاکستان ایک اچھا ملک ہے۔ پاکستانی بچے اسکولوں کالجوں میں پڑھنے والے بچوں سے بہتر کردار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ورنہ لوگ کہیں گے کہ یہ پاکستانی ہیں اِسی لئے ایسا کر رہے ہیں۔ یہ سب میڈیا کا بنایا ہوا تاثر ہے۔ پاکستان میں حالات اِتنے برے نہیں۔ پاکستان میں رہنے والا ایک عام پاکستانی اچھی سوچ رکھتا ہے۔ ہم بھی امن چاہتے ہیں۔ اِسی طرح کی کئی باتیں کرتا ہے ایک پاکستانی امریکہ میں رہتے ہوئے اپنا ''پاکستانی امیج'' بہتر کرنے کے لئے۔

مین ہٹن میں جہاں باقی قوم کے نوجوان سب بھول کر پارٹی کرتے ہیں وہیں ایک پاکستانی اُن کے بیچ کبھی یہ نہیں بھولتا کہ وہ ایک پاکستانی ہے اور اُسے ہر حال میں اپنے ملک کا امیج بہتر رکھنا ہے اپنی ہر ممکنہ کوشش سے وہ اپنے آس پاس کے لوگوں کو سمجھاتا ہے کہ ہم دہشت گرد نہیں ہیں۔

تین ہفتے پہلے پاکستان کے مشہور میوزیشن سلمان احمد ٹائمز اسکوائر پر پیس کانسرٹ میں پرفارم کر رہے تھے۔ کانسرٹ کے آخر میں اُنہوں نے کہا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ لوگ پاکستانیوں کو سمجھیں۔ ہم بھی امن چاہتے ہیں۔ لیکن افسوس اِن کوششوں کے بعد اُسی ٹائمز اسکوائر پر جہاں پیس کانسرٹ ہوا تھا اگلے ہفتے ہی Bomb Attempt ہوتا ہے اور پھر ''پاکستان اور دہشت گردی'' ایک ساتھ دنیا کے ہر اخبار کی سرخیوں میں کئی ہفتوں کے لئے آ جاتے ہیں۔

□ □ K □ □

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مائی نیم از خان

کئی ماہ کے اِنتظار کے بعد شاہ رخ خان کی نئی فلم ''مائی نیم از خان'' (My Name is Khan) آ گئی۔ ایک لمبے عرصے سے بطور ہیرو اُن کی کوئی فلم ریلیز نہیں ہوئی تھی ہاں گیسٹ اپیئرنس میں وہ فلم بلو بار براور دولہا مل گیا میں نظر ضرور آئے تھے لیکن اِن دونوں ہی فلموں کی پبلک نے باکس آفس پر حجامت بنادی تھی لیکن مائی نیم از خان سے پبلک کو بہت اُمیدیں ہیں۔

نیویارک میں آج سے نو سال پہلے جب ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا حادثہ ہوا تھا تو اُس دِن شاہ رخ خان وہیں مین ہٹن میں موجود تھے۔ شاہ رخ خان ہی نہیں اور بھی کئی اسٹارز جیسے عامر خان، سنجے دت، امیتابھ بچن، سنیل سیٹھی وغیرہ بھی گیارہ ستمبر 2001ء کو مختلف وجوہات کی بنا پر نیویارک سٹی میں ہی موجود تھے سب جانتے ہیں کہ عامر خان بہت ہٹ کر سوچتے ہیں اِس لئے اُنہوں نے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا سنتے ہی ہٹ کر وہ کیا جو کسی اور نے نہ سوچا اُنہیں لگا ورلڈ سینٹر کے علاوہ اور جگہوں پر بھی حملے ہوں گے۔

سب جانتے ہیں کہ امریکہ کے سارے ہوائی اڈے بند کر دیئے گئے ہیں اِس لئے اُنہوں نے اِنتظار نہیں کیا اور ''رینٹ اے کار'' سروس سے گاڑی لے کر نو گھنٹے مسلسل ڈرائیو کر کے ٹورنٹو کینیڈا پہنچ گئے۔

عامر نے گیارہ ستمبر 2001ء کو بھی ثابت کیا کہ وہ باقی ایکٹرز سے آگے ہیں اور سب کو پیچھے چھوڑ کر نیویارک سے نکلنے میں بھی نمبر ون رہے خان تو عامر بھی ہیں لیکن آج ہم بات کر رہے ہیں بادشاہ خان یعنی شاہ رخ خان کی، نائن الیون کو سب کی طرح وہ بھی نیویارک میں پھنس گئے تھے، لیکن فلائٹس دوبارہ بحال ہونے پر شاہ رخ بغیر کسی دقت صحیح سلامت واپس اِنڈیا پہنچ گئے، شاہ رخ ستمبر 2001ء سے 2009ء تک کوئی دو درجن بار تو امریکہ ضرور آ چکے ہوں گے، آئے ہی نہیں بلکہ اپنی دو تین فلمیں بھی یہاں شوٹ کر چکے ہیں لیکن شاید اُنہیں کبھی بھی اُس سب سے نہیں گزرنا پڑا ہوگا جس سے ایک عام مسلمان ہر روز امریکہ پہنچنے پر گزرتا ہے، خصوصی اسکریننگ، شک کی نظر سے ہر کاؤنٹر پر آپ کو دیکھنا وغیرہ وغیرہ۔ شاہ رخ اور امریکہ کی کہانی جب تک اچھی چل رہی تھی کہ وہ آتے اور ''پریٹی وومن'' کرتے اور چلے جاتے لیکن یہ امریکہ اور اُن کی پیار بھری کہانی دیوداس ہوگئی جب اُنہوں نے کہا کہ ''مائی نیم از خان اینڈ آئی ایم ناٹ ٹیررسٹ۔'' یہی ہے اُن کی نئی فلم کا وہ ڈائیلاگ جو ساری دنیا میں اُن کی فلم کے پروموکے طور پر چل رہا ہے۔

جیسے ہی شاہ رخ خان نے اعلان کیا کہ آئی ایم ناٹ ٹیررسٹ تو اُنہیں فوراً امریکن ایئرپورٹ پر روک لیا گیا، گورے کا ماننا ہے کہ کون ٹیررسٹ ہے اور کون نہیں۔ اِس کا فیصلہ صرف وہ کریں گے۔

پچھلے سال پندرہ اگست کو امریکہ کے نیویارک ایئرپورٹ پر خصوصی اسکریننگ کے لئے ایک گھنٹے بٹھائے رکھا گیا۔ کچھ ایسا ہی پچھلے ہفتے لندن میں بھی ہوا جہاں خصوصی اسکریننگ سے گزرتے شاہ رخ کی باڈی اسکین (Scan) کر کے تصاویر لی گئیں اور پھر وہاں کے سیکورٹی والوں نے اُن تصاویر پر شاہ رخ خان کے آٹوگراف بھی لئے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کوئی کچھ بھی بولے آپ اُس سے لڑ سکتے ہیں کہ اُس نے ایسا کیوں کہا یا پھر اگر وہ کچھ بھی نہ بولے تو اِس بات پر لڑ سکتے ہیں کہ وہ خاموش کیوں بیٹھا ہے یعنی لڑنے کے لئے وجہ ضروری نہیں اور یہی نہ وجہ والی لڑائی مہاراشٹر میں اپنے پاؤں جمائے شیوسینا اکثر لوگوں کے ساتھ کرتی رہتی ہے، کوئی کچھ بھی بولے یا نہ بولے شیوسینا خوامخواہ کسی سے بھی بھڑ جاتی ہے خصوصاً مشہور لوگوں سے۔

کچھ مہینے پہلے بیچاری جیہ بچن سے اِس لئے ''سوری'' کہلوایا کہ اُنہوں نے کسی فنکشن میں کہہ دیا کہ ہم یو۔پی کے لوگ ہیں اور ہمیں ہندی بولنا چاہیے۔ اِسی طرح ٹنڈولکر سے اِس بات پر معافی منگوائی گئی تھی کہ اُنہوں نے کہہ دیا تھا کہ میں مہاراشٹرن ہوں مگر انڈین بھی ہوں، اِس ''مجھے معاف کردو۔'' کی لسٹ میں راہول گاندھی بھی آگے آگے ہیں شیوسینا کے حساب سے پہلے آپ مہاراشٹرن پھر ہندو اور اُس کے بعد کہیں جا کر اِنسان ہوتے ہیں اور ہر اُس اِنسان کو وہ مجرم مانتے ہیں جو مہاراشٹرن نہ ہو اور اگر وہ مسلمان ہو تو پھر تو شیوسینا والے اکثر اُس کی زندگی کا لائسنس بھی کینسل کر دیتے ہیں۔

شاہ رخ خان نے ایک پریس کانفرنس میں یہ کہہ دیا کہ ممبئی حملے کی وجہ سے پاکستانی کرکٹرز کو آئی پی ایل میں نہ کھلانا غلط ہے۔ بس پھر کیا تھا شیوسینا کے لیڈرز کے اندر سے ہندو مہاراشٹرن جاگ گیا۔ شاہ رخ خان کے گھر کے باہر نعرہ بازی اُن کے پتلے جلانے کا سلسلہ اور اُن کی فلم کو Ban کر دینے کی دھمکی۔ شیوسینا والے شاہ رخ خان سے بھی معافی مانگنے کی ڈیمانڈ کر رہے تھے۔

''یہ شاہ رخ نہیں خاں بول رہے ہیں اگر اِتنا ہی پیار ہے پاکستان سے تو پھر جائیں لاہور یا کراچی۔'' شیوسینا کے وہ چھوٹے چھوٹے کارکن جن کی اگلی سات نسلوں کو ملا لیا جائے تو بھی وہ کامیابی میں شاہ رخ خان کا ایک پرسنٹ مقابلہ نہیں کر پائیں گی وہ کارکن چیخ چیخ کر شاہ رخ کے ممبئی کے گھر کے باہر کھڑے پریس رپورٹرز کو بیان دے رہے تھے۔

عامر خان ٹرینڈ بناتے ہیں تو شاہ رخ خان ہسٹری لکھتے ہیں اور یہی ہوا۔ امیتابھ بچن ہندو ہونے کے باوجود ہر دوسرے مہینے شیو سینا سے معافی مانگتے نظر آتے ہیں لیکن شاہ رخ خان نے ایسا نہیں کیا۔ ''میں کس لئے معافی مانگوں جب میں نے کچھ غلط نہیں کہا چاہے میری فلم کو نقصان ہو جائے پھر بھی معافی نہیں مانگوں گا۔'' اِس بیان نے ممبئی نہیں پورے انڈیا کو ہلا دیا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور لوگ سمجھ رہے تھے کہ اقلیت میں ہونے کی وجہ سے شاہ رخ خان ایسا کریں گے بھی نہیں۔

شاہ رخ اور سلمان خان کے بیچ جھگڑے کے بارے میں سب جانتے ہیں اور کئی بار سلمان خان میڈیا میں شاہ رخ خان کو بُرا بھلا بھی کہتے نظر آتے ہیں امیتابھ بچن کے حساب سے شاہ رخ خان نے اگر غلطی کی ہے تو اُنہیں شیوسینا سے معافی مانگنی چاہیے۔ لیکن سلمان خان نے دشمنی کے باوجود شاہ رخ خان کا ساتھ دیتے ہوئے کہا کہ شاہ رخ خان نے بالکل صحیح کہا اور سوری نہ کرنے کا فیصلہ بالکل درست ہے، جہاں دوست بنے کئی لوگوں نے خاموشی اختیار کی وہیں سلمان خان نے سچ کا ساتھ دیا۔

ایک لڑکا تھا اِنڈیا میں آج سے کوئی سو سال پہلے علم دین۔۔۔ ایک عام سا اِنسان۔۔۔ ایک دِن اُسے پتہ چلا راج پال نامی آدمی نے ایک کتاب میں رسول پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے اور ملک کے مسلمانوں کے دائر کئے گئے مقدمے کا فیصلہ عدالت نے راج پال

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے حق میں دیا ہے۔ راج پال کو کورٹ نے تو چھوڑ دیا لیکن علم دین کے اندر کا مسلمان جاگ گیا تھا۔ علم دین نے راج پال کو مار کر اکیس سال کی عمر میں خود کو اسلام کے نام پر مسکراتے ہوئے قربان کر دیا۔

ہر مسلمان کے اندر ایک علمِ دین موجود ہے جس دِن وہ جاگ جاتا ہے اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے۔

شیو سینا کو باز آ جانا چاہیے۔ اور یہ بات بار بار ہم کو نہیں بلکہ خود کو سمجھانا چاہیے کہ عامر، سلمان، یا شاہ رخ خان پہلے مہاراشٹرن یا ہندو نہیں بلکہ سب سے پہلے ''خان'' ہوتے ہیں۔

□ □ K □ □

مشکل کام

پہیہ بنا اور دنیا چلنے لگی اِنسان کی تاریخ کمال کی ہے اگر ہم اِس کے بارے میں ریسرچ کرنے کی کوشش کریں تو یہ جاننا ناممکن ہے کہ اِنسان نے آج تک کیا کیا کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ کئی لوگوں کا ماننا ہے کہ اِنسانی کامیابیوں میں سب سے بڑی پہیئے کی ایجاد ہے۔ وہ پہیہ جس نے اِنسان کے پاؤں میں ''پر'' لگا دیئے۔ اُس وقت یہ پہیے زمین پر گھومتے تھے، اُڑتے نہیں تھے اور اِسی پہیے سے انسان کی زندگی میں آگے بڑھنے کا سفر شروع ہوا۔ اِنسان غاروں سے نکل کر اِن پہیوں کی مدد سے دنیا کے ہر کونے میں پھیل کر مہذب دنیا بنانے میں لگ گیا۔ پہیہ ہی وہ پہلی چیز تھا جس سے اِنسان کی زندگی میں رفتار آ گئی۔

ایک اور بڑی اِنسانی دریافت ہے ''آگ'' جس نے جلنے پر تہذیب کو آگے بڑھانے میں ایک بڑا کردار ادا کیا ہے۔ انسان ہزاروں سال پہلے غاروں میں رہتا کچے کھانے کھاتا اور سردیوں کے موسم میں اُسے اپنا گھر بدلنا پڑتا لیکن آگ نے زندگی بدل دی۔ کھانا پکانا، سردیوں میں گرمی پہنچانا اور یہاں تک کہ خطرناک جانوروں سے انسان کو محفوظ رکھنے کے کام بھی آئی یہ آگ۔

اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو ایسا دماغ دیا ہے کہ جس میں سیکھنے کی خوبی کمال کی ہے۔ سینکڑوں سال کی محنت سے ایجاد کی گئی کسی بھی چیز کو کچھ اسٹڈی کر کے اِنسان سیکھ لیتا ہے۔ اِنسان کی ہر گزرتی نسل پچھلی نسل سے کئی چیزیں سیکھ کر دنیا میں مزید بہتری لاتی رہی۔ پہیہ بنا تو سائیکل۔۔۔ پھر گھوڑا گاڑی اور پھر گاڑی۔۔۔ اِنسان غاروں سے نکل کر پکے مکانوں میں آ گیا۔ سڑکیں بن گئیں لوگ اپنے بچوں کو شروع سے ہی دنیا کے طور طریقے سمجھانے لگے۔

اِنسان کی ایک اور بہت بڑی کامیابی ہے کسی بھی چیز کا سسٹم رائج کرنا جیسے سڑک پر لگے سگنل، سب کو اپنی منزل تک پہنچنے کی جلدی ہوتی ہے لیکن اگر سب ایک ساتھ ایک ہی سڑک سے مختلف سمتوں میں گاڑی گزارنے کی کوشش کریں تو کسی کا بھی اپنی منزل پر وقت پر پہنچنا مشکل ہے۔ ایک سسٹم بنا لینے سے اور اُس پر عمل کرنے سے چیزیں آسانی سے چلتی ہیں۔۔۔ آپ کو دوکان سے کوئی چیز خریدنی ہے تو آپ کو اُس کے لئے پیسے دینے ہوں گے۔ پیسے کیلئے آپ کو نوکری کرنی ہوگی۔ نوکری کے لئے آپ کو کوئی کام آنا چاہیے اور کام آنے کے لئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ کو کسی نہ کسی طرح کی تعلیم حاصل کرنا ہوگی، زندگی کو سسٹم میں ڈھالنے سے لوگوں کو ایک نظام کے تحت چلنا آ گیا۔

آج سے کوئی چار ہزار سال پہلے اِنسان نے کمپوٹر کی بنیاد رکھی۔ ''ابے یکس'' نامی اکاؤنٹنگ سسٹم چائینز بزنس مین نے نکالا تھا جس کو نسل در نسل اِنسان بہتر کرتا گیا اور اسّی کی دہائی میں اِسے گھر لے آیا اور پھر اِنسان نے اِن کمپوٹرز کے ذریعے خود کو جوڑنا شروع کر دیا۔ کوئی افریقہ میں ہو یا آسٹریلیا میں صرف کچھ کمپوٹر کلکِ کی مدد سے ہم دوسری طرف بیٹھے شخص سے جڑ سکتے ہیں۔ یہ شاید اِنسان کی تاریخ کا دوسرا پہیہ تھا۔ وہ پہیہ جس کے گھوم جانے سے دنیا پھر ایک بار بدل گئی۔ اور آج ہر دوسرے آدمی کے ہاتھ میں موبائل فون کی شکل میں چلتا پھرتا کمپیوٹر موجود ہے۔

کئی سو سال کوشش کی لیکن اِنسان اُڑ نہیں پایا۔ ہارتا وہ ہے جو ہار مان لے اِنسان نے اپنی حدوں کو سمجھا اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے کام کرتا رہا، اِنسان نہیں اُڑ سکا لیکن منوں ٹنوں بھاری جہاز اُڑانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر وہ اپنی ایجاد کو بہتر سے بہتر کرنے کے سفر میں رُکا نہیں۔ بیس جولائی 1969ء کو اِنسان اپنی اُڑان کو چاند تک لے گیا۔ چاند پر پہنچا اِنسان آج ''مارس'' پر جانے کی کوشش میں ہے۔ ہم نے آسمان کی ہواؤں کو چیرا ہے تو چاروں طرف بہتے سمندر کے پانی کو بھی نہیں چھوڑا، ہزاروں سال پہلے اگر انسان نے کشتی میں بیٹھ کر سمندر میں ڈرتے ڈرتے چپو چلایا تو آج وہ ٹائی ٹینک سے بھی چار گنا بڑا جہاز ''Explorer of the Sea'' کو سمندر میں اُتارنے سے نہیں ڈرتا۔

اِنسان نے وہ وقت بھی دیکھا ہے جب کسی بھی بیماری کا اُس کے پاس علاج نہیں تھا صرف معمولی سا بخار اِنسان کی جان کا دشمن بن جاتا۔ وقت گزرا اور اُس نے جڑی بوٹیوں سے اپنا علاج کرنا شروع کیا اور پھر وہ وقت آ گیا جب ایک زندہ اِنسان کے جسم کو کھول کر اُس کا علاج کیا جاتا اور کچھ دِن میں وہ صحت یاب ہو جاتا۔ آج اِنسان بڑے سے بڑے کینسر سے لڑتا ہے۔ آج جسم کے کسی بھی حصے کی سرجری کی جا سکتی ہے۔ ریسرچ، ٹیکنالوجی اور تجربے کی بنا پر اِنسان پیدا ہوئے اپنی تکلیف نہ بتا پانے والے بچے کے کچھ ٹیسٹ کر کے اُس کا ایسا علاج کر دیتا ہے جس سے اُسے زندگی میں آگے چل کر کئی متوقع مشکلات سے نہیں گزرنا پڑتا ہے اِنسان کچھ ٹھان لے اور اپنی محنت لگا دے تو کامیابی بھی اُس کے آگے سر جھکا دیتی ہے اور اِس کی ایک نہیں ہزاروں مثالیں ہیں، ہیلن کیلر جو کہ 1880ء میں اندھی اور بہری پیدا ہوئیں اُنہوں نے بیچلرز آف آرٹس کی ڈگری ہی حاصل نہیں کی بلکہ ایک مشہور رائٹر بنیں اور بارہ کتابیں بھی لکھیں۔ صرف ہیلن ہی کیوں؟ کئی ایسے لوگ ہیں دنیا میں جنہوں نے اپنی محنت سے دوسروں کی زندگی بہتر بنائی ہے ایسے ہی ایک مثال مولانا عبدالستار ایدھی کی ہے جنہوں نے بغیر کسی فائدے کا سوچے ہزاروں کی نہیں لاکھوں کی مدد کی ہے۔

گینز بک آف ورلڈ ریکارڈز وہ کتاب ہے جو ہر سال دنیا میں بنے ریکارڈز چھاپتی ہے، اِنسان ہر سال درجنوں ریکارڈز بناتا ہے۔ ہر روز وہ کوئی نہ کوئی کامیابی حاصل کر رہا ہوتا ہے کوئی پیدل دنیا کے چار چکر لگا رہا ہے کوئی سمندر کا مقابلہ کرنے کھڑا ہو جاتا ہے کہیں کوئی تیرہ سال کا بچہ سرجری کر رہا ہے تو کہیں دس سال کا بچہ ماسٹرز کے طلباء کو پڑھا رہا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اِنسان آج صرف اپنے یقین سے اپنا آنے والا کل بدل دیتا ہے۔ اِسٹریٹ لائٹ کے نیچے پڑھنے والا غریب بچہ اپنی محنت سے شہر کا سب سے بڑا بزنس مین بنے گا تو کل اِنسان سمندر پر کئی نئے جزیرے بنائے گا۔ سب آسان ہے اِنسان کیلئے سوائے ایک چیز کے۔ ''امن۔'' بس ایک کام نہیں سیکھ پائے ہم، اتنے سمجھدار ہیں زندگی کو بہتر کرتے کرتے کہاں سے کہاں لے آئے ہیں لیکن اتنی چھوٹی سی چیز نہیں کر پائے ہم۔ کئی نسلیں گزر گئیں شاید ''امن'' قائم کرنا اتنا مشکل کام ہے کیوں نہ ہم اپنی زندگیوں میں یہ ''مشکل'' کام کر جائیں اپنی اگلی نسل کو کوئی نئے کمپیوٹرز یا جہاز نہ دے کر جائیں بلکہ وہ امن قائم کرنا سکھا دیں جس سے دنیا مزید تیز تو نہیں ہوگی لیکن یقیناً بہتر ضرور ہو جائے گی۔

K

''میں''

دنیا میں چھ بلین لوگ رہتے ہیں۔ سب الگ الگ صرف شکلیں ہی نہیں سب کی زندگیاں اور قسمتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف۔ انہی کروڑوں اربوں کی بھیڑ میں سے ایک ''میں'' ہوں میں ایک عام آدمی۔۔۔ کیوں ہوں میں اِتنا عام؟

دِن کے کئی پہر اور زندگی کے ہر موڑ پر یہی سوچ بار بار میرے سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ چلو کچھ دیر اپنے ہی اندر چلنے والی سوچ یعنی ''میں'' کی دوڑ کو روک کر چاروں طرف باقی دنیا پر آج نظر ڈالتا ہوں۔

دنیا میں 2.2 بلین بچے ہیں جن میں سے ایک بلین بچے ایسے ہیں جن کے گھر میں چار لوگوں کیلئے آنے والی آمدنی دِن کے ایک ڈالر سے بھی کم ہے اور میں اکثر اِس سوچ میں رہتا ہوں کہ کیوں میری پیدائش ایک عام سے گھر میں ہوئی جس گھر میں دو وقت کی روٹی تو ہے مگر آمدنی محدود ہے کیوں میں کسی امیر، مشہور یا طاقت ور شخص کے گھر میں پیدا نہیں ہوا، 1.5 بلین دنیا میں ایسے ہیں جو کبھی اِسکول نہیں جا پاتے اور میں اِس بات پر شرمندہ ہوں کہ میں جس اِسکول گیا وہ شہر کا سب سے بڑا اور مہنگا اسکول نہیں تھا۔

دنیا میں 660 ملین بچے ایسے ہیں جن کے سر پر کوئی چھت نہیں ہے اور میں اِس سوچ میں الجھا رہتا ہوں کہ اگر ہم کرایے کے نہیں اپنے گھر میں رہتے یا میرا گھر اور بڑا ہوتا اور میرا اپنا کمرہ ہوتا تو کیسا ہوتا؟ اِس وقت چار سو ملین بچوں کو پینے کا صاف پانی نصیب نہیں ہے اور میں اِس بات پر چڑتا ہوں کہ ہمارے شہر میں پانی کی سپلائی کا نظام صحیح نہیں ہے پانی نلوں میں دِن میں صرف دو بار آتا ہے اور مجھے گھڑی دیکھ کر نہانا پڑتا ہے اور پینے کا پانی اسٹور کرنا پڑتا ہے، 270 ملین بچے ایسے ہیں جن کو کسی بھی قسم کی طبّی سہولیات میسر نہیں۔ اگر اُن کی طبیعت خراب ہو جائے تو اُمید اور دعا اُن کا واحد علاج ہے اور میں طبیعت خراب ہونے پر ڈاکٹر کی فیس کلینک میں لمبا اِنتظار اور کڑوے ذائقے کی دوا پینے پر شکایت کرتا ہوں۔

دنیا میں گیارہ ملین بچے ہر سال پانچ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے اِس لئے مر جاتے ہیں کہ اُنہیں کوئی بہت چھوٹی سی بیماری ہوتی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے جیسے بخار لیکن کوئی طبی امداد بروقت نہ ملنے پر وہی اُن کی موت کی وجہ بن گئی اور میں طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے رات کو نیند نہ آنے پر نرم تکیئے پر کروٹ بدلتے تنگ ہوتا ہوں۔

دنیا میں موجود 28% بچے انڈر نرشڈ ہیں کیونکہ اُنہیں ایک وقت کا کھانا مشکل سے نصیب ہوتا ہے اور میں مہنگائی ہونے کی وجہ سے روز اپنی پسند کا کھانا نہ کھا سکنے پر اپنی قسمت کو ذہن میں موجود دنیا کی ہزار سوچوں کے بیچ کھڑا کر کے رسوا کرتا ہوں۔ اِس وقت دنیا میں ایک بلین لوگ ایسے ہیں جو ایک لفظ بھی نہیں لکھ سکتے اور میں شہر کے بڑے کالج میں داخلہ نہ پانے پر اور کئی لوگوں کی طرح باہر جا کر نہ پڑھ پانے پر اپنی قسمت سے کئی سوال کرتا ہوں۔

دنیا میں دو تہائی لوگوں کے پاس زیادہ سے زیادہ ایک جوڑی یا پھر ایک بھی جوتے کا پیئر نہیں اور میں اپنے کئی جوڑی جوتوں کو اِس لئے ناپسند کرتا ہوں کہ وہ کسی اٹالین ڈیزائنر کے مہنگے جوتے نہیں، گھر چلانے کی فکر اور کرایے کے گھر سے اپنے گھر میں جانا کب نصیب ہوگا یا نہیں ہوگا میں یہی سوچتا ہوں جب کہ دنیا میں 1.2 بلین لوگ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں 2.5 بلین لوگ کھانا بنانے کے لئے لکڑیاں یا کوئی ایسا ہی ایندھن استعمال کر کے اپنا چولہا جلاتے ہیں اور میں کبھی کبھی گیس کے نہ آنے سے یا گیس کے ہر سال مہنگا ہو جانے سے پریشان ہو جاتا ہوں۔

ایشیاء میں نو سو ملین اور افریقہ میں 550 ملین لوگوں کے پاس بجلی نہیں ہے اور میں روز شام میں بجلی غائب ہو جانے یعنی لوڈ شیڈنگ سے ٹی۔ وی اور پنکھے نہ چلنے کی وجہ سے خود کو مجبور محسوس کرتا ہوں، دنیا میں 63 فیصد لوگ ایسے ہیں جو اپنے خاندان کیلئے دِن میں ایک ڈالر بھی نہیں کما پاتے یعنی گھر کے چار لوگوں کی گزر بسر اتنے کم پیسوں میں ہوتی ہے اور میں اپنی عمر کے لوگوں کی زیادہ تنخواہ کے مقابلے میں اپنی جیب کو تنگ محسوس کرتا ہوں۔

دنیا میں اسّی فیصد لوگ جو نوکری کرتے ہیں دِن میں دس ڈالر سے کم کماتے ہیں اور میں اِن اسّی فیصد (80%) سے بہت اوپر ہونے کے باوجود خود کو غریب محسوس کرتا ہوں۔

دنیا میں ساڑھے چھ سو ملین لوگ ایسے ہیں جو پیدائشی اپاہج ہیں کوئی بینائی سے محروم ہے تو کوئی اپنے پیروں پر چلنے سے معذور دنیا کے پانچ فیصد چھوٹے بچے (سترہ برس سے کم) معذور ہیں۔ دس فیصد لوگ اٹھارہ سے چونسٹھ برس کی عمر کے بیچ اور اڑتیس فیصد لوگ پینسٹھ سال کی عمر سے اوپر کسی نہ کسی جسمانی کمی یا معذوری کا شکار ہیں پھر بھی اِن میں سے کئی ایسے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو کسی پر بوجھ نہیں بناتے، وہ کوشش کرتے ہیں زندگی کو عام لوگوں کی طرح گزارنے کی ''میں کرکٹ نہیں کھیلتا'' اور میں ''کرکٹ نہیں کھیل سکتا'' میں بہت فرق ہوتا ہے۔ دنیا میں کئی اِنسان اپنے پیروں سے ایک قدم چلنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور میں دِن میں کئی بار اپنی ٹانگوں پر۔۔۔ بغیر کسی سہارے کے چلتے چلتے۔۔۔ اکثر سوچتا ہوں میرے لئے آگے بڑھنا کتنا مشکل ہے۔

زندگی کی ملی ہر نعمت کو میں روز ایسے ترازو میں تولتا ہوں جہاں ہمیشہ اُن نعمتوں کا پلڑا ہلکا لگتا ہے جس کی تمنا روزانہ اَن گنت لوگ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرتے ہیں۔ ''کیا نہیں ہے میرے پاس'' کی ضد کو چھوڑ کر اگر میں روز اللہ کی دی ہوئی کسی ایک نعمت پر بھی خوش ہو جاؤں تو ''میں'' خود کو یہ احساس دلا دوں گا کہ میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔

وہ صبح ہے میرے پاس جو یہ احساس دلاتی ہے مجھے روز کہ آج پھر اللہ تعالیٰ نے موقع دیا ہے نئی شروعات کرنے کا۔ وہ آنکھیں ہیں جن سے دنیا کا ہر نظارہ دیکھ سکتا ہوں وہ پاؤں ہیں جن سے میں دنیا میں کہیں بھی سفر کر سکتا ہوں وہ ہاتھ جن سے میں اپنی قسمت جیسی بنانا چاہوں بنا سکتا ہوں وہ پیار کرنے والے میرے آس پاس لوگ جنہیں میرے اچھے برے کا خیال ہے ایسی کئی وجوہات میں خود کو بتا سکتا ہوں، زندگی ناانصاف ہے یہ سوچنے کے لئے ہزاروں وجوہات ہیں لیکن یہ نہ سوچ پانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو مجھے درجن بھر وجوہات دی ہیں وہ ان ہزاروں پر بھاری ہیں۔

□ □ K □ □

میٹھی میٹھی باتیں

زندگی گزارنے کے لئے سب سے ضروری ہوتی ہے سوچ۔ آپ کی زندگی کیسی گزر رہی ہے اِس کا ڈائریکٹ رشتہ آپ کی سوچ سے ہوتا ہے۔ آپ کی سوچ رکی ہوتی ہے تو آپ کی زندگی بھی رُکی ہوتی ہے۔ آپ کی سوچ صرف گزرے ''کل'' میں گھومتی رہتی ہے تو آپ کی زندگی میں آنے والے ''کل'' کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر آپ کی سوچ کہتی ہے کہ ہر چیز اور ہر بات سے ڈر۔ تو آپ کی زندگی مختلف ''ڈروں'' میں گرفتار ہے۔ اگر آپ کی سوچ کہتی ہے کل کو بہتر کر اور آگے بڑھ تو آپ کی زندگی میں آپ کے پاس بیکار باتوں میں وقت ضائع کرنے کی فرصت نہیں ہے، زندگی کی گاڑی قسمت کی طرف آگے بڑھتے جس سڑک پر سفر کرتی ہے اُس کا نام ''سوچ'' ہے۔

زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں ایک آپ ہر چیز کا پوزیٹو پہلو دیکھیں اور دوسرا۔ دوسرا بھی یہی کہ زندگی کی ہر چیز کا پوزیٹو پہلو دیکھیں کیونکہ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو زندگی گزرتی نہیں ہے جھیلنی پڑتی ہے۔ اِسی لئے ہمارا گلاس آدھا بھرا ہوا ہے۔ نہیں نہیں ہم اُس گلاس کی بات نہیں کر رہے جس کے آدھے بھرے ہونے کے باوجود اِنسان بہکنے لگتا ہے ہم بات کر رہے ہیں اُس گلاس کی جو بیچارے اُن لوگوں کے بہت کام آتا ہے جو اپنی سوچ بدلنے کے علاوہ زندگی میں اور کچھ نہیں بدل سکتے یعنی مثال میں استعمال ہونے والا گلاس آدھا ہمارے لئے بھی بھرا ہوا ہے۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی زندگی کے کئی اہم فیصلے وہ خود نہیں صبح کا اخبار کرتا ہے۔ کسی دِن اخبار کہتا ہے کہ شہر کے حالات خراب ہیں اپنا کاروبار نہ کھولو اور گھر میں کوئی آمدنی نہ لاؤ۔۔۔ کسی دن کہتا ہے کہ امریکہ نے ہمارے ملک کی ایڈ بند کر دی ہے اِس لئے پیٹرول مہنگا ہو جائے گا۔۔۔ اِسی ہر صبح خبروں سے بدلتی ''قسمت'' اور زندگی میں پوزیٹو رہنے کے لئے ہمیں اِس آدھے بھرے گلاس کا سہارا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آدھے بھرے گلاس کو دیکھنے کے دو طریقے ہوتے ہیں یا تو وہ گلاس آدھا بھرا ہوتا ہے یا آدھا خالی، ہر مشکل وقت کے بعد ہمارے لئے کچھ بہتر ہوگا اور اِس آدھے خالی گلاس کو آدھا بھرا دیکھنے سے زندگی ضرور آگے بڑھے گی۔

کئی لوگوں کو میٹھا پسند ہوتا ہے۔ کیوں نہ ہو جب کہ ہمارے ملک میں سینکڑوں قسم کی مٹھائیاں حلوہ جات ہر بڑے شہر کی خصوصیات میں، اہم کردار ادا کرتے ہیں، ہر علاقے، شہر میں کوئی نہ کوئی مٹھائی کی دوکان ضرور مشہور ہوتی ہے جو اُس علاقے کی پہچان ہوتی ہے۔ چلئے آج میٹھے پر کچھ بات ہو جائے سب جانتے ہیں کہ اِنسان کا جسم کھانے کو گلوکوز میں تبدیل کرتا ہے اور کئی لوگوں کا ماننا ہے کہ آپ جو بھی کھائیں چاہیے وہ سبزیاں ہوں گوشت یا مٹھائی۔۔۔جسم ہر چیز کو ایک ہی طرح گلوکوز میں تبدیل کرتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ زیادہ تر کھانوں میں وٹامن، منرلز، انزائم اور امونک ایسڈ ہوتے ہیں جب کہ کسی بھی میٹھی چیز میں بیشتر وقت ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا جس کی وجہ سے میٹھی چیزوں کو توڑنے اور گلوکوز میں تبدیل کرنے کے لئے آپ کی باڈی کو بہت محنت کرنی پڑتی ہے، سو گرام چینی ہمارے جسم میں پانچ گھنٹے کے لئے ہمارے خون میں سفید ذرات کی مقدار کم کر دیتی ہے اور یہ اثر میٹھا کھانے کے دس منٹ کے اندر شروع ہو جاتا ہے، سفید ذرات کا کم ہونے کا آسان زبان میں مطلب یہ ہے کہ ہمارے جسم کا تحفظی نظام (Immunity) کمزور ہو جاتا ہے اور آپ کو کوئی انفیکشن آسانی سے لگ سکتا ہے یعنی ایک گلاب جامن کھا کر گھر سے سردی میں باہر نکلنے پر سردی لگنے کے امکانات زیادہ ہیں۔

میٹھا جوس جیسے دوکانوں پر بکنے والا اورنج جوس اُس کے بارے میں لوگوں کو یہ پتہ نہیں کہ اورنج جوس صرف اُس وقت مفید ہوتا ہے جب وہ تازہ نکالا گیا ہو۔ اگر جوس کو نکال کر محفوظ کر لیا جائے تو اُس کے اندر پائے جانے والے وٹامنز اور اجزاء عمدہ نہیں رہتے اور چونکہ وہ جوس پروسس کیا جاتا ہے اُس کے اندر کی مٹھاس اِنسانی جسم پر ویسے ہی اثر ڈالتی ہے جیسے عام چینی۔ اِس طرح شہد خریدتے وقت کبھی بھی اِس بات کا خیال نہیں کرتے کہ وہ شہد پروسس کرتے وقت گرمی سے گزارا گیا تھا؟ کیونکہ اگر شہد کو 89° F سے اوپر گرم کیا جائے تو وہ صرف چینی رہ جاتا ہے اُس کے اندر کے سارے منرلز نکل جاتے ہیں۔

اب اگر آپ گھر سے میٹھا کھا کر نکلنے سے خدانخواستہ بیمار ہو جائیں اور طبیعت کی بحالی کے لئے اورنج جوس اور شہد کا سہارا لیں تو آپ کے جلدی ٹھیک ہونے کے امکان کم ہیں ساتھ ہی مستقل کسی بھی طرح کے میٹھا کھانے سے چاہے وہ چاکلیٹ ہو بکلاوا یا کھیر اِنسان کے جسم کے اندر موجود Pancreas یعنی لبلبے کو مستقل انسولین بنانی پڑتی ہے اور اگر اِس لبلبے پر بہت زیادہ زور ڈال دیا جائے تو اُس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ لبلبہ انسولین بنانا چھوڑ دیتا ہے اور اِنسان کو ڈایبا ٹیس (شوگر) ہو جاتی ہے۔

چینی کھانے سے اِنسان کے دانتوں میں کیڑا لگنے کے مواقع بھی بہت بڑھ جاتے ہیں۔ ایک ریسرچ کے مطابق کسی بھی طرح کا میٹھا کھانے کے بعد اِنسان کو بیس منٹ کے اندر دانت برش کر لینا چاہیے ورنہ کیڑا لگنے کے چانسز کافی زیادہ ہیں۔ اب ہم اپنے ساتھ ٹوتھ برش اور پیسٹ لے کر تو چلتے نہیں ہیں اس لئے گھر سے باہر ہر بار میٹھا کھانے پر ہم اپنے دانتوں کو ایک بڑے خطرے میں ڈالتے ہیں۔

پاکستان میں اِس ہفتے چینی ایک سو تیس روپے کلو ہو گئی۔ چینی سے بننے والی چیزیں بھی تھوڑے ہی دِن میں یقیناً مہنگی ہونے والی ہیں جو ملک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے حالات ہیں اُن میں چیزوں کی قیمتیں کم ہونے کے بجائے بڑھنے کے امکان زیادہ ہیں، اب ایسے میں ہم ہر ہفتے چینی خریدتے وقت اپنی زندگی کو کوسنے کے بجائے یہ کام کر سکتے ہیں کہ اِس چینی کے مہنگے ہونے کا پوزیٹو پہلو دیکھیں۔

پاکستان کے وزیر خوراک نذر محمد گوندل کے مطابق چینی بیکار چیز ہے۔ اسے استعمال کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ قوم کو چاہیے اِس سے پرہیز کرے، گوندل صاحب یقیناً صحیح کہہ رہے ہیں لیکن ہماری قوم کو پاکستان کے سیاستدانوں سے اتنے ''مہنگے'' زخم ملے ہیں کہ عوام سیاستدانوں کے کسی بھی دیئے مشورے اور بیان کو ماننے سے پرہیز کرتی ہے۔ لیکن نذر محمد گوندل صاحب کے لئے خوش خبری یہ ہے کہ ہم نے خود کو خود ہی سمجھا لیا ہے کہ چینی۔۔۔ سے پرہیز کرو۔

ایسا کرنے سے نہ ہم چینی خرید پائیں گے۔ نہ چینی سے پیدا ہونے والے مسائل سے گزریں گے اور نہ بعد میں چینی کھانے کی وجہ سے پچھتائیں گے۔ ہمارے خزانے خالی ہیں تو کیا ہوا۔ ہماری سوچ کا گلاس تو آدھا بھرا ہوا ہے۔

پاکستان میں جتنی چینی کھائی جاتی ہے اُتنی تو چین کے چینی بھی نہیں کھاتے بلکہ پاکستان میں جتنے چائنیز ریسٹورنٹ ہیں اُس میں سوئیٹ ڈش نہیں ملتی۔ بازار میں چینی کی قیمت جو بھی ہو کم از کم چائنیز کو فرق نہیں پڑتا۔

ڈاکٹر کہتے ہیں اِنسانی جسم کو ہر روز صرف ایک چمچے چینی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ جو کچھ ہم کھاتے ہیں اُس سے حاصل ہو جاتی ہے۔ زندگی میں دیکھیں تو بہت مٹھاس ہے جب کوئی کسی سے محبت کرتا ہے تو اس میں ڈھیروں مٹھاس شامل ہوتی ہے، پاکستان میں حکومت عوام سے بے پناہ محبت کرتی ہے اتنی کہ گلاس بھر جاتا ہے اور اُس میں چینی کے ایک چمچے کی بھی جگہ نہیں بچتی لہٰذا نذر محمد گوندل نے جو کہا سچ کہا۔

□ □ K □ □

ناانصاف زندگی

اکتوبر بارہ 1932ء کو لندن میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ ایک عام سے گھرانے میں پیدا ہونے والے اِس بچے کے ساتھ عجیب و غریب مسئلہ تھا اُس کے دونوں پیروں کی ایڑیاں نہیں تھیں۔ ایڑیاں نہ ہونے کے علاوہ ڈاکٹروں نے یہ بھی بتایا کہ ٹانگوں کی ہڈیاں نارمل نہ ہونے کی وجہ سے عمر بڑھنے کے ساتھ اِس بچے کی ٹانگوں میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔

اِس بچے کا نام تھا Lan Donald Camerox زندگی کے شروع کے سالوں سے ہی لین کو کئی مشکل آپریشنوں سے گزرنا پڑا جس سے اُس کی ٹانگیں کچھ بہتر ہو گئیں اور وہ اسپیشل جوتے پہن سکا، پرائمری اسکول سے ہی وہ جانتا تھا کہ وہ دوسرے بچوں جیسا نہیں ہے اسکول میں بھی کئی ایسی چیزیں جن میں وہ حصہ نہیں لے پاتا جب دوسرے بچے پلے گراؤنڈ میں کھیلتے تو لین کو ڈاکٹروں کی ہدایت کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مطابق ایک گھنٹہ آرام کروایا جاتا۔

گھر میں ماں لین کا دوسرں بچوں سے زیادہ خیال رکھتی وہ چل نہیں سکتا تھا لیکن اُس کی ماں چاہتی تھی کہ وہ دنیا کا سامنا خود کرے اِسے کسی دوسرے کے سہارے کی ضرورت نہ پڑے وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ لین کو اپنی اِس کمزوری اور کمی کا احساس کم سے کم ہو اور اُسے اپنے خودمختار ہونے کا احساس ہونا چاہیے لیکن لین کی زندگی میں اور مصیبتیں بھی تھیں اُس کے والد نے اُس کی والدہ کو چھوڑ کر دوسری شادی کر لی جس کا لین پر بہت گہرا اثر پڑا اِس لئے وہ اسکول میں کبھی بہت اچھا طالب علم نہ رہا۔

مشکل حالات اور اسکول میں بہت اچھے نمبر نہ آنے کے باوجود وہ بچپن ہی سے لین میں حالات کا سامنا کرنے اور اُن سے لڑنے کی طاقت تھی وہ اپنی معذوری کے باوجود کسی بھی نئی چیز کو سیکھنے میں شرماتا نہیں تھا اُس کے اسکول کے ایک دوست کے حساب سے وہ ایک مضبوط اِنسان تھا ایک بار رگبی کھیلتے دوسری ٹیم کا کھلاڑی لین کو دیکھ کر یہ سوچ کر آگے بڑھ رہا تھا کہ لین کو پاس کرنا اس کے لئے آسان ہوگا کہ وہ چل نہیں سکتا لیکن لین کے پاس بال آتے اُس نے اِس کو اِس مضبوطی سے پکڑا کہ کئی لوگ مل کر بھی اُس سے بال نہیں چھین پائے۔

اِسکول کے بعد لین نے کالج میں داخلہ نہیں لیا اور نہ ہی وہ معذوری کی وجہ سے نیشنل سروس میں دوسرے نوجوانوں کی طرح گیا بلکہ اُس نے اکاؤنٹنگ کا دوسال کا ایک کورس کیا۔ وہ اکاؤنٹنگ جس سے اُسے اتنی نفرت تھی کہ اُس نے آنے والے وقت میں اپنے بچوں پر اس مضمون کو پڑھنے پر پابندی لگائی ہوئی تھی۔

دوسال ایک بینک میں کام کرنے کے بعد انہوں نے اپنا خاندانی بزنس یعنی انوئسٹمنٹ کا کام شروع کر دیا جو اُنہوں نے زندگی بھر کیا۔ اُن کے ایک دوست کے مطابق لین ہر وہ کام کرتے جو ایک عام نوجوان کرتا۔ چل نہ پانے کے باوجود ہر ویک اینڈ اپنے گھر میں پارٹیز کرتے اور شہر بھر کے نوجوان وہاں موجود ہوتے۔

لین قد میں چھ فٹ دو انچ کے تھے لیکن اپنی معذوری کی وجہ سے تقریباً ایک فٹ چھوٹے لگتے تھے لیکن اُن کے کردار کا خاصہ تھا کہ اپنی اِس معذوری کو زندگی کی خوشی کے بیچ نہ آنے دیتے تھے اُن کے بچوں کے حساب سے لین نے اپنے گھر میں کسی کو پریشان یا افسردہ ہونے کی کبھی اجازت نہیں دی۔ ہاں انہیں احساس تھا کہ وہ کبھی Ski نہیں کر پائیں گے یا زندگی میں ٹینس نہیں کھیل پائیں گے لیکن اُنہوں نے زندگی کی دوسری نعمتوں سے اپنے دِل کو مطمئن رکھا اور کسی بھی نہ ہو پانے والی چیز سے اپنے کو افسردہ نہیں کیا۔

لین کے قریبی لوگ ہمیشہ اُن کو ایک مثال بناتے کہ کیسے ایک نارمل زندگی بسر کی جاتی ہے، اپنی زندگی کے آخری دِنوں میں جب اُن کی دونوں ٹانگیں کاٹنے کی ضرورت پڑی تب بھی اُنہوں نے وہیل چیئر کا سہارا نہیں لیا بلکہ نقلی پیروں کی مدد سے خود چلنا سیکھا۔

لین ستمبر ۸، 2010ء کو فرانس میں چھٹیاں گزارنے کے دوران ایک ہارٹ اسٹروک سے اِنتقال کر گئے۔ ایک انسان جو پیدا ہی معذوری کے ساتھ ہوا شاید زندگی شروع ہونے سے پہلے ہی اُس سے ہار مان جائے لیکن وہ لوگ جو اُس کا سامنا کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں اُن کا کوئی مجبوری کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ لوگ جو مضبوط ہوتے ہیں اپنے آس پاس کے لوگوں پر بھی اثر ڈالتے ہیں۔ دوسروں کو بھی مضبوط بناتے ہیں لین اپنے پیچھے دو بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ گئے ہیں اُن کے بیٹے ڈیوڈ کے مطابق اُن کے والد ایک کامیاب آدمی کی مثال تھے۔ تینوں بچے اپنے باپ جیسا بننا چاہتے تھے۔ تینوں ہی بچوں نے ہمیشہ اپنے باپ کو جسمانی کمزوریوں سے لڑتے دیکھا لیکن اُن کے حساب سے اپنے والد سے زیادہ طاقتور اِنسان اُنہیں کوئی نہیں لگتا۔

لین نے اپنے بیٹے ڈیوڈ کو بچپن سے ہی بتایا کہ آپ کے ساتھ بہت سی نااِنصافیاں ہوتی ہیں۔ Nothing in Life is Fair لیکن زندگی میں کامیاب وہ ہوتا ہے جو اِن نااِنصافیوں کے باوجود آگے بڑھے اور ہمیشہ اپنی سوچ مُثبت رکھے کسی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ کمی سوچ میں ہوتی ہے۔

اِنسان چاہے تو ہر مشکل کو پار کر کے کامیابیوں کی بلندیاں چھو سکتا ہے۔ یہی سکھایا تھا لین نے اپنے بچوں کو۔ اِسی وجہ سے جہاں کئی پینتالیس سالہ برطانوی اپنے کیریئر میں ''کیا کرنا چاہیے؟'' سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں وہیں آج پینتالیس سالہ ڈیوڈ۔ لین کے بیٹے برطانیہ کے وزیراعظم ہیں۔

کچھ دِن پہلے اخبار میں ایک خبر تھی کہ ''برطانیہ کے وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون کے والد انتقال کر گئے۔'' ہر لائن میں ڈیوڈ کا نام بڑا بڑا لکھا تھا اور اخباروں میں تفصیلات بھی ڈیوڈ کے بارے میں ہی تھیں۔ ہمیں لگا آپ تک اُس مضبوط شخص کی کہانی ضرور پہنچنی چاہیے جس نے ڈیوڈ کو کامیاب بنایا۔ یہ تھی لین کی نااِنصاف زندگی جس کو پوزیٹو گزار کر اُنہوں نے نہ صرف اپنی بلکہ اپنی آنے والی کئی نسلوں کی زندگی بہتر بنا دی۔

□ □ K □ □

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نمبوڑا، نمبوڑا، نمبوڑا

1999ء میں ایک ہندوستانی فلم آئی تھی جس کا نام تھا ''ہم دِل دے چکے صنم۔''
فلم کے ہیرو تھے سلمان خان اور ہیروین تھیں ایشوریا رائے یہ فلم بہت مشہور ہوئی تھی اور اس کے گانے لوگوں میں آج تک مقبول ہیں۔
آپ نے اگر یہ فلم دیکھی ہے تو اِس فلم میں آپ کو اجے دیوگن یاد ہوں گے۔ اگر نہیں دیکھی تو ہم آپ کو بتادیں کہ فلم میں ایشوریا رائے سلمان خان کے عشق میں گرفتار ہوتی ہیں۔ کہانی سیدھی سیدھی چل رہی ہوتی ہے لیکن پھر کہانی میں ''نمبوڑا'' یعنی ٹوئسٹ آجاتا ہے مطلب اجے دیوگن کی اینٹری۔

اجے دیوگن ایک سیدھی سادھی بے چاری سی شخصیت کے مالک ہوتے ہیں جو ایشوریا رائے کی زندگی میں بیچ فلم میں آجاتے ہیں۔ دِل ہی دِل میں اُن کو پسند کرتے ہیں اور جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایشوریا کے قابل نہیں ہیں یعنی کہ ایشوریا بہت زیادہ خوبصورت ہیں اور اجے دیوگن۔۔۔ بس اجے دیوگن ہی ہیں، وہ یہ کہنے سے ڈرتے ہیں کہ اُنہیں ایشوریا بہت پسند ہیں۔ فلم میں ایشوریا رائے کی شادی اجے دیوگن سے ہوجاتی ہے اور فلم کا End بھی پیپی ہے یعنی ایشوریا اجے دیوگن کے ساتھ خوشی خوشی رہنے لگتی ہیں۔

یہ فلم ہے جس میں بہت کچھ جھوٹ دکھایا جاتا ہے۔ اب اصل میں ایسا صرف اُس وقت ہوسکتا ہے جب اجے دیوگن کی شکل و صورت والے کسی شخص کے نام کے آگے ''بچن'' لگا ہو، فلم کے اجے دیوگن جیسے ایشوریا کے خواب دیکھنے والے لوگ دنیا بھر میں موجود ہیں فرق صرف یہ ہے کہ اِن کے خواب بس خواب ہی رہتے ہیں اور جب کہ ایشوریا ''بچن'' ہوچکی ہیں اِس کے باوجود اِن کو پسند کرنے والوں کی فہرست میں دِن بدن اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

پاکستان میں اِنڈین فلمیں حکومت کی طرف سے پچھلے کئی سالوں سے Ban تھیں۔ پاکستان میں آفیشلی ریلیز ہوئی انڈین فلموں کو دیکھا جائے تو اُس میں امیتابھ بچن کب آئے۔ کب گزر گئے۔ پتہ ہی نہ چلا۔ ہم نے دلیپ کمار سے سیدھی جمپ شاہد کپور پر ماری یعنی پچھلے بیس تیس سال سے ہمارے یہاں انڈین فلموں کو ریلیز نہ کرنے کا قانون بہت سخت تھا۔ اب جب سے یہ فلمیں باقاعدہ پاکستان میں لگنا شروع ہوئی ہیں اُس وقت سے ایشوریا رائے فلموں میں زیادہ کام نہیں کررہی ہیں، مشکل سے پانچ چھ فلموں میں آئی ہوں گی جن میں سے ایک آدھ ہی پاکستان میں ریلیز ہوئی ہوگی جیسے ''جودھا اکبر۔''

پاکستان میں رہنے والے لوگ بہت دھڑلے سے ''ہاں میں کرتا ہوں اِنڈین فلموں کی چوری'' کا اِقرار کرتے ہیں۔ وہ اُن فلموں کی بات کرتے ہیں جو اُس زمانے میں ریلیز ہوئی تھیں جب پاکستان میں انڈین فلمیں پوری طرح ویڈیو اور سینما میں Ban تھیں یعنی کچھ دو چار سال پہلے کی فلمیں۔ چلئے عام لوگوں کی بات تو الگ ہے کون اُن سے کہے گا ''چلو جرمانہ دو یا پھر سزا کاٹو کیونکہ تم نے ایشوریا رائے کو عشق کمینہ کرتے چوری کے پرنٹ پر دیکھا ہے'' لیکن ہم کو حیرانی اپنے اُن لیڈرز پر ہے جو پبلک سے اِس بات کا اِقرار کرتے ہیں کہ اُنہوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے وہ سب فلمیں دیکھی ہیں جو پاکستان میں صرف پائیرٹ پرنٹ پر ملتی تھیں۔

صرف شاہ رخ خان کو ہی نہیں جنرل (ر) پرویز مشرف کو بھی کچھ کچھ ہوتا ہے رانی مکھر جی کو دیکھ کر اسی لئے جب ہمارے تعلقات اِنڈیا سے مزید خراب کرنے وہاں گئے تھے اُس وقت اپنی مسز کے ساتھ تاج محل کے سامنے تصویریں کھنچوانے کے علاوہ اُنہوں نے اور بھی کمال کئے تھے جیسے بہت اصرار کر کے اپنے اعزاز میں رکھی گئی پارٹی میں رانی مکھر جی کو زور دے کر بلوایا گیا تھا۔

''میں آپ کا بہت بڑا فین ہوں۔'' سے شروع ہوئی بات چیت کے بعد پرویز مشرف نے پہلے تو اُن کی ویرزارا اور پھر درجن بھر فلموں کا ذکر کیا جو اُنہوں نے پاکستان میں کسی پائیرٹ پرنٹ میں دیکھی ہیں۔ پھر اُنہوں نے ایک اور سچے پاکستانی ہونے کا ثبوت دیا یعنی رانی مکھر جی کے ہنس ہنس کر بات کرنے پر فوراً پوچھ لیا کہ کیا آپ کل میرے ساتھ لنچ کرنا پسند کریں گی؟ پہلے رانی مکھر جی نے مشرف صاحب کو ''نہ'' بولا اور پھر پاکستانی عوام نے اور یہ کہانی ''کچھ کچھ'' سے ''کچھ نہیں'' پر ختم ہوگئی۔

مشرف کے زمانے میں حالات خراب تھے اُن کے جانے کے بعد اور خراب ہوگئے۔ نئی حکومت آئی اور پھر ہر کچھ دن میں وہ عوام کو نئے نئے طریقے سے حیران کرنے لگی۔ اب ہماری عوام اتنی پکی ہوچکی ہے کہ سیاستدانوں کے اُلٹے سیدھے بیانات اُنہیں ذرا سا بھی حیران نہیں کرتے اِس لئے ہمارے لیڈرز عوام کو حیران کرنے کے نئے نئے طریقے ڈھونڈتے رہتے ہیں، اِسی لئے کچھ دِن پہلے پرائم منسٹر پاکستان جناب یوسف رضا گیلانی نموڑا نموڑا کرتے نظر آئے۔

جیسے ہر چائنیز کنگ فو نہیں جانتا اُسی طرح ہر ہندوستانی کا فلموں سے بھی تعلق نہیں ہوتا لیکن اِس بات کا شاید پرائم منسٹر یوسف گیلانی کو اندازہ نہیں، ہوا کچھ یوں کہ اِنڈین این جی اوز کے کچھ نمائندے پاکستان آئے تھے یہ آفیشل وزٹ تھا یعنی انڈین حکومت کی طرف سے اور اِن کا بنیادی مقصد پاکستان کے حالات جاننا اور مدد تھا مختلف موضوعات پر بات ہورہی تھی۔ باتوں باتوں میں کہیں سے بات اِنڈین سینما پر نکل آئی۔

پرائم منسٹر صاحب نے پہلے پوچھا آپ میں سے کسی نے ایشوریا رائے کو دیکھا ہے؟ اور پھر سب کو اُن کی فلموں کی لسٹ بتائی جو پاکستان میں کبھی بھی آفیشلی ریلیز نہیں ہوئیں مگر وہ سب اُنہوں نے دیکھی ہیں۔ این جی اوو والے بے چارے جنہیں فلم کیا اسٹیج شو میں حصہ لینے والے فنکار بھی نہیں پوچھتے۔ مستقل کوشش کرتے رہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح یہ موضوع بدل دیں کیونکہ وہ انڈینز ہیں تو لیکن اُنہوں نے ایشوریا رائے کو بس اتنا ہی قریب سے دیکھا ہے جتنا اسلام آباد پی۔ ایم ہاؤس سے کچھ دور بیٹھے رشید پان والے نے یعنی صرف ٹی۔ وی یا سینما اسکرین پر۔

بات بار بار کٹتی اور پی۔ ایم صاحب بار بار بات گھما کر ایشوریا رائے پر لے آتے۔ فلموں کی باتیں کرنے کے بعد اُنہوں نے انڈیا سے آئے این جی اوز سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں کو پتہ ہے کہ ایشوریا رائے کو کیا پسند ہے اور کیا نہیں؟ وہ کھانے میں کیا شوق سے کھاتی ہیں وغیرہ وغیرہ، این جی اوز والوں کو ایشوریا رائے کے ''شوق'' کا تو نہیں پتہ البتہ وہ پاکستان آکر ''شاک'' میں ضرور آگئے ہوں گے وہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ملک جسے اِس وقت تعلیم، قانون اور اپنا انٹرنیشنل امیج دنیا میں بہتر کرنے کے لئے کسی بھی دوسرے ملک سے زیادہ ضرورت ہے وہاں کے پرائم منسٹر بیس منٹ کی ملاقات میں وفد سے پندرہ منٹ تک ایشو ریا رائے کی بات کرتے رہتے ہیں۔ اس ملاقات کی تفصیل پڑھ کر ہم سوچنے لگے کہ اِنڈین این جی اوز کا یہ وفد واپس اِنڈیا جا کر اپنی حکومت کو جو رپورٹ جمع کرائے گا۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اُس کا ٹائٹل ''پاکستان میں غریبوں کی ضرورتیں'' نہیں بلکہ ''نمبوڑا، نمبوڑا، نمبوڑا'' جیسا ہوگا۔

□ □ K □ □

نہیں قبول ہمیں آسکر

پچھلے ہفتے امریکہ میں آسکر ایوارڈز کا موسم تھا ہر کوئی ٹی۔ وی پر آسکر ایوارڈز دیکھنے کی ایسی تیاری کر رہا تھا جیسے پاکستان میں ہم کسی بھی کھیلے جانے والے کرکٹ میچ کی کرتے ہیں۔

آسکرز ہمیشہ اتوار کو منعقد کئے جاتے ہیں لیکن بازاروں میں کھانے پینے کی چیزیں لینے کے لئے دوکانوں میں جمعہ سے ہی رش نظر آ رہا تھا۔ لوگ اپنے دوستوں، گھر والوں کے ساتھ ٹی۔ وی پر ایوارڈز بہت ذوق وشوق سے دیکھتے ہیں۔

آسکرز کا ہر سال فلم فینز کو بے صبری سے اِنتظار رہتا ہے۔ اگر آپ آسکرز کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے تو ضرورت بھی نہیں ہے بس اِتنا جان لیجئے کہ آسکر دنیا کے سب سے بڑے فلم ایوارڈز ہیں جو پچھلے چوراسی (84) سال سے امریکہ میں منعقد کئے جا رہے ہیں اور اِن ایوارڈز میں پچھلے سال آئی بہترین فلموں کو بنانے والے لوگوں کو ایوارڈز دیئے جاتے ہیں یہی وہ ایوارڈز ہیں جن کی وجہ سے دنیا بھر کے کوے ہمارا مطلب ہے ہالی وڈ سے متاثر فلم انڈسٹریز ہنس کی چال چلنے کی کوشش کرتے اپنے اپنے ملک میں آسکرز جیسے ایوارڈز کرنے لگے۔

شاہ رخ خان نے کچھ سال پہلے اپنے انٹرویو میں کہا تھا کہ جس وقت آسکرٹی۔ وی پر آ رہے ہوتے ہیں اُس وقت اِنڈیا میں بہت صبح ہوتی ہے اور صبح صبح اُن سے اٹھا نہیں جاتا۔ ہاں صرف 2001ء میں جب عامر خان کی لگان اِنٹرنیشنل فلم کی کیٹگری میں نامزد ہوئی تھی اُس وقت سارا اِنڈیا صبح صبح اُٹھ گیا تھا اور عامر خان کو دور سے کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے بھی دیکھا تھا لیکن اُس کے بعد آسکر ہوتا رہا اور اِنڈیا سوتا رہا یعنی کون اُٹھے صبح صبح آسکر کے لئے زیادہ تر اِنڈینز کا جذبہ۔

ہر سال کچھ ہندوستانی ضرور آسکرز دیکھتے ہیں کیونکہ کبھی کبھی اِنڈیا میں فلمبند فلمیں نامزد ہوتی ہیں جیسے فلم ''سلم ڈاگ ملینرز'' یا پھر اے۔ آر۔ رحمان جیسے موسیقار کسی انگریزی فلم کی میوزک دینے کی وجہ سے اپنی ٹیم کے ساتھ وہاں نظر آ رہے ہوتے ہیں۔ اِس کے علاوہ اِنڈینز کیلئے صبح صبح آسکر کیلئے اُٹھنے کی کوئی اور خاص وجہ نہیں ہے۔ اِس سال دور کہیں بیٹھے ابھیشک بچن اور ایشو ریا رائے نظر آ رہے تھے ہال میں لیکن ہندوستانی عوام آج کل جہاں یہ دونوں سترایم ایم پر نظر آ رہے ہوتے ہیں وہ فلم دیکھنے تھیٹر نہیں جاتے تو پھر آسکرز میں کہیں دور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیٹھے اُنہیں دیکھنے کے لئے کیوں جذباتی ہوں؟

آسکرز کے لئے صبح صبح نہ اُٹھ کر بھی نیند میں ہر ہندوستانی فلم میکر اور ایکٹر کسی دِن آسکر حاصل کرنے کا خواب ضرور دیکھتا ہے لیکن ایسا کوئی بھی مسئلہ پاکستانی فلم میکرز یا ایکٹرز خصوصاً خواتین فلمسٹارز کے ساتھ بالکل نہیں ہے ہم پاکستان میں نہ ہی صبح چار بجے آسکرز دیکھنے کے لئے اُٹھتے ہیں اور نہ ہی آسکرز جیتنے کے بارے میں سوچتے یا خواب دیکھتے ہیں۔ اب آپ سوچیں گے کہ ہمارے یہاں اِتنی اچھی فلمیں اب بنتی ہی کہاں ہیں کہ اِتنے اُونچے خواب دیکھیں، لیکن ایسا نہیں ہے ہمارے آسکرز کے خواب نہ دیکھنے کی وجہ صرف اچھی فلمیں نہ بنانا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ ہم اپنی پاکستانی اداکاروں کے گھر ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتے۔

نہیں سمجھے آپ؟ چلئے ہم سمجھاتے ہیں۔

2000ء میں ہیلری سوانک نے بہترین اداکارہ کا آسکرز جیتا تھا۔ اپنی شکریئے کی تقریر میں وہ اپنے شوہر کا نام لینا بھول گئیں لیکن قسمت نے اُنہیں یہ موقع پھر دیا اور 2005ء میں وہ اپنی فلم ''ملین ڈالر بے بی'' کے لئے پھر سے آسکرز جیتیں، اپنے دوسرے آسکر کو لیتے دِل بھر کر اپنے میاں کی تعریف کی جس کے بعد اگلے آسکر سے پہلے ہی یعنی ایک سال کے اندر اندر اُن کی اپنے میاں سے طلاق ہوگئی۔

2001ء میں مشہور زمانہ جولیا رابرٹس آسکر جیتنے کے بعد اپنے منگیتر کا بہت شکریہ کرتی نظر آئیں۔ فنکشن کے دوران منگیتر کے منہ کے اندر تقریباً گھسا ہوا کیمرہ بھی یہی دکھا رہا تھا کہ منگیتر خوشی کے مارے بہت جذباتی ہیں لیکن تین مہینے میں ہی اُن کے جذبات اور منگنی دونوں بہہ گئے اور اُن میں علیحدگی ہوگئی۔ 2010ء میں ہیلی بیری جیسے ہی ایوارڈ جیتیں اُس کے فوراً بعد اُن کے شوہر اِس لئے ری ہیب بھیج دیئے گئے کیونکہ اُن کو یہ پتہ چلا کہ اُن کے کئی خواتین سے تعلقات تھے اور اگلے سال ہیلی بیری کی بھی طلاق ہوگئی، 2004ء میں چارلیز تھارون نے بہترین فی میل ایکٹریس کا آسکرز جیتتے وقت کہا تھا کہ وہ اپنے بوائے فرینڈ سے اُس وقت تک شادی نہیں کریں گی جب تک کیلی فورینا میں ''گے میرجز'' قانونی نہیں ہو جاتیں جس کے تین مہینے بعد اُن کا بھی۔۔۔ جی ہاں بریک اَپ ہوگیا۔ 2006ء میں ریز وتمرپون کے میاں بھی اُن کے ''بیسٹ ایکٹریس'' جیتنے پر بے حد خوش ہوئے تھے لیکن آٹھ مہینے کے اندر اندر اُن کو کسی اور کے ساتھ زیادہ خوشی ہونے لگی تھی اور یہاں بھی انجام طلاق پر ہوا اور کچھ سال پہلے سب کو یقین تھا کہ اُس سال ایوارڈ نکول کڈمین ہی جیتیں گی۔ آسکرز تو وہ جیت گئیں لیکن اِس جیت سے کچھ مہینے پہلے ہی شادی کے رشتے میں ہار گئیں اور اُن کا اپنے میاں ٹام کروز سے رشتہ ختم ہوگیا۔

ہمارے ملک میں پچھلے دس سال میں طلاق کی شرح میں مستقل اِضافہ ہو رہا ہے اِس کے باوجود ہم دنیا کے دوسرے ملکوں سے اب بھی اس شرح میں بہت پیچھے ہیں۔

پاکستان میں صبح ہوتے ہی مارننگ شوز کرنے والی میزبان ٹی۔ وی پر بتانا شروع کر دیتی ہیں کہ اچھی بیوی کیسے بنا جاتا ہے؟ شام میں دو درجن چینلز پر چار درجن ڈرامے بھی یہی دکھا رہے ہوتے ہیں یعنی ہر ڈرامے کی کہانی کسی اچھی بیوی کے اردگرد گھوم رہی ہوتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں کسی کی خدانخواستہ طلاق ہو جائے تو گھر میں رہنے والی ساس سے لے کر محلے کے سبزی والے تک ہر شخص کو طلاق کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وجہ کے اطراف گھومنے والی ہر معلومات میں دلچسپی ہوتی ہے۔ کیوں کس لئے کس کی وجہ سے طلاق ہوئی وغیرہ وغیرہ۔
اب اگر طلاق کسی مشہور اداکارہ کی ہو تو پھر دنیا بھر کے پاکستانیوں کو اِس علیحدگی کی وجہ کی جڑ تک پہنچنے کی بے انتہا ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ چاہے کوئی میرا کی طرح مستقل بولتا رہے کہ میرا اِس شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے باوجود ہر اخبار اور نیوز چینلز کی سرخیاں میرا اور اُن کے ''شوہر'' کی اپ ڈیٹس دیتی رہتی ہیں۔

آسکرز ایوارڈ کا ٹریک ریکارڈ کہتا ہے کہ آسکرز یافتہ ایکسٹریسز کی طلاق کی شرح بہت زیادہ ہے اور ہماری پاکستانی سوچ کا ریکارڈ ہم سے کہتا ہے کہ پاکستان میں کسی مشہور شخص کی طلاق سے پوری قوم اُس میں دلچسپی لینے لگتی ہے اور افواہوں میں اپنا کافی وقت برباد کرتی ہے اب ایک ایوارڈ جیتنے کے لئے آپ اپنی قوم کا اِتنا وقت تو داؤ پر نہیں لگا سکتے۔ ساتھ ہی اپنی اداکاروں کے مشکل سے بسے گھر کو کیسے ایک ایوارڈ جتوا کر توڑ دیں۔ ہاں ہم آسکرز کو ایک موقع ضرور دے سکتے ہیں کہ اگر وہ اگلے دس سال میں کوئی ایسی مثال قائم کر دیں جس میں کسی بھی بہترین ایکٹریس ایوارڈ یافتہ کی طلاق نہیں ہوئی۔ تو پھر ہمارے فلم میکرز اور اداکارئیں بھی آسکرز کے بارے میں سوچنے کا موقع دے سکتے ہیں۔

□ □ K □ □

نیا جیون

پاکستان میں زیادہ تر سسٹم خراب ہیں، سسٹم ابھی پوری طرح بنتا نہیں ہے کہ اُسے خراب کرنے کے نئے نئے طریقے نکل آتے ہیں ہم پاکستان میں کسی بھی سسٹم کے نہ چلنے کا قصوروار ہمیشہ حکومت کو ٹھہراتے ہیں اور ایک بڑی ذمہ داری سے آسانی سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ ہم تو عوام ہیں کمزور اور کئی چیزوں میں مجبور۔ ہم کیا کر سکتے ہیں اِس ملک کے غلط سسٹم کے لئے اسے بہتر کرنے کے لئے حکومت کو کچھ کرنا چاہیے جو وہ کرتی نہیں ہے۔

مصیبت کو سامنے دیکھ کر منہ پھیر لینا یا پھر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینا بہت آسان ہے جب کہ اصلی سچ یہ ہے کہ سسٹم ملک میں رہنے والے لوگ بناتے ہیں اور چلاتے بھی اُسے لوگ ہی ہیں۔

جب ہم سگنل پر رُکی گاڑی سے ہاتھ نکال کر کچرا باہر پھینکتے ہیں تو ہم وہی ملک کے لیڈر ہوتے ہیں جو ملک کے خزانے سے اَربوں روپے لوٹ رہا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ہم گاڑی کی گدی پر بیٹھے کر کر رہے ہیں اور وہ حکومت کی گدی پر۔

جس کو جہاں موقع مل رہا ہے وہ ملک کو گندہ کر رہا ہے اور سسٹم کو نہ چلنے میں مدد۔۔۔ آج اگر ہم اپنے ملک میں سڑکیں گندی کر رہے ہیں، کسی کام کے لئے رشوت دے یا لے رہے ہیں۔ بجلی، پانی جیسی چیزوں کی چوری کو غلط نہیں سمجھتے کسی اور کو ترقی کرتے دیکھ کر جلتے ہیں تو یقیناً آنے والے کل میں ہم کو لیڈر بننے کا موقع دیا جائے تو ہم بھی وہی کریں گے جو آج کے لیڈر کر رہے ہیں جنہیں ہم بُرا بھلا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہتے ہیں یہ سسٹم ملک کا نہیں بلکہ ہمارا یعنی عوام کا ہے بس مسلۂ یہ ہے کہ سوسائٹی کی بڑی سی تصویر میں ہم لاکھوں کے ہجوم میں خود کو دیکھ نہیں پا رہے۔

کسی سسٹم کو چلانے کیلئے سب سے اہم چیز ہے تعلیم ۔۔۔ پاکستان میں ٹیلنٹ کی نہیں لیکن ہاں تعلیم کی کمی ہے۔ پاکستان سے زیادہ غریب کئی ایسے ملک ہیں جو تعلیم پر ہم سے زیادہ پیسے خرچ کر رہے ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ پاکستان تعلیم کے معاملے میں دنیا کے بہت سے ملکوں سے پیچھے ہے۔ اب پاکستان میں جو کچھ فیصدی لوگ پڑھ رہے ہیں وہ کالج تک آتے آتے پورا ارادہ اور پلاننگ کر چکے ہوتے ہیں کہ وہ بیچلرز کرنے پاکستان سے باہر یعنی اِس سسٹم سے دور واپس نہ آنے کیلئے چلے جائیں گے اور اگر تعلیم کی فیلڈ میں موقع نہیں ملا تو کوشش کرتے ہیں کہ نوکری باہر جا کر کریں تا کہ ایک بہتر سسٹم کا حصہ بن جائیں۔

ہر سال ہزاروں پاکستانی اپنا ملک چھوڑ کر امریکہ یا انگلینڈ اور آسٹریلیا وغیرہ چلے جاتے ہیں اور ہم پاکستان میں اکثر، اِن لوگوں کی باتیں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھو اپنے ملک کو چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ نہیں کہ یہاں رہ کر اپنے سسٹم کو بہتر کرے۔

آج ہم ایک ایسے ہی پاکستانی کی بات کریں گے جو اپنے سسٹم کو بہتر کرنے کیلئے امریکہ میں اپنی بہترین زندگی کو چھوڑ کر پاکستان واپس آ گیا۔

ڈاکٹر اشعر حسن ایک ایسے پاکستانی جنہوں نے امریکہ کی نامی گرامی یونیورسٹی ''این وائی یو'' سے ایم بی اے کیا پھر ہاورڈ سے ریسرچ اور اِس کے علاوہ کیلی فورنیا کی ایک بڑی فارماسوٹیکل کمپنی میں سی ای او بھی رہ چکے ہیں۔ اِس سب کے باوجود انہیں لگا کہ لیڈرز کو بُرا کہنے کے بجائے پہلے خود گاڑی سے ہاتھ نکال کر کچرا پھینکنا بند کرنا چاہیے اتنا ہی نہیں بلکہ کچھ کوششیں کر کے باقی ملک کو بھی صاف کرنے میں مدد کرو تو یہ سسٹم درست ہو جائے گا۔

ایک مشکل منزل تک پہنچنے کیلئے سب سے ضروری ہوتا ہے پہلا قدم ۔۔۔ وہ پہلا قدم جو ڈاکٹر اشعر حسن نے اُٹھایا۔

ڈاکٹر اشعر حسن ایک کامیاب زندگی یو ایس اے میں پیچھے چھوڑ کر 2007ء میں پاکستان میں بہتر کام کرنے کے لئے واپس آ گئے۔ اُنہوں نے پاکستان میں ایک نئے قسم کا ہیلتھ انشورنس پروگرام متعارف کروایا جس میں ہر وہ شخص جو مہینے کے ڈیڑھ سو ڈالرز سے کم کے مساوی پاکستانی روپے کماتا ہے اِس پروگرام سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ مہینے کے دو ڈالرز کے ادا کرنے پر آپ یہ انشورنس لے سکتے ہیں۔ ڈاکٹر اشعر حسن کے مطابق یہ نان پرافٹ ہیلتھ انشورنس صرف ایسے لوگوں کے لئے ہے جو غربت کی وجہ سے سوچ بھی نہیں سکتے کسی قسم کی ہیلتھ انشورنس لینا، ڈاکٹر اشعر حسن کا کہنا یہ ہے کہ ایک دِل کا دورہ پاکستان کے ایک غریب گھر میں سب کچھ بدل کر رکھ دیتا ہے، ایک بہتر مستقبل پانے کیلئے غریب آدمی اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر مشکل سے بچوں کو اسکول بھیج رہا ہوتا ہے اور ایک ہی لمحے میں اُس کے تمام خواب چکنا چور ہو جاتے ہیں اور وہ اس تلخ سچ کی زمین پر آ گرتا ہے جہاں سے اُس کا اٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ سچ یہ کہ علاج کے لئے اُس شخص کو اپنی تمام پونجی لگا دینی ہوگی یہاں تک کہ اُس کے پاس نہ کمانے کو ہوگا اور نہ ہی بچوں کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہنے کی کوئی سبیل۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ڈاکٹر اشعر حسن کی ''نیا جیون'' نامی نان پرافٹ ہیلتھ انشورنس آپ کو ایک سال میں پندرہ لاکھ روپے تک کی کوریج دیتی ہے، جو کہ کسی بھی اچھے پرائیوٹ اسپتال میں ہارٹ بائی پاس کیلئے مناسب رقم ہے ساتھ ہی اس آرگنائزیشن نے کئی اچھے پرائیوٹ اسپتالوں سے معاہدہ بھی کرلیا ہے جس میں اِن کے انشورنس ہولڈر اپنا علاج کرواسکتے ہیں۔ وہ جگہیں جو سرکاری اسپتالوں سے بہت بہتر ہیں۔

پچھلے سال لانچ ہونے والی یہ اپنی طرز کی پہلی انشورنس ہے جس میں اِس وقت تک تیرہ ہزار لوگ انرول ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ جو مہینے میں پندرہ ہزار روپے سے کم کماتے ہیں اور اِس سے پہلے جو مہنگا علاج کروانے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے آج کئی مہنگے اسپتالوں میں داخلہ پاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر اشعر حسن کے مطابق ''نیا جیون'' پرفیکٹ نہیں ہے یہ آؤٹ پیشنٹ کیئر نہیں مہیا کرتی ساتھ ہی پہلے سے چلی آئی بیماریوں کو محدود پیمانے پر ہی یہ اِنشورنس کور کرتی ہے۔ مریضوں کا علاج ایک اچھے بڑے مہنگے اسپتال میں ہوتو جاتا ہے لیکن پوسٹ کیئر جو کہ انشورنس میں کور نہیں ہوتی۔ مریض کیلئے اس کا اِنتظام مشکل ہوتا ہے لیکن اِس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کئی سال پہلے امریکہ میں بھی غریب لوگوں کے لئے اسپتال کی سہولتیں محدود تھی اور امریکہ میں جو آج کمال کا ہیلتھ سسٹم ہے وہ ایک دِن میں یہاں تک نہیں پہنچا۔ اُس کے لئے بھی کسی نے پہلا قدم اٹھایا تھا۔

ڈاکٹر اشعر حسن ایک جان نہیں کئی نسلیں بچا رہے ہیں اپنے اِس پہلے قدم سے اگر ہر پاکستانی اِن کی طرح سوچنے لگے اور اپنی طرف سے ہر کوشش کرے پاکستان کے سسٹم میں کچھ بہتر کرنے کی تو جلد ہی پاکستان کو نیا جیون پانے اور دنیا کا بہترین ملک بننے سے کوئی نہیں روک پائے گا۔

□ □ K □ □

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نو بال پر کلین بولڈ

آج ہمارے ملک میں کرکٹ میچ کے علاوہ اور کچھ ''Fix'' نہیں ہو رہا۔۔۔ باقی دنیا آگے کی طرف دوڑ رہی ہے تو ہم پیچھے کی طرف بہہ رہے ہیں اُس سیلاب میں جس کی وجہ سے پاکستان پر مزید شک کیا جا رہا ہے۔ آج تک دنیا میں کہیں بھی کسی دوسرے ملک میں قدرتی آفت آجانے پر کسی بھی ملک کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں ہوا جیسا پاکستان کے ساتھ کیا جا رہا ہے باہر والے تو بعد میں آتے ہیں پہلے تو اندر والوں کو ہی شک ہے کہ امداد دینے پر مصیبت زدہ تک پہنچے گی یا نہیں۔ پر امداد مانگنے والے اپنی اچھائی دوسروں کی برائی میں تول رہے ہیں۔ دوسرا اِتنا برا ہے اِس لئے مجھے دو لوگ سب بروں میں سے سب سے کم بُرے کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔

جتنی دیر میں عوام سب سے کم بُرے کو ڈھونڈھ کر امداد دے رہی ہے اور وہ اِمداد سیلاب زدگان تک پہنچ رہی ہے اُس سے زیادہ تیزی سے اُن مظلوموں تک وہ چور ڈاکو پہنچ رہے ہیں۔ اخباروں میں بڑی بڑی سرخیاں فلاں۔ فلاں گاؤں میں لوگوں کے پاس کوئی مدد نہیں پہنچی وہ اپنا بچا کھچا سامان لئے وہیں گاؤں میں مدد کی اُمید میں بیٹھے ہیں۔ وہ ملک جہاں دو ہزار روپے کا موبائل فون چھیننے کے لئے قتل تک کر دیتے ہیں وہاں اگر اخبار اُن گاؤں کے ناموں سے بھرا پڑا ہو جہاں سب اپنا اپنا سامان لئے بغیر کسی تحفظ کے بیٹھے ہیں تو وہاں چور ڈاکو کیسے نہ پہنچیں۔

گھر میں رہنے والے ہمیشہ گھر کا حال بہتر جانتے ہیں اس لئے اگر ہمارے ملک کی کرپشن کا حال ملک میں رہنے والے ہر شخص کو بہتر پتہ ہے اور اِمداد صحیح جگہ نہ پہنچنے کے ڈر سے سوچ کر دے رہے ہیں تو اب بچا آسرا باہر سے آنے والی امداد کا۔ باہر رہنے والے ایک عام برطانوی آسٹریلوی اور امریکن وغیرہ کو پاکستان کی ہر خبر نیوز چینلز اور اخباروں سے ملتی ہے۔ ہم مشکل میں ہیں اِس میں کوئی شک نہیں لیکن باہر والے جب تک ہماری تکلیف سے آگاہ نہیں ہوں گے کیوں اُن میں ہمارے لئے مدد کا جذبہ پیدا ہوگا؟ لیکن اِنٹرنیشنل خبروں میں ہماری اِمداد کا میچ کامیاب ہو اُس سے پہلے ہی ہماری قوم نو بال پر کلین بولڈ ہو گئی۔

پچھلے ایک ہفتے سے اِنٹرنیشنل خبروں میں پاکستان کے نام کے ساتھ صرف میچ فکسنگ کی خبریں جوڑی جا رہی ہیں اگر آپ اِنٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں تو کسی بھی مشہور سرچ انجن پر پاکستان لکھ کر دیکھیں اور ہمارے عظیم کرکٹرز کی بھری خبروں کو پڑھ کر خوش ہوں، ہر خبر کے ساتھ پاکستانی کھلاڑیوں کی تصویر جس میں وہ بہت شان سے ''نو بال'' کرا رہے ہیں۔ اِتنا نقصان تو رامائن کی سیتا کو نہیں ہوا تھا لکشمن ریکھا پار کر کے جتنا ہمارے اِن محبِّ وطن باصلاحیت کھلاڑیوں کے کرکٹ فیلڈ پر موجود کریز کو پار کر لینے پر پوری قوم کو ہونے والا ہے۔

اگر کوئی باہر کا شخص اِسکینڈل میں ملوث ہوتا تو ہم چیخ چیخ کر کہتے کہ یہ باہر والوں کی سازش ہے لیکن افسوس اسٹنگ آپریشن میں ریلیز ہونے والی ویڈیو میں ڈیل کرنے والا شخص ایک پاکستانی ہے جو کل کوئی نہیں تھا لیکن اِس ڈھائی منٹ کی ویڈیو کے باہر آتے ہی پوری دنیا میں ایک دھاندلی کرتے پاکستانی کی شناخت سے مشہور ہو گیا اور ساتھ پورا ملک جو پہلے ہی سیلاب میں ڈوبا ہوا تھا اُس کے امیج کو مزید

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ڈبو دیا۔

مظہر مجید وہ پاکستانی برٹشر جو کچھ دِن پہلے چھپ کر بنائی گئی ایک ویڈیو میں پاکستان اور انگلینڈ کا میچ Fix کرتے نظر آئے۔ بال کی کھال نکالنے کی اِنٹرنیشنل پریس کو عادت ہے اس لئے اُنہوں نے مظہر کی پوری شناخت نکال لی مظہر انگلینڈ ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں سے ایم بی اے کی ڈگری لی۔ پیشے کے اعتبار سے وہ ایک پراپرٹی ڈیولپر یعنی بلڈر ہیں۔ وہ ساؤتھ لندن میں 1.8 ملین پاؤنڈ کے شاندار گھر میں رہتے ہیں گھر میں بیوی دو چھوٹی بیٹیاں ہیں، اکثر وہ علاقے کے کھلاڑیوں اور سیاستدانوں کو اپنے گھر کی دعوتوں میں بلاتے رہتے ہیں پاس پڑوس میں رہنے والوں کے مطابق مظہر ایک خوش مزاج ماڈرن عام شہری کی مثال ہیں۔

یہاں تک تو اسٹوری صحیح تھی اب آتے ہیں کلائمکس پر۔ مظہر کے نام پر آج تک انگلینڈ میں کوئی اٹھائیس کمپنیاں رجسٹر کی گئی ہیں لیکن اُن میں سے زیادہ تر بھاری نقصان دکھا کر بند کر دی گئی ہیں اُنہی میں سے پانچ کمپنیاں ایسی بھی ہیں جن سے پچھتر ہزار پاؤنڈ وصول کرنے کیلئے برطانوی حکومت نوٹس جاری کر چکی ہے۔

2007ء میں مظہر نے لندن میں ایک فنکشن کیا جس میں پہلی بار انضمام الحق جیسے بڑے بڑے کھلاڑی آئے تھے۔

فنکشن کے بعد سے مظہر کے بھائی ''پاک پیشن ڈاٹ نیٹ'' نامی سائیٹ پر مستقل کالم لکھنے لگے جس میں وہ کئی بڑے پاکستانی پلیئر جیسے یونس خان، عبدالرزاق، سلمان بٹ، محمد آصف، شاہد آفریدی، محمد یوسف، کامران اکمل، مصباح الحق، عبدالرؤف کے بارے میں لکھتے کہ کون کیا کر رہا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ 2007ء سے ہی مظہر پاکستانی کھلاڑیوں کے کافی قریب تھے، کون کیا کر رہا ہے بتانے کے بجائے مظہر ''کون کیا کرے گا'' بتانے لگے اور ڈیڑھ لاکھ پاؤنڈ کے لئے مظہر نے پاکستان کا امیج داؤ پر لگا دیا۔

1992ء میں ہمارا سر ورلڈ کپ جیت کر فخر سے اُٹھ گیا تھا اٹھارہ سال بعد وہی سر شرم سے جھک گیا ہے، جس وقت ہم کو دنیا بھر سے ہمدردی کی ضرورت ہے ٹھیک اُسی وقت مثالوں پر مثالیں قائم کر رہے ہیں ہم پاکستانی کہ جس کو جس جگہ جس طرح موقع مل رہا ہے وہ لوٹ رہا ہے۔ آج مظہر کی اِتنی ویڈیوز اور خبریں آ جانے کے بعد اگر ایک عام برطانوی کو سیلاب کے لئے امداد مانگتا بیرون ملک پاکستان میں مظہر نظر آئے جو کسی بھی قیمت پر اپنے ملک کی عزت بیچنے پر تیار ہے تو اُس برطانوی کا ہماری مدد نہ کرنا درست ہے؟

□ □ K □ □

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نیا سال نئی زندگی

اگر آپ کو لگتا ہے کہ زندگی بہت مشکل ہے اور اِس میں کئی چیزیں ایسی ہیں جنہیں آپ بدلنا چاہتے ہیں تو یہ کالم آپ کے لئے ہے جنوری 2010ء آ گیا ہے۔ آپ کو نیا سال مبارک ہو نئے سال کے ساتھ کچھ تبدیلیاں ایسی ہونی چاہئیں جس سے زندگی بہتر ہونے کا پورا اِمکان ہو، بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ زندگی میں خوش رہنے کا کوئی نسخہ یا فارمولا نہیں ہے بس یہی نہ ملنے والا خوش رہنے کا نسخہ آج ہم آپ کو اِس کالم میں بتائیں گے، ہر اِنسان ایک دوسرے سے الگ ضرور ہے لیکن اگر ہم زندگی کی کچھ بنیادی باتوں کو سمجھ لیں تو ہماری کہانی کچھ بھی ہو وہ بہتر ہو جائے گی۔

وہ چیزیں جو آپ کی زندگی 2010ء میں سدھاریں گی وہ کچھ یوں ہیں۔

سب سے پہلے تو جان ہے تو جہان ہے اس لئے دِن میں کم از کم بارہ گلاس پانی ضرور پئیں پانی کے بعد کھانے کے لئے ناشتہ بادشاہ کی طرح دوپہر کو شہزادے کی طرح اور رات کو فقیر کی طرح کھائیں۔ وہ چیزیں کھائیں جو درختوں اور پلانٹس پر اُگائی جاتی ہیں نہ کہ وہ جو فیکٹریوں کے پلانٹس پر بنتی ہیں، چھوٹی چھوٹی چیزوں پر خوش ہونا سیکھیں ہم بڑی خوشیوں کے اِنتظار میں اکثر چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، بہتر صحت کیلئے وہ کام زیادہ کرنے کی کوشش کریں جس میں کچھ فزیکل ایکٹوٹی ہو، ہم ہفتوں مہینوں سالوں ٹی۔وی کے سامنے بیٹھے یہ سوچتے رہتے ہیں کہ کل سے کروں گا کچھ ورزش اُس کل کو آج کر دیں اِس سال۔

علم حاصل کرو یہ ہمارا مذہب بھی سکھاتا ہے صرِف اِس لئے اپنی تعلیم نہ روک دیں کہ آپ نے ایم بی اے کر لیا ہے یا اِنجینئر یا ڈاکٹر بن گئے ہیں۔ ایک کتاب آپ کو کتنی نئی باتیں سکھا سکتی ہے اِس کا اندازہ کتاب پڑھے بغیر لگانا مشکل ہے جتنی کتابیں پچھلے سال پڑھی تھیں اُس سے زیادہ اِس سال پڑھیں، دِن میں کم از کم دس منٹ آنکھیں بند کر کے خاموشی سے ضرور بیٹھیں جس میں کوئی سوچ آپ کو تنگ نہ کرے، چوبیس گھنٹے میں سے کم از کم سات گھنٹے ضرور سوئیں، دِن میں تیس منٹ واک کریں اور ہاں واک غصے میں نہیں بلکہ مسکراتے ہوئے کریں۔

آپ کی زندگی بہت اچھی ہے اِس سوچ کو یقینی بنائیں دوسروں کے پاس کیا ہے اور آپ کے پاس کیا نہیں کی فکر چھوڑیں۔ آپ کے پاس اسکوٹر تو کسی کے پاس کار کیوں، یا آپ کے پاس کار ہے تو دوسرے کے پاس اُس سے بہتر کی پریشانی سے خود کو نکالیں، دنیا کے تیسرے امیر ترین آدمی کو بھی یہ فکر ستا سکتی ہے کہ مجھ سے آگے دو ہیں اور پہلے اور دوسرے نمبر والوں کو یہ کہ اگلے سال کہیں دوسرا مجھ سے آگے نہ نکل جائے یعنی اِس سوچ کی کوئی اِنتہا نہیں ہے خود کو خود کی زندگی سے خوش رکھنا سیکھیں کسی سے جلنا صرِف اور صرِف اپنے وقت کی بربادی کرنا ہے۔

امتحان میں اچھے نمبر نہیں آئے تو کیا ہوگا، بہتر نوکری نہیں ملی تو۔۔۔ بڑا گھر نہیں لے پایا تو ۔۔۔ ہر وہ سوچ جو منفی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

(Negative) ہوتی ہے اِنسان کو کمزور بناتی ہے اِس سال اپنے آپ سے وعدہ کریں کہ اپنی سوچ کو پوزیٹو بنائیں گے، کچھ چیزوں پر اِنسان کا زور نہیں ہوتا وہ اُن چیزوں کیلئے نیگٹو سوچ سے اپنی زندگی کو صرِف مشکل بناتے ہیں، غلط سوچ کے بجائے آپ کو اپنا وقت بہتر اور پازیٹو سوچ میں لگانا چاہیے، کہتے ہیں زیادہ چینی بھی زہر ہوجاتی ہے زندگی میں ہر چیز کی حد رکھنا سیکھیں اِس سے زندگی آسان ہوجاتی ہے۔

مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا، میں نے یہ کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا، خود کو بہت سنجیدگی سے مت لیں'' دوسرے میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔'' کی سوچ چھوڑ دیں۔ اپنا بہت قیمتی وقت غیبت میں مت ضائع کریں، کالج کے کلاس روم سے دفتروں کے کمروں سے محلے کی گلیوں سے یہاں تک کہ آپ کے گھروں میں رکھے ٹی۔ وی سے بھی غیبت ہورہی ہے۔ خود کو اِس عام پھیلی ہوئی برائی سے دور رکھیں۔ اِس سال خواب دیکھیں لیکن رات کو سوتے ہوئے کم اور دِن کی روشنی میں جاگتے ہوئے زیادہ اور ان خوابوں کو پورا کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کریں۔

وہ کل جو گزر گیا ہے اُس کی بری یادیں دِل میں رکھ کر آنے والے کل کو خراب نہ کریں خصوصاً وہ لوگ جو آپ کے بہت قریبی ہیں اُن کو آج میں اُن کی ماضی کی غلطیاں یاد دلا کر اپنے تعلقات خراب نہ کریں، زندگی بہت چھوٹی ہے اِسے غم میں گزارنے کے لئے اور اِس دنیا کی خوشیاں بہت ساری اِس چھوٹی سی زندگی میں سمانے کیلئے اپنے وقت کو بہتر بنائیں یاد رکھیں اپنی زندگی کے اِنچارج صرِف اور صرِف آپ ہیں کوئی دوسرا نہیں جو کچھ آپ کی زندگی میں ہورہا ہے یا آگے ہوگا اُس کی ایک بہت بڑی وجہ آپ کی اپنی سوچ ہے۔

دوسروں کے ساتھ خامخواہ کی بحثوں میں اپنا دِل نہ جلائیں اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ دوسرے شخص سے اتفاق نہیں کرتے تو خاموش ہوجائیں یہ سوچ کر کہ آپ کی اپروچ مختلف ہے۔ اِس سال وہ رشتے جو بہت قریبی ہیں مگر آپ کے مصروف ہونے کی وجہ سے دور ہوتے جارہے ہیں اُنہیں قریب لائیں۔ کبھی کبھی اُن رشتے داروں کو فون کریں جن سے آپ نے لمبے عرصے سے بات نہیں کی ہے۔

روز کچھ نہ کچھ اچھا کریں کسی سے کوئی اچھی بات کسی کا کوئی کام اور ہر رات خود سے پوچھیں۔ آج میں نے کیا اچھا کام کیا ہے؟

دوسروں کو اُن کی غلطیوں پر معاف کرنا سیکھیں تکلیف میں لوگوں کو آرام پہنچانے کی کوشش کریں، کسی کو خوشی پہنچانا ایک اچھے اِنسان کی پہچان ہے دِن میں کم سے کم تین لوگوں کو ضرور ہنسائیں۔

زندگی رکتی نہیں ہے۔ اچھا یا بُرا وقت گزر جاتا ہے۔ اچھے وقت کو بھرپور گزاریں اور بُرے وقت میں یہ سوچ کر صبر کریں کہ یہ وقت گزر ہی جائے گا اپنی زندگی اور قسمت پر یقین رکھیں، آپ کو پتہ نہیں کل کیا ہونے والا ہے۔ یقین رکھیں کہ میری زندگی کا بہترین وقت ابھی آنے والا ہے، ہر صبح اُٹھ کر اللہ میاں کا شکریہ ادا کریں کہ اُس نے آپ کو ایک اور دِن دیا جینے کے لئے۔ وہ دِن جس میں آپ پھر اپنے قریبی لوگوں کے ساتھ ہنس بول سکیں گے خوشیاں بانٹ سکیں گے دنیا کی ہر اچھی چیز سے لطف اندوز ہوں گے اور اپنے آنے والے کل کو بہتر بنانے کی منصوبہ بندی کرسکیں گے، 2010ء کو انہی سب باتوں سے شروع کریں اِس پورے کالم کا دو لفظوں میں مقصد صرِف یہ ہے کہ'' خوش رہیں''۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ جس کی زباں اُردو کی طرح...

کچھ سالوں سے ہمارے یہاں پاکستان میں ایک نئی بولی کی پیدائش ہوئی ہے وہ بولی جو ہے تو اُردو جیسی لیکن اُسے بولا انگلش میں جاتا ہے۔نہیں سمجھے؟ تو کوئی بھی پاکستانی انٹرٹینمنٹ چینل لگا کر اُس پر بولتی میزبان کو سن لیجئے۔بس ہم اُسی زبان کی بات کر رہے ہیں، آج کل پاکستان کے ہر بڑے چھوٹے شہر میں لوگ خصوصاً یوتھ ماڈرن بننے کے لئے اِسی بولی کا اِستعمال کر رہے ہیں۔

اِنگلش کمزور ہو۔اور آج کی سوسائٹی میں ماڈرن نظر آنا ہو تو اِس کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ اِس بولی کو بولنے کے لئے آپ اُردو زبان کو گھما گھما کر بولیں، بیچ بیچ میں کچھ لفظ ایسی مشکل سے بولیں جس سے لگے کہ آپ کو وہ لفظ بولنے میں بہت مشکل ہو رہی ہے جیسے آپ شاید پیدائشی انگریز تھے لیکن کیونکہ آپ کی پیدائش حیدرآباد میں ہوئی اور زندگی کراچی سے آگے آپ کو نہیں لے گئی اِس لئے اب آپ بولتے تو اُردو ہیں مگر ہوتی وہ انگریزی لہجے میں۔

جملے کے شروع میں ''ایکچولی'' اور بیچ بیچ میں ''یونو'' کے ساتھ بہت ساری اُردو کا سہارا ہوتا ہے اِس انگریزی ایکسنٹ کو، اِنگلش کے نہ آنے پر اُردو کا ''بن کباب'' بنا دیا جاتا ہے جس میں اوپر نیچے ایکچولی اور یونو کے بن کے بیچ اُردو بیچاری کا عجیب وغریب چٹنی لگی انگریزی کے ساتھ کباب بنا ہوتا ہے، کیوں ہے ہماری پیڑھی کو آج اُردو بولنے میں جھجک؟

کالج داخلے کا انٹرویو، جاب انٹرویو یا شادی کی بات چیت، گفتگو اگر انگریزی میں نہ ہو تو لوگ سامنے بیٹھے شخص کو اُردو میڈیم سمجھتے ہیں، کیوں آج کے نوجوان کو بے عزتی لگتا ہے اُس کا اردو میڈیم ہونا۔

آج پاکستان کی یوتھ کو دیکھ کر بار بار اپنی پیاری اُردو کا خیال آتا ہے جو اِس نئی انگریزی لہجے والی بولی تلے دب گئی ہے سوچا آج اُس اُردو کے بارے میں بات کی جائے جسے ہمارے پرکھوں نے کئی سو سال سے سنبھال کر رکھا تھا اور جیسے ہی وہ اُردو اُنہوں نے ہمیں سونپی ہم نے اُس کو ایسی راہ پر ڈال دیا جس سے وہ اگلی نسل تک پہنچتے پہنچتے پیاری اُردو سے اللہ کو پیاری اُردو ہو سکتی ہے۔

پاکستان کی دو سرکاری زبانیں ہیں۔انگریزی اور اُردو سب جانتے ہیں اُردو کی پیدائش برصغیر میں ہوئی، مغلوں کے زمانے میں پیدا ہونے والی ہماری اُردو پہلے کئی ناموں سے پکاری گئی، ہندی، دہلوی، ہندوستانی اور زبانِ اُردو جس کے بعد اِس کا نام صرف ''اُردو'' پڑ گیا کچھ سو سال پہلے اُردو ہندوستان کی آفیشل شاعری کی زبان بن گئی تھی۔

ہندو مسلمان دونوں اُردو سیکھتے اور استعمال کرتے لیکن 1837ء میں برٹش دور میں ہندوستان کی آفیشل زبان انگریزی اور فارسی کر دی گئی جو بات ہندوؤں کو پسند نہیں آئی اور کافی احتجاج کے بعد 1881ء میں بہار کی آفیشلی دو زبانیں کر دی گئیں مسلمانوں کیلئے اُردو اور ہندوؤں کے لئے ہندی یہ پہلی بار تھا کہ زبانوں کو آفیشلی مذہب کی بنیاد پر بانٹا گیا ہو، برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ اُردو کا یہ تعلق

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاکستان بننے تک جاری رہا۔ پاکستان بننے پر جب قائداعظم سے پوچھا گیا کہ پاکستان کی قومی زبان کیا ہوگی؟ تو اُنہوں نے جواب دیا اُردو۔۔۔اُردو۔۔۔اور صرف اُردو۔

اِس وقت دنیا میں تقریباً ستر ملین لوگ اُردو بولتے ہیں جس میں سے پچاس ملین لوگ ہندوستان میں ہیں تقریباً بارہ ملین پاکستان میں اور اِس کے علاوہ یو۔ایس، یو۔کے، سعودی عرب میں بھی اُردو بولی جاتی ہے۔ بولی تو بنگلہ دیش میں بھی جاتی ہے لیکن وہاں اُسے اُردو نہیں بہاری کہتے ہیں۔

اُردو جاننے سے اِنسان ہر اُس شخص سے بات کرسکتا ہے جسے ہندی آتی ہے اور اِس طرح اُردو بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد چائنیز، اِنگلش اور اسپینش کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ ہوجاتی ہے۔

پاکستان میں 93% لوگ گھروں میں سندھی، پنجابی، پشتو، بلوچی یا کوئی دوسری زبان بولتے ہیں یعنی اُن کی مادری زبان اُردو نہیں ہے اِس کے باوجود پاکستان کی اکثریت اچھی طرح اُردو سمجھتی اور بولتی ہے اِسی لئے قائداعظم نے اُردو کو پاکستان کی قومی زبان بنایا تھا تاکہ پاکستان میں دوسری زبان بولنے والوں کو یہ احساس نہ ہو کہ اُن کی زبان پر کسی اور زبان کو فوقیت دی گئی ہے اُسے قومی زبان بنا کے، قائداعظم کے مطابق اُردو کو پاکستان کی قومی زبان بنانے کا مقصد ایک دوسرے کو آپس میں جوڑنا اور اتحاد تھا۔

مسلمان پاکستان آ گئے لیکن اُردو ہندوستان میں بھی زندہ رہی۔۔۔آج بھی ہندوستان میں زیادہ تر بڑے شاعر اُردو میں شاعری کرتے ہیں۔مسلمانوں کے اکثریت والے علاقوں میں کئی اسکولوں میں اُردو کورس میں بھی شامل ہے۔

آج کی تاریخ میں ہندوستان میں تین ہزار سے زیادہ اُردو پبلی کیشنز شامل ہیں جن میں سے چار سو پانچ اُردو اخبارات ہیں، بالی وڈ جو کہ دنیا کی سب سے بڑی فلم انڈسٹری ہے۔ وہاں بھی اُردو ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ہندوستان کی کئی بڑی سپر ہٹ فلمیں اُردو میں لکھی گئی ہیں کل کی مغل اعظم ہو یا آج کی ''جودھا اکبر'' اِس اُردو نے کئی فلموں کی قسمت اور فلمی ستاروں کے مقدر میں چار چاند لگائے ہیں۔ ایکٹرز کیلئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ بہتر اُردو بول پائیں شاید یہی وجہ ہے کہ یوسف خان سے شاہ رخ خان تک بالی وڈ میں وہ لوگ کامیاب رہے جن کے یہاں اُردو کا رجحان زیادہ تھا۔

آج بھی اسٹار کڈز فلموں میں آنے سے پہلے اُردو کی کلاسیں لیتے ہیں۔ بالی وڈ فلموں کی بات ہو تو ہم گانے کیسے بھول سکتے ہیں اگر تاج محل کے بعد کوئی ایسی چیز جس نے ساؤتھ ایشنز کو رومانس کرنا سکھایا ہے تو وہ اُردو ہے۔

روز پاکستان ہندوستان میں سینکڑوں گانے ریلیز ہوتے ہیں جن میں اُردو شاعری ایک اہم رول ادا کرتی ہے اِس لئے شاعر گلزار نے جب گانے ''چھیاں چھیاں'' میں کسی لڑکی کی تعریف بیان کرنی چاہی تو وہ یہ تھی۔

وہ یار ہے جو خوشبو کی طرح
وہ جس کی زباں اُردو کی طرح

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہ صرف اِنڈیا یا پاکستان میں بلکہ ماریشش میں بھی اُردو پڑھائی جاتی ہے، فرنچ انگریزی اور ہندی کے علاوہ اُردو بھی وہاں کی آفیشل زبانوں میں سے ایک ہے۔

اُردو، عربی کے بعد مسلمانوں کے لئے سب سے اہم زبان ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ عربی کے بعد سب سے زیادہ اِسلامی کتابیں اُردو میں ملتی ہیں۔

''Ainu'' جاپان میں بولی جانے والی وہ زبان ہے جو صرف تین سو (300) لوگ جانتے ہیں اُن تین سو میں سے پندرہ لوگ ایسے ہیں جو صرف یہی زبان بولنا پسند کرتے ہیں اِس لئے کہ یہ زبان زندہ رہے۔

اُردو کی تاریخ بہت مضبوط ہے اور بولنے والوں کی تعداد بہت زیادہ، جو اُردو میں شاعری، تفریح اور مذہب کیلئے کام کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، جب قائداعظم نے اِسے پاکستان کیلئے اتحاد کی زبان قرار دیا تھا پھر ہماری آج کی پیڑھی انگریزی بولنے، ماڈرن بننے کے چکر میں، کیوں اُردو سے دور بھاگ رہی ہے۔ اُردو کوئی ''Ainu'' نہیں ہے جو نہ بولی جائے تو ختم ہو جائے گی لیکن ہاں یہ نئی انگریزی کی بولی بولنا اور اُردو کا ساتھ چھوڑ دینے سے ہماری آج کی پیڑھی اپنی پہچان آنے والے سالوں میں کہیں نہ کہیں ضرور کھو دے گی۔

K

میری آواز سنو

کبھی کبھی کچھ جیتنے کے لئے ہارنا بھی پڑتا ہے اور ہار کے جیتنے والے کو ''بازی گر'' کہتے ہیں شاہ رخ خان کی 1993ء میں ریلیز ہونے والی بازی گر کے ڈائیلاگ جنہیں ہم ہر بار سن کر ایک ہی بات سوچتے ہیں کہ اِس طرح کی باتیں صرف فلموں میں کی جاتی ہیں اصل میں تو جیتا وہی سکندر لیکن آج اعصام الحق قریشی کی یو۔ایس اوپن کے فائنل میں ہار دیکھ کر ہمارا دِل جیتنے والے کو سکندر نہیں بلکہ اعصام کو بازی گر کہہ رہا ہے۔

کچھ دِن پہلے امریکن پریس، نیویارک کے لوکل چینلز سٹی گورنمنٹ اور اسٹاک ایکسچینج ہم سے سخت ناراض ہو گئے، نیویارک کے مشہور زمانہ علاقے مین ہٹن میں واقع ٹائمز اسکوائر پر دنیا کے سب سے اہم اشتہارات لگائے جاتے ہیں جہاں بڑے بڑے سینما اسکرین جتنے بڑے ٹی۔وی ہر چند سیکنڈ کا اشتہار چلانے کی قیمت لاکھوں ڈالرز ہوتی ہے جو اشتہار ایک بار ٹائمز اسکوائر میں چل جائے چاہے وہ کوئی بھی پروڈکٹ ہو یا ایشو دنیا بھر میں فوراً مشہور ہو جاتا ہے۔

مسلۂ کچھ یوں تھا کہ نیویارک اسٹاک ایکسچینج نے پاکستان کونسلٹ کو کافی زیادہ وقت سیلاب زدگان کی مدد کرنے کیلئے اِشتہارات چلانے کو دیا تھا وہ بھی اُس جگہ جہاں ٹائمز اسکوائر پر لائیو اسٹاکس دکھائے جاتے ہیں اور جس پر دنیا کے ہر اہم شخص کی نظریں جمی ہوتی ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاکستان کو مفت میں وہ ٹائم اور جگہ اِس لئے دی گئی تھی تا کہ وہ اُس وقت میں پاکستان کے مظلوم مصیبت زدہ سیلاب زدگان کی تصویریں اور ویڈیو چلائیں اور امریکی عوام تک پاکستانیوں کی صحیح صورت حال پہنچے۔

امریکہ کے پریس کے مطابق پاکستان نے یہ موقع بری طرح ضائع کر دیا۔ ٹائمز اسکوائر پر سیلاب زدگان کی تصویریں اور ویڈیوز دکھا کر ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے کے بجائے اسکرین پر کچھ سیاستدانوں اور پاکستان کے جھنڈے کو دکھایا جاتا رہا اسٹاک ایکسچینج کے حساب سے پاکستان کو یہ موقع دینا ایک غلطی تھی ساتھ ہی امریکن جرنلٹس نے بھی ہم کو اِس ''مہنگی غلطی'' پر کھری کھری سنانے میں کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں دیا لیکن کچھ دِن پہلے صرف ایک پاکستانی نے قوم کی طرف سے امریکن پریس کو جواب دیا۔ جواب یہ کہ اگر پاکستانی کی سوچ مغرب تک پہچانی ہے تو ہمیں کسی بل بورڈ کے سہارے کی ضرورت نہیں صرِف ایک پاکستانی کی آواز ہی کافی ہے جو ہم صحیح وقت پر اُٹھانا جانتے ہیں۔

امریکہ میں رہنے والے ایک عام گورے تک دنیا میں کیا ہو رہا ہے کی خبر بہت مشکل سے پہنچتی ہے۔ اپنے علاقے کی خبروں کے بعد اُس کے شہر میں کیا ہو رہا ہے یا زیادہ سے زیادہ وہ اپنی اسٹیٹ کے معاملات میں دلچسپی لیتا ہے۔ اور بس۔ ایک گورے کے لئے پالیٹکس پالیسز اور حکومت کے فیصلوں کی فکر صرِف وہاں تک ہوتی ہے جہاں تک اُس گورے کو خود کچھ فرق پڑے ورنہ اُس کی بلا سے، اسٹیٹ سے باہر کی خبروں میں ایک گورے کو صرِف اُس وقت تک دلچسپی ہوتی ہے جب تک وہ خبر انٹرٹینمنٹ کی ہو جیسے میوزک، ٹی۔ وی فلم یا پھر اسپورٹس کی اور اسپورٹس سے زیادہ آسان اور کوئی ذریعہ نہیں ہے ایک گورے تک اپنی آواز پہنچانے کا۔

اعصام الحق قریشی وہ پہلے پاکستانی تیس سالہ مسلمان ہیں جو نہ صرِف یو۔ ایس اوپن تک پہنچے بلکہ فائنل تک کھیلا، اپنے انڈین ساتھی کے ساتھ یو۔ ایس اوپن ڈبلز ہار جانے کے بعد اعصام پندرہ ہزار موجود لوگوں اور ہزاروں لائیو ٹی۔ وی چینلز اور کیمروں کے سامنے مائیک پر آئے۔ پہلے تو اُنہوں نے یو۔ ایس اوپن اور اپنے گھر والوں کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد کچھ جملوں میں ہنستے مسکراتے انداز میں اپنی قوم کا وہ پیغام دُنیا تک پہنچا دیا جو ہمارے سیاست داں کئی سال کی سیاست کے باوجود دنیا تک پہنچانے میں ناکام رہے۔

عصام نے کہا میں آپ سب لوگوں سے پاکستانیوں کی طرف سے کچھ کہنا چاہتا ہوں، ہر بار جب بھی میں امریکہ آیا ہوں میں محسوس کرتا ہوں کہ پاکستانیوں کے بارے میں لوگوں کی سوچ بہت خراب ہے اور وقت کے ساتھ یہ غلط فہمی مزید بڑھتی جا رہی ہے۔ امریکنز کو لگتا ہے کہ ہم دہشت گرد ہیں۔ پاکستانی قوم دہشت گرد نہیں ہے۔ ہماری قوم محبت کرنے والی ہے اور ہم ہر اُس شخص کے ساتھ ہیں جو دنیا میں امن قائم کرنا چاہتے ہیں اور یہی ہماری قوم کا سچ ہے۔

پندرہ ہزار لوگوں کی تالیوں کی گونج یہ بتا رہی تھی کہ ہماری قوم کے ایک بیٹے نے پوری قوم کے دِلوں کا حال سیکنڈوں میں دنیا تک پہنچا دیا۔ اعصام نے بعد میں پریس سے بات کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ امریکہ دنیا کی سب سے عظیم ریاست اس لئے ہے کیونکہ یہاں مذہبی آزادی ہے۔ فریڈم آف اسپیچ ہے، اگر گراؤنڈ زیرو پر مسجد بنے گی تو اِس سے بڑا امن کا پیغام مسلم دنیا کی طرف سے کوئی اور نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوسکتا۔

اعصام الحق نے کہا مجھے ہر بار امریکن ایئرپورٹس پر تلاشی کے لئے روکا جاتا ہے اِس بار بھی تین گھنٹے چیکنگ کے لئے روکا گیا پھر بھی مجھے خوشی ہے کہ میں اپنی قوم کا پیغام لے کر یہاں آیا ہوں مجھے یو۔ایس اوپن میں حصہ لینے اور فائنل میں پہنچنے سے زیادہ خوشی اِس بات کی ہے کہ میں ایک پاکستانی مسلمان ہوں جو اِس پلیٹ فارم کے ذریعے اپنی قوم کا پیغام دنیا تک پہنچا پایا ہوں۔

اعصام الحق جیت جاتے تو شاید کئی لوگوں کو اُن کا جیتنا پسند نہیں آتا۔ وہاں موجود کئی لوگ شاید Ceremony کیلئے رکتے بھی نہیں اور اعصام کی تقریر پر بھی بہت غور نہیں کرتے لیکن اعصام کے ہار جانے سے لوگ اُن کی بات سننے میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے دیکھتے ہیں یہ کیا بولتا ہے ہارنے کے بعد۔ ہارا نہیں جیتا ہے اعصام، اُن پندرہ ہزار اسٹیڈیم میں بیٹھے لوگوں کے اور ملینز امریکنیز اور دنیا بھر کے اُس وقت میچ دیکھنے والے لوگوں کے دِلوں تک پہنچا پانا اور پاکستان کی صحیح سوچ اور شناخت سے اُن کو آگاہ کرنا اور ہم سب کی طرف سے امن اور پیار کا پیغام دینا صرف اعصام کی نہیں ہماری پوری قوم کی جیت ہے مانا کہ جو جیتا وہی سکندر لیکن کبھی کبھی کچھ جیتنے کے لئے۔۔۔

K

یہ خوشی عجب خوشی ہے

امریکہ میں رات بہت جلدی ہو جاتی ہے یقین نہیں آتا تو کسی گورے کے گھر رات کے آٹھ بجے کے بعد فون کر کے دیکھیں۔ جواب اگر مل گیا تو کہا جائے گا کہ آدھی رات کو فون کیوں کیا ہے؟

حد تو یہ ہے کہ دِن میں ایک بجتے ہی پورا امریکہ ایک دوسرے کو ''گڈ نائیٹ'' بولنے لگتا ہے۔ ہمارے پاکستان میں رات نہیں ہوتی ہاں اندھیرا ہوتا ہے شام کے بعد لیکن ہم پاکستان میں سوتے نہیں ہیں۔ کسی کے گھر رات بارہ بجے بھی فون کرو تو پیچھے سے بچوں کی آوازیں آرہی ہوتی ہیں اور ''کیا کر رہے ہو؟'' کا جواب ملتا ہے ''بس کھانا کھا کر بیٹھے ہیں۔''

ہم کئی سال سے امریکہ میں رہتے ہیں۔ دِن میں امریکن ہو کر بھی رات میں ہم پاکستانی ہی رہتے ہیں یعنی دیر تک اُٹھے رہتے ہیں۔

اِتوار یکم مئی 2011ء کی رات بہت عجیب تھی کوئی ساڑھے دس بجے ہوں گے۔ ہم نیویارک میں گھر میں بیٹھے کمپوٹر پر کچھ کام کر رہے تھے۔ ہر رات کی طرح آج بھی گھر کے باہر بہت زیادہ خاموشی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایسا لگا جیسے کہیں دور سے کوئی پارٹی یا جشن ہو رہا ہے اور لوگ خوش ہو رہے ہیں شور مچا رہے ہیں۔ کمال ہے۔ اس وقت شور۔ وہ بھی اتنی رات کو۔ کچھ ہی دیر میں یہ شور بڑھنے لگا اور کوئی سوا گیارہ بجے تک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لوگوں کی خوشی سے بھرپور اِتنی آوازیں آنے لگیں کہ لگا پورا محلّہ باہر کھڑا ہے۔ ہم غلط تھے۔ یہ شور صرف ہمارے محلے کا نہیں۔ امریکہ کے ہر محلے کا تھا۔ یہاں تک کہ وہائٹ ہاوس کے باہر تک کا۔

''کچھ دیر پہلے اُسامہ بن لادن مارا گیا۔'' یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی اور پچھلے ایک گھنٹے سے لوگ وہائٹ ہاوس سے لائیو خطاب کا اِنتظار کر رہے ہیں بہت جلد ہی اُباما قوم سے خطاب کرنے والے ہیں جس کے بعد یہ خبر آفیشل ہو جائے گی۔

ساڑھے گیارہ ہوئے اور صدر اُباما کے خطاب پر پورے امریکہ کی نظر ٹک گئی۔ ''اُسامہ مارا گیا۔۔۔ ہم یہ آفیشلی اعلان کرتے ہیں۔۔۔'' اُباما کے یہ کہتے ہی پورے امریکہ میں جیسے ایک نئی طاقت آ گئی۔ ہر طرف خوشیاں شور شرابہ۔۔۔ اور یہ وہ رات تھی جب گورے پر اگلے دن Monday ہونے کا بھی اثر نہیں ہوا۔ نہ ہی اُس نے اپنے بچوں کے اِتنی دیر تک اُٹھے ہونے کی پرواہ کی کیونکہ آج اُسے یہ خوشی مناتے کسی اور بات کا ہوش نہ تھا۔

اگلے دِن ٹی۔ وی پر نیوز کاسٹر سے لے کر سڑکوں پر نظر آنے والا ایک عام گورا تک۔ ہر شخص کے چہرے پر خوشی تھی۔ ایک اِطمینان ۔۔۔ نیوز چینلز کے علاوہ ایسے لوکل چینلز جو صرف اور صرف امریکہ کے اندر ہی دکھائے جاتے ہیں اُن پر بھی عام لوگ بیٹھے خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

''دس سال سے زیادہ وقت گذر چکا ہے۔ آج بھی یاد ہے میں کیا محسوس کر رہی ہوں ستمبر گیارہ 2001ء کے وقت'' اِسی موضوع کے اِرگرد بیشتر ٹی۔ وی پر بات کر رہے تھے لوگ، بات بات میں جذباتی ہو کر رونا اور پھر خوشی کے آنسو اور امریکہ کے دو ہزار ٹی۔ وی چینلز پر صرف ایک جذبہ۔

ٹی۔ وی سے باہر اصلی دنیا میں بھی آفس پہنچتے ہی ہر دوسرا گورا پوچھ رہا تھا۔ نیوز دیکھی؟ خبر سنی؟ شہر کا کوئی کافی شاپ یا کسی آفس کا لنچ روم۔ بس یہی بات ہو رہی تھی کہ اُسامہ مارا گیا اور کیسے لوگ اِس چیز سے خوش ہیں۔

میں نے آج تک امریکہ کے عام لوگوں کو کسی کے مرنے پر اِس طرح خوش ہوتے نہیں دیکھا۔ یہ وہ ملک ہے جہاں ہر اِنسان کا علاج کرنا ہر اسپتال پر لازم ہے چاہے وہ غریب۔ یا اِل لیگل ہو اور اپنی فیس نہ دے پائے کیوں کہ صحت ہر اِنسان کا بنیادی حق ہے۔ امریکہ کی حکومت اور اِنٹرنیشنل میڈیا کی وجہ سے امریکنز کا یہ تاثر آتا ہے کہ اِن کو کسی کو تکلیف پہنچانے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی لیکن امریکن سسٹم میں اور اِن لوگوں کے بیچ رہ کر پتہ چلتا ہے کہ ایک عام امریکن ایک سیدھا سادھا انسان ہے پھر یہ آج کیا ہوا؟

امریکن خوش کسی کے مرنے سے نہیں تھے وہ خوش تھے اُس ''خوف'' کے مرنے سے جس کا نام میڈیا نے ''اُسامہ'' دیا ہوا تھا۔ ایک عام امریکن شخص پچھلے دس سال سے جب بھی ٹی۔ وی کھولتا تھا چاہے کوئی بھی موقع کیوں نہ ہو کرسمس، نیو ایئر، یومِ آزادی ٹی۔ وی پر ہر بار خبر کہ اُسامہ بن لادن کا نیا ٹیپ آیا ہے اور وہ اِس بار اِس طرح حملہ کریں گے۔ چاہے کوئی پُل ہو یا اُونچی بلڈنگ امریکنز ہر بار اپنے دِل میں وہ ڈر رکھتے جس کا نام ''اُسامہ'' تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاکستان یہ بات کئی بار کہہ چکا ہے یہاں تک کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی پریس ریلیز تک یوٹیوب پر موجود ہے جس میں وہ کئی سال پہلے کہہ رہی ہیں کہ اُسامہ مارا جا چکا ہے اور اُسامہ کے مارنے والے کا نام تک بتا رہی ہیں۔ یہ بات جولائی 2003ء میں انٹرنیشنل میڈیا کے سامنے آئی تھی کہ اُسامہ مر گئے ہیں کوئی کنفرمیشن نہیں تھی لیکن کئی لوگوں کا کہنا تھا کہ اب اُسامہ کی کوئی بھی نئی ویڈیو سامنے نہیں آئے گی اور اُس کے بعد جتنی ویڈیوز بھی مارکیٹ میں آئیں اُن پر یہی شک تھا کہ یہ نقلی ہیں۔

ستمبر گیارہ 2001ء کے بعد جب اُسامہ کا نام دنیا کے سامنے آیا تو اُس کے ساتھ ہی سب کو یہ بھی معلوم تھا کہ اُسامہ کے گردوں (Kidneys) میں مسئلہ ہے اور وہ ڈائیلاسس پر ہیں اور اُنہیں مستقل طبّی اِمداد کی ضرورت رہتی ہے جو افغانستان کے غاروں میں ناممکن ہے 2003ء میں ہی نہیں بلکہ اُس کے بعد بھی اُسامہ کی کسی حملے کے نتیجے میں یا میڈیکل مسئلے کی وجہ سے اُن کی موت کی خبریں مستقل آتی رہیں۔ اگر آپ انٹرنیٹ پر اُسامہ کی موت کی خبریں ڈھونڈیں تو ان گنت ایسی خبریں ملیں گی۔

پاکستان میں بھی بہت لوگوں کا یہی ماننا ہے کہ اُسامہ بہت پہلے مر چکے ہیں لیکن کچھ دِن پہلے آنے والی خبر سے پاکستان میں بھی ایک اُمید آئی ہے۔ اُمید کہ اب شاید دنیا میں امن آ جائے گا۔

پچھلے دس سال میں کئی جہادی گروپس بن گئے ہیں، کئی نام والے اور کئی بے نام لیکن پاکستان میں بھی بیشتر لوگوں کے لئے ڈر کا ایک ہی نام تھا ''اُسامہ'' جو کئی مسئلوں کی جڑ تھی پاکستان میں بھی اب اُمید کی کرن جاگی ہے کہ شاید چیزیں کچھ بہتر ہو جائیں۔ اب جب ہمارے بچے گھر سے نکلیں تو ہم یہ نہ ڈریں کہ کہیں فائرنگ نہ ہو جائے، کہیں بم نہ پھٹے۔ ہم کو دنیا شک کی نظر سے نہ دیکھے۔

امریکہ اور پاکستان دونوں طرف کے لوگوں کو بہت قریب سے جان کر ہم اِس نتیجے پر پہنچے ہیں چاہے ہم کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں چاہے ہم آٹھ بجے سو جائیں یا پھر رات کے بارہ بجے کھانا کھاتے ہوں ایک چیز ہم سب میں مشترک ہے ایک امن پسند دنیا بنانا اپنے لئے اپنے بچوں کیلئے اور اُس ڈر کو ختم کرنا جو ہمارے دِلوں میں بیٹھ گیا ہے۔ وہ ڈر جس کا نام ''پچھلے کچھ سالوں سے اُسامہ تھا، دونوں طرف کے لوگ کسی اِنسان کے مرنے پر خوش نہیں ہیں۔ اُسامہ تو شاید کئی سال پہلے مر چکا ہے۔ آج یہ خوشی اُن کے مرنے پر نہیں منا رہے۔۔۔ یہ خوشی لوگ اپنے اندر بیٹھے ''ڈر'' کے مرنے کی منا رہے ہیں۔

□ □ K □ □

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ رشتہ کیا کہلاتا ہے

محسن حسن خان پاکستانی کرکٹ ٹیم کے ایک بہترین کھلاڑی تھے گزرے کل میں کئی انٹرنیشنل میچز میں اُنہوں نے بہترین پرفارمنس دکھائی، ٹیم کے کم ٹوٹل اسکور کے باوجود سینچری بنانے کا اعزاز بھی اُنہیں حاصل ہے جو کہ ورلڈ ریکارڈ ہے یعنی ایک میچ جہاں پوری ٹیم ایک سو تیس رنز بنا کر آؤٹ ہوگئی تھی اُس میں محسن کی سینچری شامل تھی اِن میچز میں جب وہ زور زور سے بال پر بلا مارتے تو پورا پاکستان محسن کو سراہتا پھر ایک دِن اُنہوں نے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لی یعنی اپنے کرکٹ کیریئر کی سب سے بڑی غلطی کی یعنی ریناراۓ سے شادی کر لی اور اُس وقت کے بہت ہی سخت کپتان عمران خان کی ناراضگی مول لے لی جو اِنڈین اداکاراؤں سے تعلقات کے نہیں شادی کے خلاف تھے۔

اپنے زمانے میں عمران خان چاہتے تو شعیب محمد جیسے اچھے بلاباز کو اپنی پوری جوانی ٹیم میں ہونے کے باوجود محض پویلین میں اِنتظار کروا سکتے تھے اور چاہتے تو انضمام جیسے کھلاڑی جنہیں ہر آدمی ریجیکٹ کر چکا تھا اُسے سپر اسٹار بنا دیتے، ٹیم کے سارے مہرے عمران بھائی کے حساب سے چلتے۔ عمران محسن سے ناراض تھے اِس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی محسن کو کرکٹ کو بائی بائی کرنا پڑا۔

اکثر ٹوٹے پھوٹے انڈین سیاستداں یا کرکٹر اپنی ڈوبتی نیا کو پار لگانے ہالی وڈ کا سہارا لینے میں کامیاب ہوں یا نہیں لیکن انٹرٹینمنٹ چینلز پر نظر آنے لگتے ہیں، پاکستانی ہونے کے باوجود محسن نے اپنی ڈوبتی نیا سے بالی وڈ کی کشتی میں چھلانگ مار دی لیکن بالی وڈ میں محسن کے ساتھ بھی وہی ہوا جو ہر ٹیلنٹیڈ پاکستانی کے ساتھ ہوتا ہے یعنی پہلے تو بہت زیادہ ویل کم اور پھر کسی سیاسی وجہ سے اُس پاکستانی کو اِنڈیا چھوڑنا پڑتا ہے کامیڈین شکیل صدیقی اور سنگر عدنان سمیع کی باری بہت بعد میں آئی اُس سے کئی سال پہلے محسن حسن خان کی چند فلمیں کرنے کے بعد ہی ''بمبئی فوراً چھوڑ دو ورنہ۔'' والی دھمکی اُن کو آ گئی اور اُنہیں اچانک اِنڈیا چھوڑنا پڑا۔

اِنسان کو تاریخ سے سیکھنا چاہیے اور آج کے زمانے میں اگر ایک پاکستانی کرکٹر کے کیریئر کی پتنگ کٹ چکی ہو تو اُسے کم سے کم بالی وڈ کی طرف چلنے والی ہواؤں کا رخ نہیں کرنا چاہیے یہی محسن حسن خان کی تاریخ ہمیں سکھاتی ہے تو سوال یہ ہے کہ آج کا ڈوبتا پاکستانی کرکٹر پھر کیا کرے؟

آج اگر پاکستان میں آپ اسٹار بننا چاہتے ہیں تو کرکٹ فیلڈ یا سینما کے پردے پر نہیں ٹی۔وی کے چھوٹے سے اسکرین پر آنے والے نیوز چینل پر کمال کر کے دکھانا ہوتا ہے۔ آج پاکستان میں زیادہ تر لوگوں کا سسٹم کو بُرا بھلا کہنے کے بعد دوسرا مشغلہ نیوز چینل دیکھنا ہے آپ آج جتنے زیادہ ''ڈرامے'' نیوز چینل پر کرنے میں کامیاب ہوں گے لوگ اُتنا ہی زیادہ آپ کو پہچانیں گے اور اُتنی ہی زیادہ آپ کے بارے میں بات کریں گے۔

شعیب ملک کا گیارہ سالہ کرکٹ کیریئر اُس وقت خطرے میں آ گیا جب 2008ء میں پاکستان اپنے ہی ہوم گراؤنڈ میں شعیب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی کپتانی میں دوون ڈے میچ لگا تار سری لنکا سے ہار گیا، شعیب کو نہ صرف کرکٹ بورڈ نے بین کر دیا بلکہ اُن پر دو ملین روپوں کا جرمانہ بھی عائد کیا، شعیب کے اونچے اُڑتے کیریئر کی فلائیٹ کو ایمرجنسی لینڈنگ کرنی پڑی جب کرکٹ فینز نے ریٹائرمینٹ کے بعد عمران خان کی نہیں سنی تو پھر شعیب ملک کس کھیت کی مولی تھے۔

شعیب اپنے بین کے بعد ''مجھے ٹیم میں واپس لو'' والے بڑے بڑے بیان روز دیتے اور وہ اخباروں میں چھوٹی چھوٹی جگہ اندر کے صفحوں میں چھپ کر صبح سے شام ہوتے دم توڑ دیتے لوگ آپ کے نام کے ساتھ ''تھا'' لگانے میں دیر نہیں کرتے ٹیم میں اور نئی سیاستیں اور مسئلے آ گئے اور شعیب ملک کے نام کے ساتھ بہت آسانی سے ''تھا'' لگ گیا، شعیب کسی طرح اپنی کھوئی ہوئی شہرت کو واپس پالیں یہی چل رہا تھا اُن کے دماغ میں۔

محسن کی فلمی تاریخ شعیب کو یہ بتا چکی تھی کہ بالی وڈ کی طرف رخ کرنا غلطی ہوگی اور آج کے حالات اُن سے کہتے تھے کہ ریس میں واپس آنے کیلئے تمہیں کسی انٹرٹینمنٹ چینل پر نہیں بلکہ نیوز چینل پر آنا چاہیے ایک ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے اور دو کو ایک دوسرے کا۔

ثانیہ مرزا انڈیا کی وہ ٹینس پلیئر ہیں جو 2007ء میں اتفاق سے دنیا کی ٹینس پلیئر رینکنگ میں ستائیسویں (27) نمبر پر پہنچ گئیں تھیں لیکن اِس کے بعد اس سورج کی شام ہوگئی آج ثانیہ تیزی سے رینکنگ میں نیچے کی طرف آ رہی ہیں اور اِس وقت وہ ورلڈ میں ترانوے (93) نمبر پر ہیں، پچھلے کچھ سالوں سے زیادہ تر میچز میں وہ بہت بُری پرفارمنس دکھا رہی ہیں۔

کئی پہلے دیئے ٹی۔ وی انٹرویوز کے مطابق اپنی شادی سے خوش شعیب ملک کو ایک دم ''پہلا پیار'' ہو گیا یعنی تیز سمندر میں غوطے لگاتے شعیب نے جب خود کو بچانے کے لئے تیز لہروں میں سہارا ڈھونڈا تو اُن کے ہاتھ میں ثانیہ مرزا کا ہاتھ آ گیا جن کی خود حالت شعیب جیسی ہی تھی اور ثانیہ کو بھی ایک منگنی اور کئی لنک اَپس کے بعد اچانک ''پہلا پیار'' ہو گیا۔

شعیب کے ''گھر والی باہر والی'' کے جھگڑوں کے بعد بالآخر شعیب کی شادی ثانیہ سے ہوگئی جیسا کہ ہم سب ہی جانتے ہیں، سیالکوٹ میں کئے گئے ریسیپشن میں دولہا دولہن ہزاروں لوگوں کی بھیڑ سے تنگ اور پھر یہی اپی سوڈ لاہور کے پی سی ہوٹل میں بھی دہرایا گیا یعنی ہزار لوگ کے بلاوے پر مزید دو ہزار لوگوں کا بن بلائے آ جانا اور دولہا دولہن کا ناراض ہو کر بیچ ریسیپشن سے چلے جانا آج ٹیم میں موجود کھلاڑی سینچری بنا کر بھی ٹی۔ وی چینلز پر دو منٹ کو نظر آتے ہیں مگر شعیب ملک ہر نیوز چینل پر ہر دو دو منٹ پر ایک نئی خبر کے ساتھ نمودار ہو رہے ہیں۔

شادی کے کارڈ پندرہ ہزار روپے ویڈیو بنانے کے رائٹس پانچ کروڑ روپے پھول لگانے کے پانچ لاکھ شعیب کی شادی کے ہر چیز کے ریٹس آج بچے بچے کو معلوم ہیں۔ شعیب نے بیان دیا ہے کہ ثانیہ میری زندگی میں ''لیڈی لک'' بن کر آئی ہیں اور اِن کی وجہ سے یقیناً میرا کرکٹ کا کیریئر بھی پھر سے زندہ ہو جائے گا۔

ہم شعیب کو اُن کی پرفارمنس پر داد دیتے ہیں، کرکٹ کے میدان میں کپتان کے لئے سب سے ضروری فیلڈ مین Placement ہوتی ہے شعیب نے آج ایک سمجھدار کھلاڑی کی طرح حالات کو دیکھتے ہوئے میڈیا میں اپنی پلیسمنٹ بالکل صحیح کی ہے اب بس بلا اُٹھانے کی دیر ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com